تذکرہ شاہ نظام الدین محمودی سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ ملت مرشد کامل تونسہ شریف

شمیم

مرشد عالم
حضرت خواجہ غلام محمد نظام الدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ
ازقلم ڈاکٹر غلام فرید نظامی
ناشر انجمن فروغِ فنونِ اسلامی پاکستان ڈیرہ غازی خان

بار اوّل ۱۹۸۷ء ۱۴۰۷ھ
ضخامت ۳۰۴ صفحات
سائز ۲۳ × ۱۸ آفسٹ
طباعت باہتمام شمیم دارلکتابت بلاک ۲۸
ڈیرہ غازیخان
تعداد ایک ہزار
قیمت ۷۰ ستر روپے
ناشر انجمن فروغ فنون اسلامی پاکستان
ڈیرہ غازیخان

ملنے کا پتہ
جیلانی فریم میکرز بلاک ۱۰ ڈیرہ غازیخان
ناصر بک ہاؤس بلاک ۱۷ نزد پاکستانی چوک ڈیرہ غازیخان
مکتبہ اسلامیہ بلاک ۲۵ ڈیرہ غازیخان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جب موجِ رحمت جوش میں آتی ہے تو سینکڑوں گنہگار اپنے دامانِ عصیاں سے گلوخلاصی حاصل کر کے بخشش کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر نہ صرف رب العزت کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہیں بلکہ دوسرے خطا کاروں کی بخشش کے امیدوار بھی بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی رہبری و ہدایت کیلئے تقریباً سوا لاکھ پیغمبر مبعوث فرمائے اور ہماری خوش بختی ہے کہ ہم اس نبیؐ آخر الزماں کی امت ہیں جسے نہ صرف رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا بلکہ اسی کی عظمت کی مزید بلندی کیلئے ان کو حشر کے دن مقامِ محمود کا سزاوار ہونے کی بشارت بھی دے دی گئی۔

آقائے نامدار فخر الانبیاءؐ حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی رحلت کے بعد پیغمبروں کی آمد کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے ایک واضح حکم کے تحت بند کر دیا گیا اور قرآن کریم کے بعد آسمانی کتابوں کا نزول بھی ختم ہو گیا۔ اس لئے باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رشد و ہدایت کی راہ دکھانے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد یہ سلسلہ اپنے ان لوگوں کے ذریعے جاری و ساری رکھا جنھیں ہم غوث، قطب، ابدال اور ولی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہر ملک میں اولیائے کرام نے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ کر کے نہ صرف اسلامی اقدار کو جلا بخشی بلکہ

ءان کے اسمائے گرامی بھی امر ہو گئے ۔ مملکت خداداد پاکستان میں اللہ تعالیٰ کے
فضل وکرم سے اولیائے کرام کی تعداد دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت بہت
زیادہ ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علاقہ کفر و شرک کا گڑھ تھا ۔ ہمارے ملک
کے ہر قصبے، گاؤں اور شہر میں اولیائے کرام کے مزارات اس امر کی نشاندہی
کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے اولیائے کرام نے قریہ
قریہ گاؤں گاؤں سفر کر کے احکام الٰہی کی پیروی اور اتباع رسول مقبول صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا مقصد حیات بنائے رکھا ۔

ضلع ڈیرہ غازیخان ملک کے چاروں صوبوں کا سنگم ہے اور یہ
خطہ خاص طور پر اولیائے کرام کی نظر کرم کا مرکز رہا ہے ۔ اسی وجہ سے اس
دورافتادہ علاقہ کے شمال وجنوب میں بزرگان دین کے مزارات نہ صرف
اس علاقہ بلکہ ہند و سندھ کیلئے مرجع خلائق ہیں ۔ زیر نظر کتاب کا تعلق
تونسہ شریف کے معروف اور برگزیدہ بزرگ پیر پٹھان حضرت خواجہ نظام الدین
رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔

حضرت پیر پٹھانؒ کے متعلق میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ :-

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مجھ جیسے عاصی وخطا کار کیلئے یہ امر باعثِ فخر و سعادت ہے کہ الحاج ڈاکٹر
غلام فرید خان صاحب کی تصنیف نہیں بلکہ آپ بیتی کیلئے ابتدائی سطور تحریر
کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور مجھے اس بات پر بھی حیرت وخوشی ہے کہ
اس کتاب کی صورت میں بزرگان دین کے کمالات وحالات کو یکجا کرنے کی
سعادت ڈاکٹر صاحب کے حصے میں آئی جبکہ بہت سے حضرات کو حضرت
پیر پٹھانؒ کی حضوری کا شرف حاصل رہا ۔ ایں سعادت بزور بازو نیست

کے مصداق یہ ڈاکٹر صاحب کا خلوص اور عقیدت ہی ہے جس کی بنیاد پر انھوں
اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ایک انمول خزانے کو یکجا کر کے حقیقت میں
کو کوزے میں بند کر دیا ہے ۔

اس کتاب کے اوراق حقیقت میں ایک انمول سرمایہ ہیں جس میں
صرف ڈاکٹر صاحب نے اپنی قلبی حقیقت کو بروئے کار لاکر پیر پٹھانؒ کے کمالا
وعبادات کو قلمبند کیا بلکہ سلسلہ چشتیہ کے بہت سے دوسرے بندگان
کے ساتھ کئی اور بزرگان کے حالات بھی تحریر کرنے کی سعادت حاصل کر لی
جناب ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں حضرت پیر پٹھانؒ کے سوانحی خاکہ
ساتھ کچھ ایسے اہم واقعات وکمالات اور کرامات کو تحریر کیا ہے جن کا علم
بہت کم لوگوں کو ہے ۔

حضرت شیخ سعدیؒ کا قول ہے کہ "صحبت صالح ترا صالح کن
اور یہ بھی زبان زدِ عام ہے کہ "زیارت بزرگاں کفارۂ گناہ"۔ ان دو اقوال
کا آئینہ ڈاکٹر صاحب کی ذات اور ان کی تحریر کردہ یہ کتاب ہے ۔ انھوں
نے حضرت پیر پٹھانؒ کے حالات کو کتابی شکل دے کر اپنے آپ کو حضرت
پیر پٹھانؒ کا صحیح عقیدت مند ثابت کر دیا ہے ۔ کتاب میں حمد و ثنا
کے علاوہ دیگر منظوم کلام بھی قابل تحسین ہے ۔

اس کتاب میں کچھ مقامات ایسے ہیں کہ قاری پر وجد طاری ہو جاتا
ہے اور کچھ مقامات حد سے زیادہ رقت آمیز ہیں ۔ ان میں سے دو واقعات
کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ نہ صرف ان کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا بلکہ
میری ہچکی بندھ گئی ۔

کل نفس ذائقۃ الموت ایک اٹل حقیقت ہے مگر

ڈاکٹر صاحب نے جس انداز میں شہید پیر فرید ؒ کی وفات اور حضرت پیر پٹھان ؒ کی رحلت کا منظر جس سادہ اور پرسوز انداز میں کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کے علاوہ ایک ہندوستانی ہندو کے ساتھ نسبت محمدی پر حرف آنے کی بنا پر مدد کرنا اور قتل کے مقدمہ میں گواہی کے بعد مقتول کے ورثاء کو خون بہا ادا کرنے کے واقعات بڑے اثر انگیز ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے حضرت ؒ کے کمالات و عبادات اور کرامات کو سادا اور مختصر طریقے سے بیان کر دیا ہے۔ اگر کوئی ادیب یا مضمون نگار اس کو اپنے اسلوب بیان کے مطابق تحریر کرتا تو سادگی کی مٹھاس ختم ہو جاتی۔ نیز خواجہ صاحب ؒ کے اقوال کو نہایت سادہ اور خوبصورت انداز میں یوں پیش کیا گیا ہے کہ جن کا حاصل حرف یہ ہے ۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں۔

محمد خورشید شمیم الخطاط

ایم۔ اے

مرکزی نائب صدر انجمن فروغ فنون اسلامی

پاکستان

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما
واجمل منك لم تر قط عيني واحسن منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عيب كأنك قد خلقت كما تشاء
ابوبکر
عمر
يا صاحب الجمال ويا سيد البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر
لا يمكن الثناء كما كان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر
بلغ العلى بكماله
كشف الدجى بجماله
حسنت جميع خصاله
صلوا عليه وآله
طلع البدر علينا
من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا
ما دعا لله داع
عثمان
علی
نہیں حسرت زیادہ جینے کی
زندگی چاہیے قرینے کی
بنت قلزم کے موتیوں سے گراں
بوند اک تیرے پسینے کی

اللہ

اللہ اللہ اللہ اللہ

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا

پہلے تیرا نام لکھا تھا

اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ

میں وہ اسمِ عظیم ہوں جسکو

جن و ملک نے سجدہ کیا تھا

اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ

سجدے میں ساری عمر گذاری

لوگ کہیں گے تو میرا تھا

اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ

جو پایا وہ بھی تیرا تھا
جو کھویا وہ بھی تیرا تھا

اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ

پہلی بارش بھیجنے والے
میں تیرے درشن کا پیاسا تھا

اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ

میں وہ قبرِ زمین ہوں جس نے
بارِ امانت سر پہ لیا تھا

اللہ اللہ اللہ اللہ

اللہ

مناجات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الٰہی انت ربی وقوتی وانا عاجز

الٰہی انت مالک وانا مملوک

الٰہی عاجز تریں عاجزانم

الٰہی جاہل تریں جاہل انم

الٰہی نمیدانم تاچگونہ رضائے توجویم

الٰہی نمیدانم تا چہ گویم

الٰہی عجز و درماندگی من تومے بینی

الٰہی حاجت من تو می دانی

الٰہی من بے چارہ و عاجز ہیچ حیلہ وقوت و وسیلہ ندارم وآنچہ جز تست ازاں بیزارم
الٰہی من ضعیف درماندہ را، ومن نحیف درہائے راندہ را، ومن مدہوش سیاہ کار گنہگار را
ومن بدکردار را، ومن پذیرندہ فرمان شیطان را، ومن استاد مکتب عاصیاں را،
ومن مدہوش سرگشتہ را، ومن عہد شکن خودکام را، ومن گندم نمائے جوفروش را،
ومن زنار از خرقہ پوش را، ومن سیاہ رُو نامہ سیاہ را، ومن منافق
تباہکار الفضل عمیم وبہ لطف قدیم از بندہ نفس امارہ
خلاصی دہ وتوبہ نصوحا عطا کن کہ طاقت حضرت عدل تو ندارم۔

الٰہی مرا توفیق دہ کہ ترا بپرستم کہ بے توفیق تو ترا نتواں شناخت۔

الٰہی مرا تعریف دہ کہ ترا بشناسم کہ بے تعریف تو ترا نتواں شناخت

الٰہی ضائع کردم عمر خویش بداں چیز کہ رضائے تو نبود و من ندانستم ازاں توب
کردم و بیزار گشتم۔

اے دستگیر ہر شکستہ وائے دلیل ہر درماندہ وائے فریاد رس ہر شوا
وائے چارہ ساز بے چارگاں وائے قبول کنندہ توبہ عاصاں
وائے پذیرندہ گریختگاں اے حلیمے کہ حلم تو مارا گستاخ کرد۔
اے رحیمے کہ رحم تو مارا بیباک گردانید۔ ایں گستاخ
عفوکن واز خلعت معرفت ہمہ اعضائے مارا بپوشان

الٰہی بحق تہلیل و تسبیح و تحمید و تمجید جملہ روحانیاں وکروبیاں
الٰہی بحرمتِ عابداں و زاہداں۔
الٰہی بحرمتِ خواصگاں درگاہ تو۔
الٰہی بحرمتِ لواحقان حضرت تو۔
الٰہی بحرمتِ غریبان و شہادت جواناں
الٰہی بحرمتِ آبدیدہ عاصیان
الٰہی بحرمتِ عفو تو کہ برعاصیاں درگاتست
الٰہی بحرمتِ عزو جلال تو
الٰہی بحرمتِ وعظمت کمال تو کہ حاجات من وجملہ مسلماناں رواکنی وایمان ما ا
در دنیا و آخرت برما ارزانی داری
الٰہی چو دراں حجرہ تنگ و تاریک بے شمع مارا مبتلا کنی ایمان چراغ لحد گردانی

اَلصُّبحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِہٖ
وَاللَّیلُ دَجَا مِنْ وَّفْرَتِہٖ

فَاقَ الرُّسُلَا فَضْلًا وَّعُلٰی
اَھْدَ السُّبُلَا لِدَ لَالَتِہٖ

سَعَتِ الشَّجَرُ نَطَقَ الْحَجَرُ
شُقَّ الْقَمَرُ بِاِشَارَتِہٖ

جِبْرِیْلُ اَتٰی لَیْلَۃَ اَسْرٰی
وَالرَّبُّ دَعَاہُ لِحَضْرَتِہٖ

کَنْزُ الْکَرَمِ مَوْلَی النِّعَمِ
ھَادِی الْاُمَمِ لِشَرِیْعَتِہٖ

اَزْکَی النَّسَبِ اَعْلَی الْحَسَبِ
کُلُّ الْعَرَبِ فِیْ خِدْمَتِہٖ

فَاقَ الشُّرَفَا وَاللّٰہُ عَفَا
عَمَّا سَلَفَ مِنْ اُمَّتِہٖ

فَمُحَمَّدُنَا ھُوَ سَیِّدُنَا
فَالْعِزُّ لَنَا لِاِجَابَتِہٖ

اَلصُّبحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِہٖ
وَاللَّیلُ دَجَا مِنْ وَّفْرَتِہٖ

دل برد از من دیروز شامے
فتنہ طرازے محشر خرامے

روئے مبینش صبح تجلّیٰ — لوحِ جبینش ماہِ تمامے
مشکین خط او سنبل بہ گلشن — لعلیں لب او بادہ بہ جامے
چشمے کہ کوثر یک جرعہ او — قدے کہ طوباش ادنیٰ غلامے[1]
عارض چہ عارض گیسو چہ گیسو — صبحے چہ صبحے شامے چہ شامے
آں تیغ ابرو واں تیغ مژگاں — آمادہ ہر یک بر قتل عامے
برق نگاہش صد جاں بدامن — زلف سیاہش صد دل بدامے
ہر عشوۂ او شیریں[2] مقالے — ہر غمزۂ او رنگیں پیامے
از جسمِ لرزاں لرزاں دو عالم — از زلف برہم برہم نظامے[3]
گاہے بہ مستی طاؤس رقصاں — گاہے بہ شوخی آہو خرامے
از بار مینا لرزش بدستے — وز کیف صہبا لغزش بگامے

گفتم چہ جوئی گفتہ دل وجاں
گفتم چہ خواہی گفتہ غلامے

[1] [2] [3] آپ کو ان اشعار پر وجد آتا تھا

نعت

گل از رخت آموختہ نازک بدنی را
بلبل ز تو آموختہ شیریں سخنی را

ہر کس کہ لب لعل ترا دیدہ بہ دل گفت — حقا کہ چہ خوش کندہ عقیق یمنی را
خیاط ازل دوختہ بر قامت زیبا — در قد تو ایں جامہ سروِ چمنی را

از جامیؔ بیچارہ رساند سلامے
بر درگہہ دربارِ رسول مدنی را

نعت

نورِ احمدؐ باعثِ آفاق شد
نورِ احمدؐ شورشِ عشاق شد

گر نہ بودے نورِ احمدؐ دو جہاں — کے شدے پیدا زمین و آسماں
حمدِ معبودے کہ در جسد صور — شد انوارِ محمدؐ جلوہ گر
مصطفٰے نورِ جمال امر کن — آفتاب برج علم مَن لَدُن
دستِ ایجادِ جہاں را واسطہ — درمیانِ خلق و خالق رابطہ

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب آں یار کن

چوریوں جاریوں استغفار
بخشم شالا رب غفار

گندڑی عادت گندڑے فعلوں — توبہ! توبہ!! لکھ لکھ وار
کر کر سخت گنہ پرتایم — توں ہیں حقاوند بخشݨ ہار
پیر پیغمبر تیڈے بانہیں — توں مالک توں کل مختار
میں بدعملی تیں کر رحمت — جیں ڈیہنہ یاروی یار نہ یار
اوگݨ ہاری نہ کہیں کم دی — کوجھی کملی بدکردار
تیڈا شان ہے فضل کرم دا — میں وچ ڈوہ تے عیب ہزار
آون یاد گناہ پرانے — پٹ پٹ رووان زار و زار
رات قبر دی ڈیہنہ حشر دا — سرتیں کڑکم بارے بار

میں مسکین فرید ہاں تیڈا
توں بن کون اتارم پار

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

خبردار! تحقیق اللہ کے دوستوں کو کچھ خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو کوئی غم ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ جس مضمون کے انکار کا احتمال ہو وہاں عربی میں اَلَآ یا اِنَّ یا ھَا وغیرہ حروف تنبیہ لائے جاتے ہیں۔ چونکہ رب کو علم تھا کہ اولیاء اللہ کے فضائل و کمالات ان کے مراتب و درجات اور ان کی قدرت و اختیارات ان کے مناقب کے بہت سے منکر پیدا ہونے والے ہیں لہذا اس مضمون کو دو حروفِ تاکید سے شروع فرمایا۔ اَلَآ۔ اِنَّ۔ خبردار۔ بے شک تحقیق اَوْلِيَآءَ ولی کی جمع ہے۔ ولی کے چند معنی ہیں۔ قریب۔ دوست۔ ناصر۔ مددگار۔ والی۔ اس جگہ ولی کے معنی قریب ہے یا بمعنی ناصر یا بمعنی دوست۔ یعنی اللہ کے قریب دوست رہنے والے یا اللہ کے دین کے مددگار۔ اللہ کے دوست اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ جنہیں رب نے منتخب فرمایا اور شیطان کے دوست جنہیں شیاطین یا ہمارے نفوس نے منتخب کیا۔ اولیاء الشیاطین یا اولیاء من دون اللہ۔ یا حزب الشیاطین کہلاتے ہیں۔

قرآن کریم نے اولیاء من دون اللہ کی سخت مذمت فرمائی

ان کے ماننے والوں کو کافر فرمایا۔ اور اولیاء کے مناقب بیان کئے۔ یہ آیت اولیاء اللہ کے محامد کی ہے۔ اسی لئے فرمایا اولیاء اللہ۔ تاکہ اولیاء الشیاطین نکل جاویں۔

لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ فرماکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو خطرات سے بے خوف کر دیا۔ اور قیامت سے ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محفوظ کر دیا۔ یعنی اولیاء اللہ کو نہ دنیا کا خوف ہے اور نہ ہی قیامت کا غم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان حضرات کو دونوں جہان میں محفوظ رکھا ہے۔

امام اہلسنت حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں۔

"ولی کی اصل ولا سے ہے جو قرب۔ نصرت کے معنے میں ہے۔ ولی اللہ وہ ہے جو فرائض سے قرب الہیٰ حاصل کرے اور اطاعتِ الہیٰ میں مشغول رہے اور اس کا دل نور جلال الہیٰ کی معرفت میں مستغرق ہو۔ جب وہ دیکھے تو دلائل قدرت الہیٰ کو دیکھے۔ جب سنے تو اللہ کی آیات ہی سنے اور جب بولے تو اپنے رب کی ثناء ہی کے ساتھ بولے۔ اور جب حرکت کرے تو اطاعتِ الہیٰ میں حرکت کرے اور جب کوشش کرے تو اس امر میں کوشش کرے جو ذریعہ قرب الہیٰ ہو۔ اللہ کے ذکر سے نہ تھکے۔ اور دل کی آنکھ سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے۔"

یہ صفت اولیاء کی ہے۔ جب بندہ اس حال پر آپہنچتا ہے تو اللہ اس کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے۔

متکلمین کہتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو اعتقاد صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہے اور شرع مطہرہ کے مطابق اعمال صالحہ بجالاتا ہو۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ ہی کسی شئے کے فوت ہو جانے کا غم ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔ طبری کی حدیث میں بھی ابن زید نے کہا کہ ولی وہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ الذین آمنو وکانو یتقون یعنی ایمان وتقویٰ دونوں کا جامع ہو۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہیں جو خاص اللہ کے لئے محبت کریں بعض اکابرین نے فرمایا ولی وہ ہیں جو طاعت سے قرب الٰہی کی طلب کرتے ہیں اور اللہ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے یا وہ جن کی احدیت کا برہان کے ساتھ اللہ کفیل ہو اور وہ اس کا حق بندگی ادا کرنے اور اس کی مخلوق پر رحم کرنے کے لئے وقف ہو گئے ہوں۔

اللہ رب العزت تبارک وتعالیٰ نے (اولیاء اللہ کو) لوگوں کے دلوں کے بھیدوں اور نیتوں پر مطلع فرمایا ہے کیونکہ میرے رب نے ان کے دلوں کو ٹٹولنے والا اور پوشیدہ باتوں کا امین بنایا ہے۔ پھر ولی اللہ توحید کی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اس سے تمام حجابات اور پردے دور کر دئے جاتے ہیں۔ (ولی اللہ) اللہ تعالیٰ کے خاص بھیدوں اور رازوں سے مطلع ہو جاتا ہے۔

پھلواڑی گلدستہ عطر خوشبو

میرے سرکارِ دوجہاں وارثِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین اور پسندیدہ چیزوں میں خوشبو یا عطر ہے۔ آپ کے باغ جناں میں سے ایک خوشبودار ٹہنی، جس کو قلم (پیوند) کیا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہ کو عطا ہوئی۔ حضورؐ کے دستِ مبارک کی بخشی ہوئی اور حضرت علی کے حصّہ میں پہنچنے والی خوشبو، جس کا مرکز انسان کیا تصور کر سکتا ہے یہ خوشبو چار دانگ عالم میں پھیلی۔

میں اپنے مرشد کے حضور حاضر ہوا۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ سرہانے گلدستہ دیکھ رہے ہو۔ میں نے عرض کیا "ضرور"۔ فرمایا کہ یہ وہ گلدستہ ہے جو ہمارے بزرگان کے باغات چشتیہ کے حصہ میں آیا۔ خوشبو پھیلی چار دانگ عالم کو معطر کیا۔ مدینہ منورہ سے یہ خوشبو کا باغ پھیلتے پھیلتے یہاں پہنچا۔ اس کی تفصیل آگے بیان ہوگی کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اسے

حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے سپرد فرمایا پھر

حضرت خواجہ عبدالواحد رح

حضرت خواجہ فضیل رح

حضرت خواجہ سلطان ابراھیم بن ادھم رح

حضرت خواجہ سدید الدین رح

حضرت خواجہ امین الدین رح

حضرت خواجہ ممشاد رح

حضرت خواجہ ابو اسحاق رح

حضرت خواجہ ابو احمد ابدالی

حضرت خواجہ ناصر الدین ابو محمد رح

حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف رح

حضرت خواجہ مودود چشتی رح

حضرت خواجہ حاجی شریف زندانی رح

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح

حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیری رح

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح

حضرت خواجہ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رح

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح دہلی

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ رح دہلی

حضرت خواجہ کمال الدین رح

حضرت خواجہ شیخ صلاح الدین رح

حضرت خواجہ [illegible]

حضرت خواجہ محمود راجن رح

حضرت خواجہ جمال الدین جمن رح

حضرت خواجہ حسن محمد رح

حضرت خواجہ شیخ محمدؒ

حضرت خواجہ یحییٰ مدنیؒ

حضرت خواجہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ

حضرت خواجہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ

حضرت خواجہ مولینا فخرالدین دہلویؒ

حضرت خواجہ قبلہ عالم نور محمد مہارویؒ

حضرت خواجہ پیر پٹھان شاہ محمد سلیمان سرکار اعلیٰؒ

حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب حضور کریمؒ

حضرت خواجہ محمد محمود حضور رحیمؒ

حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدین محمودی سلیمانی حضرت نعیمؒ

حضرت خواجہ محمد غلام فخرالدین ابو نصرؒ

حضرت خواجہ محمد غلام نصر المحمود فخری نظامی سلمہ اللہ تعالیٰ

بچہ پن (بچپن) یاد نہیں۔ البتہ لڑکا پن (لڑکپن) المناک ہے۔ پیاری ماں کی ماما چھن گئی۔ آرزوؤں، خوابوں کا محل زمیں بوس بلکہ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ ماں کا تصور بے ماں والے سے پوچھو۔

تونسہ شریف اپنی پھوپھی صاحبہ (حضرت خواجہ گل محمد صاحب کی والدہ) کے پاس گیا۔ میرے ہمعمر (چند ماہ چھوٹ بڑائی) حضرت خواجہ خیر محمدؒ سے کھیل کود دوڑ بھاگ رہتی۔ درویشانہ، فقیرانہ، عالمانہ ماحول، پھوپھی صاحبہ کے گھر شمال غربی کونہ والی کوٹھی کی کڑیاں بھی یاد ہیں۔ حضرت خواجہ گل محمدؒ کے دوسرے لڑکے عطا محمدؒ صاحب جو چودہ سال کی عمر میں تپ محرقہ سے وفات پاگئے۔

کھیل کود سے وقت نکال کر حضرت خواجہ خیر محمدؒ سے چھپ کر حضرت خواجہ رحیم محمد محمودؒ کی مجلس میں جا بیٹھتا۔ حضور اچھی طرح پہچانتے تھے۔ خیر خیریت پوچھتے۔ کبھی پاس بٹھا لیتے۔ سرکار نعیمؒ سے بھی خاصی علیک سلیک تھی۔ حضرت خواجہ رحیمؒ کا جاہ و جلال، عروج شاہی، اصطبل کے گھوڑے، شکاری باز ان کو دیکھنے کیلئے اکثر (قدرتاً فطرتاً ہر لڑکا ان چیزوں کو دیکھنے کی تمنا رکھتا ہے) میں بھی اس زمرہ میں تھا۔ مرشدم حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدینؒ اور خواجہ غلام فرید شہیدؒ جب ہر دو صاحبزادگان دربار محمودی سلیمانی میں آتے تو دنیا دیکھتی رہتی۔ جس طرح دو حسین و جمیل فرشتے آسمان سے اتر کر آئے ہوں بعینہٖ

یہ نقشہ وہ ہوتا جو میرے دوستوں نے حضرت بابا فخر رح اور معین خان سلم اللہ دربار نظامی محمودی سلیمانی میں دیکھا ہے تشریف لاتے اور دل و دماغ حیران ہوتے وطن کی بہتے، چھوڑی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد علیگڑھ مسلم یونیورسٹی جا پہنچا۔ قسمت، ماحول وہاں بھی درویشانہ، فقیرانہ عالمانہ میسر آیا۔ علامہ شبلی نعمانی کے جانشین حضرت مولانا محمد اکرام اللہ خاں ندوی نے سرپرستی فرمائی۔ سید سلیمان ندوی آپ کے ہاں علیگڑھ میں آکر ٹھہرا کرتے اور میں ان کی خدمت میں حاضر رہتا۔ میں نے اپنی چھ سالہ طبی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم تجوید (قرأت) بھی پڑھنا شروع کیا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے دینیات کے سربراہ حضرت قبلہ مولانا سید سلیمان اشرف رح یگانہ روزگار بزرگ تھے۔ میر عثمان علی خان والی دکن آپ سے ملنے آپ کے مکان پر آتے۔ آپ تونسہ شریف سے پوری طرح واقفیت رکھتے۔ سال میں تین مقامات پر اور مقررہ تاریخ پر ہمیشہ آپ کی تقاریر ہوتیں۔

۱۔ اجمیر شریف ۔ ۲۔ دہلی شریف ۳۔ الہ آباد ہمیشہ تقاریر کا ایک ہی موضوع ہوتا۔ "رحمۃ اللعالمین"۔ محبان ہندوستان بھر سے ان تقاریر میں حاضر ہوتے۔ بعد نماز عصر قرآن پاک کا درس فرماتے (یونیورسٹی مسجد) ہزاروں طلباء و دیگر اساتذہ (اور یہ خادم بھی) اس درس سے فیضیاب ہوتے۔

علی گڑھ سے واپسی پر ۱۹۳۹ء ۱۶ اکتوبر۔ یکم رمضان المبارک ڈیرہ غازیخان میں مطب کا قیام عمل میں آیا۔

حضور سرکار نعیم خواجہ ملت محمد غلام نظام الدین رح ڈیرہ غازیخان تشریف فرما

مؤلف کتاب ڈاکٹر الحاج غلام فرید عاصم شیبانی
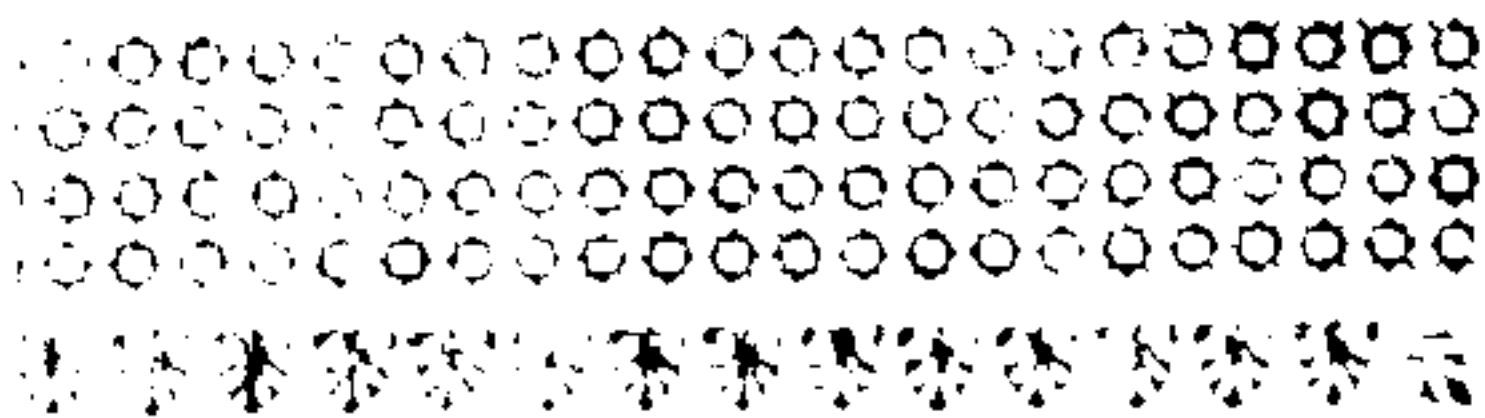
ہوتے اور بندہ خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ بالآخر چنگاری نے شعلہ کی شکل اختیار کی اور آپ کی غلامی سے سرفراز ہوا

چونکہ ذاتِ پیر را کردی قبول
ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

جو گذری جو سنا دماغ میں جو سودا موجود تھا بصدقہ سلسلہ چشتیہ حاضر ہے۔ کوتاہی کی معافی چاہتا ہوں۔

مفتخر از وے بغلامی منم
خواجہ نظام الدین است ونظامی منم

ڈاکٹر
غلام فرید

ہیچ در نردم بعد ازیں زحضرت دوست
چو کعبہ یافتم آیم ز بت پرستی باز
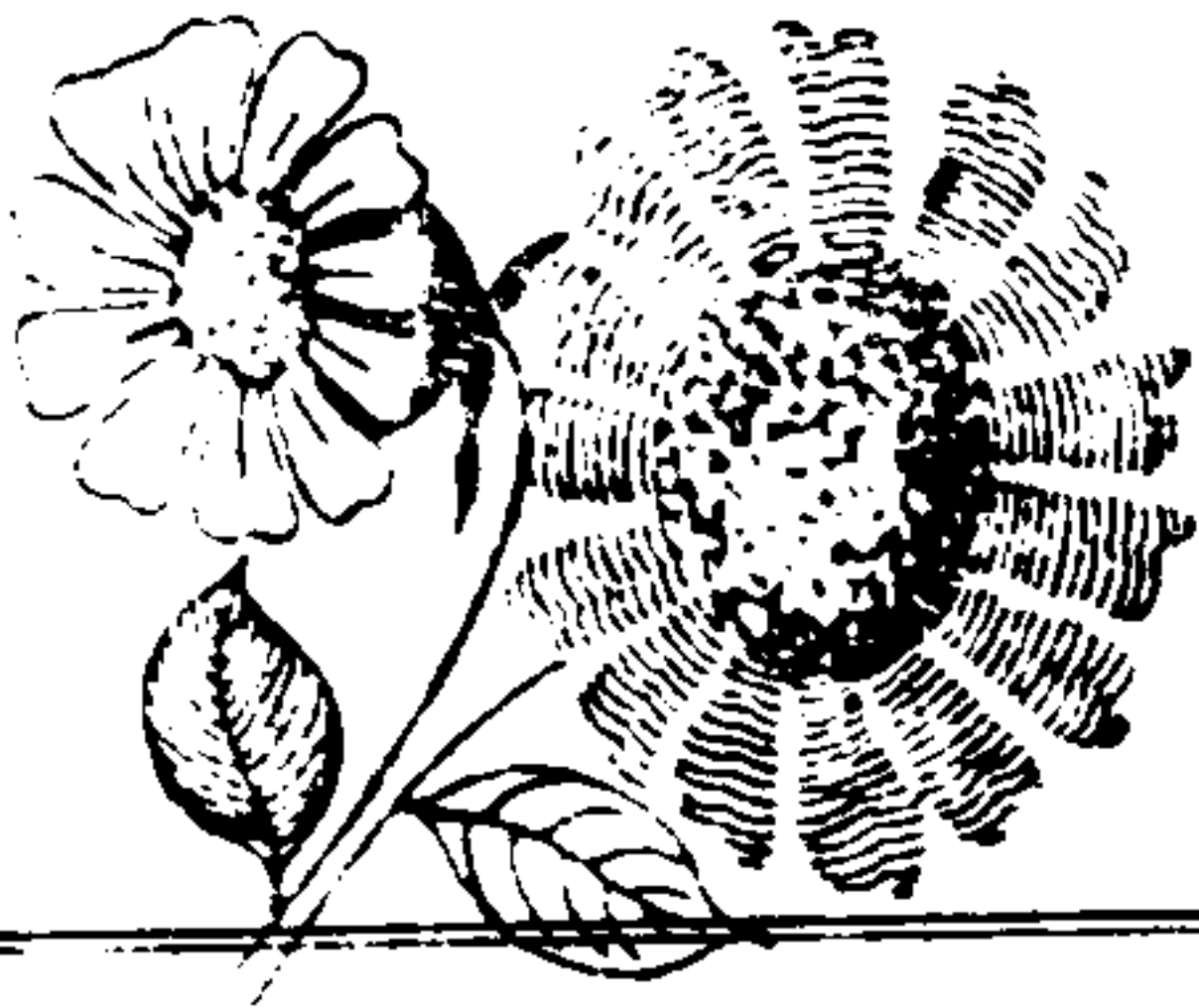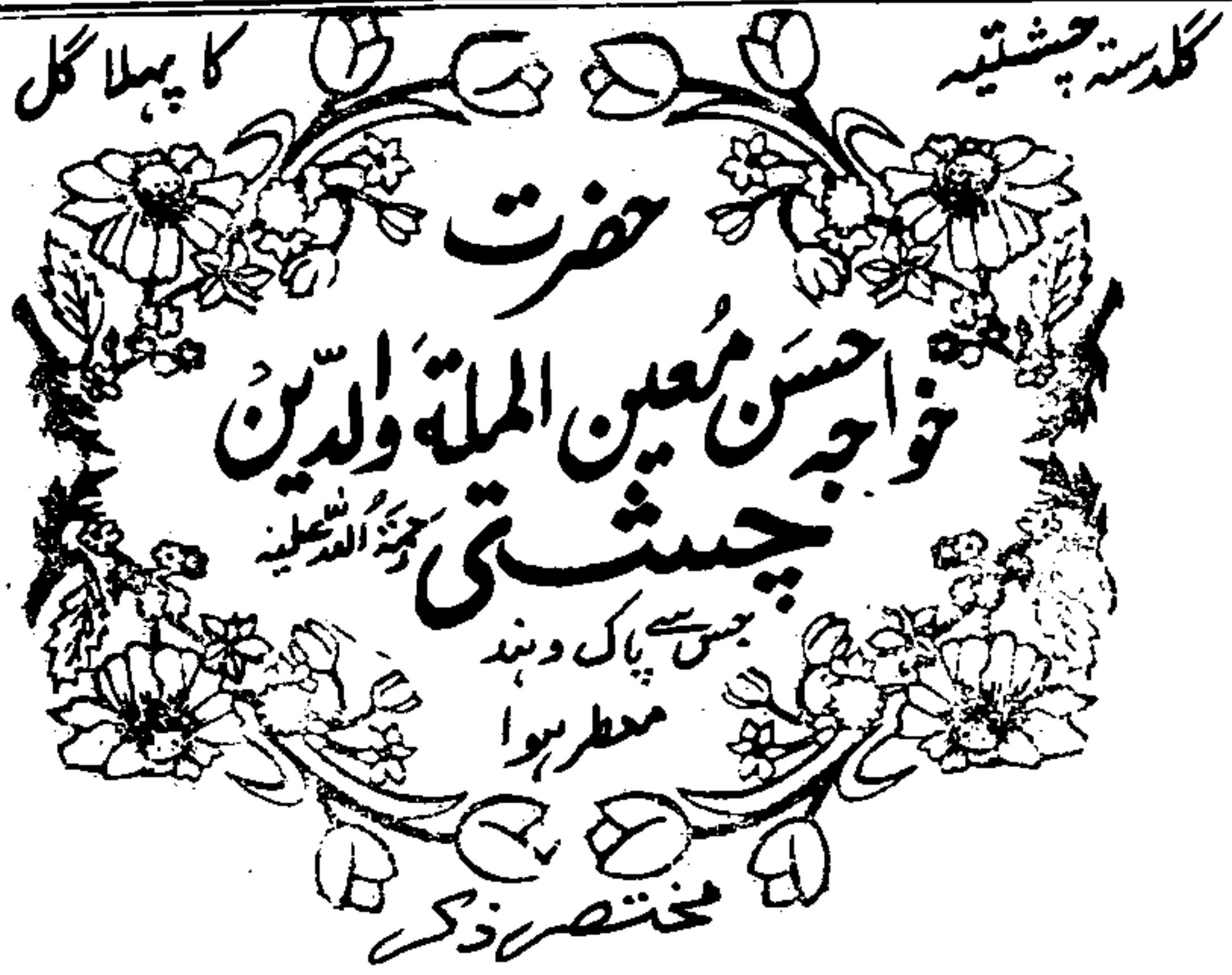
پیدائش

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ۵۳۰ ہجری کو سیستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار خواجہ غیاث الدین حسن صاحب دولت، ورع و تقویٰ اور عابد و زاہد تھے۔

نقل مقامی

اس زمانہ کی بدامنی سے آپ سیستان سے خراسان چلے آئے ۵۴۳ ہجری جبکہ آپ کی عمر ۱۳ سال تھی' زمانہ کی ہولناک تصویر جو سننے سنانے کی روایات سے زیادہ خطرناک تھی۔ نیشاپور کے علماء' فضلاء' اولیاء' ابرار، اتقیاء واحرار سب شہید کر دیے گئے اور سرمایہ علمی' کتب خانے سب جلا دیے گئے۔

یہ تہلکہ، یہ آفتیں، یہ بلائیں خواجہ خواجگان نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اس اثناء میں آپ کے والد بزرگوار بھی سفر آخرت کو سدھارے۔ آپ کو ترکۂ پدری سے ایک باغ اور ایک چکی ملی۔

کچھ عرصہ بعد بلکہ جلد ہی نیشاپور تباہی کی زد میں آگیا۔ سلطان سنجر کے

لیے سلطان محمود سلجوقی اور ترکان غزد کی معرکہ آرائی اور اہل شہر کی خانہ جنگی سے تمام
محلوں میں آگ لگا دی گئی۔ مسجدیں اور مدرسے جلا دیے گئے۔

ان سوانح روح فرسا اور مصائب ہوش ربا نے آپ کے دل کو دنیائے
ناپائیدار کی طرف سے متنفر کر دیا۔ خدا ترسی، زہد و عبادت سے انس پیدا ہو گیا۔ آپ
اپنے آبائی باغ کی خبر گیری فرماتے اور عبادت میں مشغول۔

اس قصبہ میں جہاں آپ کا باغ تھا ایک بزرگ رہا کرتے تھے۔ جو ابراہیم قندوزی
کے نام سے مشہور تھے کا گذر آپ کے باغ سے ہوا۔ آپ نے جھٹ تازہ انگوروں کا
ایک خوشہ لا کے سامنے رکھا اور خود دو زانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھ گئے مگر

ع دلی را دلی می شناسد

ابراہیم قندوزی نے نوعمر عقیدت کیش کے لئے اپنی بغل سے کھلی کا ٹکڑا اور اپنے
دانتوں سے کسی قدر کاٹ کر حضرت خواجگان کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کا حلق سے
اترنا تھا کہ آپ کو کچھ اور عالم نظر آیا۔

اب کیا تھا نظر میں نہ دنیا کی وقعت تھی اور نہ دولت کی ہوس۔ وہ باغ
اچکی بیچ اس کی قیمت فقراء محتاجوں کو بانٹ دی۔

سمرقند و بخارا پہلے شمال اور مشرق کی طرف چلے اور سمرقند و بخارا کی راہ
لی۔ یہ شہر علم و فضل کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ وہیں آپ

نوٹ: چشتی آپ اس لئے کہے جاتے تھے کہ حضور کے مرشد عثمان ہارونی کا سلسلہ ارادت حاجی شریف زندنی سے تھا
اور وہ خواجہ مودود چشتی کے مرید تھے۔ اور ان کی خواجہ ناصر الدین چشتی سے اور خواجہ ناصر الدین چشتی، شیخ یوسف
چشتی کے مرید تھے۔ (چشت اطراف خراسان کے ایک گاؤں کا نام ہے)

نے قرآن مجید حفظ فرمایا۔ اور دیگر علوم ظاہری سے فارغ ہو کر ان شہروں کو خیر

موضع ہارون فرمایا اور مغرب کی طرف چل دیئے ۔ اور موضع ہارون
میں پہنچے ۔

اپنے مرشد کے حضور خواجہ عثمان ہارونی کا جلوہ دیکھا۔ فوراً ادب تعظیم اور ارادت و عقیدت سے حاضر ہوئے ۔

خود فرماتے ہیں کہ اس صحبت میں بڑے بڑے معظم و محترم مشائخ جمع تھے ۔ ادب سے حاضر ہوا اور روئے نیاز زمین پر رکھ دیا۔ حضرت مرشد نے فرمایا "دو رکعت نماز ادا کر" تعمیل ارشاد کیا۔ "رو بقبلہ بیٹھ ۔" پھر ارشاد ہوا "سورۃ بقر پڑھ ۔" پڑھی ۔ تب آپ نے فرمایا۔ "ساٹھ مرتبہ کلمہ سبحان اللہ کہو۔" ایسا کیا۔ اس کے بعد مرشد خود اٹھ کھڑے ہوئے ۔ میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ اور فرمایا۔ "میں نے تمہیں خدا تک پہنچا دیا۔" ان جملہ امور کے بعد کلاہ چہار ترکی میرے سر پر رکھی ۔ اور اپنی کملی مجھے اڑھا دی ۔ اور فرمایا "بیٹھ ۔" ارشاد ہوا۔ "ہزار بار سورہ اخلاص پڑھ ۔" اس کے بعد فرمایا۔ "اوپر دیکھ ۔" میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا دی دریافت کیا۔ "کہاں تک دیکھا ہے ؟" عرض کیا۔ "عرش معلیٰ ۔" پھر حکم ہوا ۔ "نیچے دیکھ ۔" "کیا دیکھا ہے ؟" عرض کیا ۔ "تحت الثریٰ" پھر حکم ہوا۔ "ہزار بار سورہ اخلاص پڑھ ۔" تب حضرت نے دو انگلیاں میری نظر کے سامنے رکھیں اور پوچھا "کیا دیکھتا ہے ؟" عرض کیا ۔ "اٹھارہ ہزار عالم ۔" فرمایا "اب تمہارا کام پورا ہو گیا ۔"

حضرت خواجہ اڑھائی سال تک حضرت عثمان ہارونی کی خدمت میں حاضر رہے ۔ خرقہ درویشی اور سند ولایت حاصل کر کے آپ نے بغداد کا راستہ لیا

اصفہان

وہاں سے اصفہان پہنچے ۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو مرید بنایا ۔ اور اپنی دوبتی اور ایک سند معرفت عطا فرمائی ۔ یہی مبارک خرقہ شیخ فریدالدین گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیاء اور شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کو مرحمت ہوا ۔

سبزوار

آپ اصفہان سے سبزوار تشریف لائے ۔ وہاں یادگار محمد نامی بادشاہ کی حکومت تھی ۔ نہایت فاسق و فاجر تھا ۔ شہر کی آبادی سے باہر اس کا باغ تھا ۔ جس میں صاف ستھرا حوض تھا ۔ حضرت خواجہ نے حوض کے کنارے پہنچ کر غسل فرمایا اور دو رکعت نماز ادا کر کے قرآن مجید پڑھنے بیٹھ گئے ۔ آپ کے خادم نے اطلاع دی کہ بادشاہ یادگار محمد باغ کی سیر کو آرہا ہے ۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ تم درخت کی اوٹ میں چھپ جاؤ میں یہیں بیٹھا ہوں ۔

ادھر بادشاہ کے خدام نے قالین بادشاہ کے لئے حضرت کے قریب لاکر بچھایا ۔ بادشاہ حضرت کو قالین کے قریب بیٹھے ہوئے دیکھ کر بہت ناراض ہوا ۔ یہ کلمہ سنتے ہی حضرت نے سر اٹھایا اور جلال و غضب کی ایسی نظر ڈالی کہ بادشاہ لرز گیا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہو گیا ۔ نوکروں نے جب بادشاہ کی یہ حالت دیکھی تو آپ کے قدموں میں گر پڑے اور عجز سے گڑگڑا کر عرض کی حضرت ان کی گستاخی معاف فرمائیں ۔ ان کے رونے دھونے پر آپ کو رحم

آیا اور وہ جلال ختم ہوا ۔ اپنے خادم کو بلایا ۔ اور حکم دیا کہ حوض کا تھوڑا سا
پانی بسم اللہ پڑھ کر اس کے منہ پر چھڑکو ۔ یادگار محمد کو ہوش آگیا ۔ اب اس
کی سرکشی اور نخوت کا کہیں نام نہ تھا ۔ اٹھتے ہی حضرت کے قدموں میں گر پڑا۔
اور کہا یا شیخ ! آج سے میں نے تمام ممنوعہ چیزوں کو چھوڑ دیا ۔ آپ میرا قصور
معاف فرمائیں ۔ آپ نے اس کا سر اپنے قدموں سے اٹھایا اور نہایت نرمی
کے انداز میں ارشاد فرمایا ۔ خاندانِ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا
کا دم بھرنا اور احترام کرنا ۔ اسی سلسلہ میں آپ نے آئمہ اہل بیت کے
مناقب بیان فرمائے ۔ یادگار محمد اور اس کے تمام رفقاء زار و قطار رو
رہے تھے ۔ سب نے آپ کے سامنے توبہ کی۔

آنچہ زر میشود از پرتو آں قلب سیاہ
کیمیائے ست کہ در صحبت درویشاں ست

یادگار محمد نے وضو کیا ۔ شکرانے کی دو رکعت نماز ادا کر کے بیعت کے
لئے ہاتھ بڑھایا ۔ اور آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا ۔ بادشاہ نے اپنی تمام
اثاث البیت یا تمام جائیداد و مال اسباب حضرت کے سپرد فرمایا۔ آپ نے انکار
کیا ۔ فرمایا جو جس کا مال لوٹا یا جبراً لیا واپس کرو ۔ اس کے بعد جو بچا وہ فقرا
درویشوں میں تقسیم کر دیا ۔ حتیٰ کہ اپنی منکوحہ بیوی کو طلاق دے دی۔
اور سب کچھ چھوڑ حضور کے ہمرکاب ہو گیا ۔ حضور نے اسے ضلع حصار
(ہندوستان) میں رہنے کا حکم فرمایا ۔ 128346

بلخ سبزوار سے روانہ ہو کر آپ بلخ روانہ ہو گئے۔ بلخ میں ان دنوں ایک نامی گرامی حکیم اور فلسفی مولیٰنا ضیاء الدین حکیم کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ حکیم صاحب نہ صوفیا کرام کی عزت کرتا اور نہ علماء کی۔ اپنے درس میں بھی طلباء کو یہی سناتا رہتا۔ ان کا مدرسہ ایک باغ میں تھا۔

ادھر ہمارے خواجگان ترکمان، چقماق، پتھر اور ایک نمکدان ہمیشہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ حسب ضرورت بھوک، جنگل میں جا کر شکار کر کے بھون نمک کے ساتھ تناول فرماتے۔

اس شکار کے مشغلہ میں اتفاقاً آپ کا گذر اس گاؤں سے ہوا۔ جس میں یہ خود پرست حکیم اپنے مدرسہ میں بیٹھ کر اہل حقیقت کی توہین و تحقیر کیا کرتا تھا۔ حضرت نے یہاں ایک کلنگ شکار کیا۔ خادم نے شکار بھونا اور آپ عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اس اثناء میں اتفاقاً حکیم ضیاء الدین وہاں آ پہنچا اور دیکھا کہ ایک درویش مشغول نماز ہے اور خادم گوشت بھون رہا ہے۔ یہ دیکھ کر حکیم ٹھہر گیا۔ خادم نے وہ بھنا ہوا گوشت حضرت کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ حضرت نے ایک ران توڑ کر حکیم صاحب کے سامنے رکھ دی۔ اور دوسری سے خود گوشت جدا کر کے کھانے لگے۔

اس ران کا کھانا تھا کہ حکیم صاحب کے سارے مسائل فلسفہ و حکمت ذہن سے محو ہو گئے۔ ساتھ ہی ایک مدہوشی کا عالم طاری ہو گیا۔ حضرت نے تھوڑا سا منہ کا جھوٹا گوشت اس کے منہ میں ڈالا۔ اس کے حلق سے اترتے ہی بے ہوشی جاتی رہی۔ اب رمز حقیقت آشکارا ہوئی۔ اور حکیم صاحب معہ شاگردوں کے حضور

کے مرید ہوئے۔ اس واقعہ نے بلخ میں دھوم مچا دی۔ اور لوگوں کا اجتماع ہوتا گیا۔ حضرت کے عبادات میں فرق آنے لگا تو آپ بلخ سے غزنی روانہ ہو گئے۔

غزنی غزنی میں حضور شمس العارفین شیخ عبدالواحد سے ملے۔ جو غزنی کے باکمال اور صاحب باطن مشائخ میں سے تھے۔

ہندوستان میں آپ کی تشریف آوری

آپ ہندوستان میں جب تشریف فرما ہوئے ملک میں بت پرستی انتہا پر تھی۔ گھر گھر، گاؤں گاؤں، شہر شہر بت ہی بت تھے۔ ہندوؤں کے بیسیوں خدا تھے۔ دریا خدا، آگ خدا، سانپ خدا۔ معلوم نہیں گنے بھی جا سکتے تھے یا نہ۔ توہم پرستی تھی۔ اسلام کا نام لینا دشمنی کے برابر تھا۔ محمود غزنوی کے حملوں کا نام مسلمان تھا اور مسلمان کا نام محمود غزنوی۔

لاہور سب سے پہلے آپ لاہور تشریف فرما ہوئے۔ اور حضرت داتا صاحب کے مزار کے قریب چلہ کشی فرمائی۔ وہ جگہ ابھی تک محفوظ ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ دہلی پہنچے۔

دہلی کمزور دارثانِ غزنوی کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ البتہ غوریوں کا کوکب اقبال نیا چمک رہا تھا۔ شہاب الدین غوری اجمیر اور دہلی کے راجاؤں سے شکست کھا کے گیا تھا اور جوشِ انتقام سے بے قراری کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ حضرت نے دہلی میں زیادہ وقت تبلیغ میں صرف کیا اور تبلیغ بھی

ایسی کہ ہندو بھی آپ کے قریب آنے لگے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن بہ خاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

اجمیر شریف

آپ اجمیر تشریف فرما ہوئے۔ رائے پتھورا راجستان کا راجہ اجمیر شریف میں حضرت کی آمد، ہندوؤں اور مسلمانوں کی عقیدت اور آپ کے اطوار دل پسندیدہ کی وجہ سے لوگوں کا جمگھٹا ہونے لگا۔ راجہ کو خطرہ ہوا کہ یہ ہندوؤں کی نیشنلٹی توڑنے اور مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کی پولیٹیکل مہم ہے رائے پتھورا ان کارروائیوں سے برہم ہوا۔ خصوصاً آپ کی شانِ ولایت کے عوام گرویدہ ہو رہے ہیں۔ اور ہندو، مسلمان ہوتے جا رہے ہیں۔

(خواجہ صاحب کو کیا حق ہے جو یہاں آیا اور طرح طرح کے کرشمے دکھا کر اور ترغیب کی باتیں بتا کر لوگوں کو گرویدہ بناتا اور گمراہ کرتا ہے)

یہ کلمات حضرت خواجہ صاحب کو جا کر لوگوں نے بتائے۔ آپ پر ایک عالم جوش طاری ہوا اور غصے میں آکر فرمایا۔ "خیر وہ تو ہمیں نکالے یا نہ نکالے مگر ہم نے اسے زندہ پکڑ کر بادشاہِ اسلام کے حوالے کر دیا"۔

تراوڑی کے میدان میں رائے پتھورا، دہلی اور دیگر راجواڑوں کے راجے اکٹھے ہوئے۔ شہاب الدین غوری کا لشکر اتنا بڑا نہ تھا مگر حضرت خواجہ کی دعا کہ اکثر راجے مارے گئے یا بھاگ گئے اور رائے پتھورا زندہ پکڑا گیا۔ شہاب الدین نے اس کا سر قلم کر کے نیزے پر دنیا کو دکھایا کہ یہ درویشوں کو اپنے دیار سے نکالتا ہے۔ قطب الدین ایبک کو اپنا نائب بنا کر دہلی میں چھوڑا جو ہندوستان کا پہلا خاندان غلاماں

کا بادشاہ اور پولو کھیلتے ہوئے لاہور میں فوت ہوا۔

حضرت خواجہ کے ہاتھ پر روزانہ لاکھوں ہندو مسلمان ہوتے اور ہندو
کا ملک روز بروز اسلام کی روشنی سے منور ہوتا گیا۔

ـلافت عطا ہوئی اصفہان میں حضرت اجمیری چشتی رح نے آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ شمس الدین التمش ‌‌‌ـہ زمانہ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ دہلی آپ کی قدم بوسی کی منتظر تھی۔ اپنے ‌ـشد کا یہی حکم ہوا کہ دہلی میں قیام ہو۔

ـضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء سے روایت ہے کہ ایک شخص ‌ـعزت خواجہ صاحب کے پاس آیا۔ سلام عرض کیا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ ‌ـلیہ وسلم نے سلام کہا ہے۔ حضرت یہ بات سن کر کھڑے ہو گئے تعظیم کے لئے اور ‌ـیایا جضرتؓ نے اور کیا ارشاد فرمایا!

اس نے کہا میں نے خواب دیکھا ایک قبہ ہے اور ٹھگنے قد کا ایک آدمی

قبے کے اندر جاتا ہے اور پھر باہر آتا ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ قبہ اور ڈھ
آدمی اور لوگوں کی درخواستیں کیا ماجرا ہے؟ ایک صاحب نے فرمایا۔ اس قبہ
اندر سرکارِ دوجہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور یہ ٹھگنا آ
عبداللہ بن مسعود ہیں۔

میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں گیا اور عرض کیا میری طلبی ک
درخواست پیش فرمائیں۔ تھوڑی دیر بعد عبداللہ بن مسعود تشریف لائے اور فر
تم بختیار کاکی سے میرا سلام کہو۔ تم نے تین روز سے مجھے بھلا دیا ہے۔ جو تح
ہر رات بھیجا کرتے تھے نہیں بھیجا۔"

میں خواب سے بیدار ہوا۔ اب آپ کے حضور آیا ہوں۔ خواجہ صاحب سم
گئے۔ تین روز سے شادی کی اور درود شریف کا جو تحفہ ہر رات بھیجا کرتے ت
میں کوتاہی ہو گئی۔ فوراً اپنی زوجہ کو حق مہر ادا کیا۔ حقوق دیگر سے فارغ فرما
طلاق دے دی۔

وفات

حضرت خواجہ بختیار کاکی قوالی کی مجلس میں حضرت احمد جام کا یہ ش
بار بار سنتے تھے اور حالت طاری ہوتی۔ ایک روز اسی طا
کیفیت میں حضرت نے وفات پائی۔ شعر

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

ترجمہ:۔ جو لوگ رضا اور تسلیم کے خنجر سے کشتہ ہو جاتے ہیں ان کو غیب سے نئی زند
ملتی ہے۔

عید کا تحفہ

حضرت سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب صاحب اپنے سب قرابت داروں اور مریدوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھ کر آ رہے تھے۔ جہاں اب حضور کا مزار ہے وہاں آکر رُک گئے۔ اور فرمایا مجھے اس زمین سے اہل کمال کی خوشبو آتی ہے۔ گھر پر آکر اس زمین کے مالک کا پتہ کرایا۔ اور وہ زمین خریدلی۔ وہی آپ کا مدفن ہے۔ یہ جگہ پرانی دہلی میں قطب مینار کے قریب واقع ہے۔ یہ مزار کھلا ہوا ہے اور کچا ہے۔ بہت چوڑا چکلا ہے۔ اس کے چاروں طرف نواب خورشید جاہ حیدرآبادی کا بنوایا ہوا سنگ مرمر کا جالی دار کٹہرا ہے۔ جسے ۱۹۴۷ء کے قتل عام پر ہندوؤں نے غارت کر دیا۔ گاندھی جی نے مداخلت کی یہ پھر بنا۔ مزار ہموار نہیں کیا جاتا ہے کہ حضرت گنج شکر نے خود مٹی کی ٹوکریاں ڈالیں اور وہ صحن ویسا ہی رہا۔ اس مزار کے مغرب میں ایک اونچی دیوار ہے جس پر رنگین پھولدار چینی لگی ہوئی ہے۔

حضرت کے مزار کے چاروں طرف بہت بڑا صحن ہے۔ حضرت کے مزار کے پاس ایک اونچا چبوترہ ہے جس پر حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار ہے۔ حضرت کے مزار کے مشرق اور جنوب گوشہ کی طرف سنگ مرمر کی جالیاں اور دروازہ مغل شہنشاہ فرخ سیر نے بنوایا تھا اور جالیوں کے باہر مشرق کی طرف حضرت کی پرانی مسجد کی غربی دیوار کے نیچے حضرت مولانا فخرالدین چشتی نظامی مجدد سلسلہ نظامیہ کا مزار ہے۔
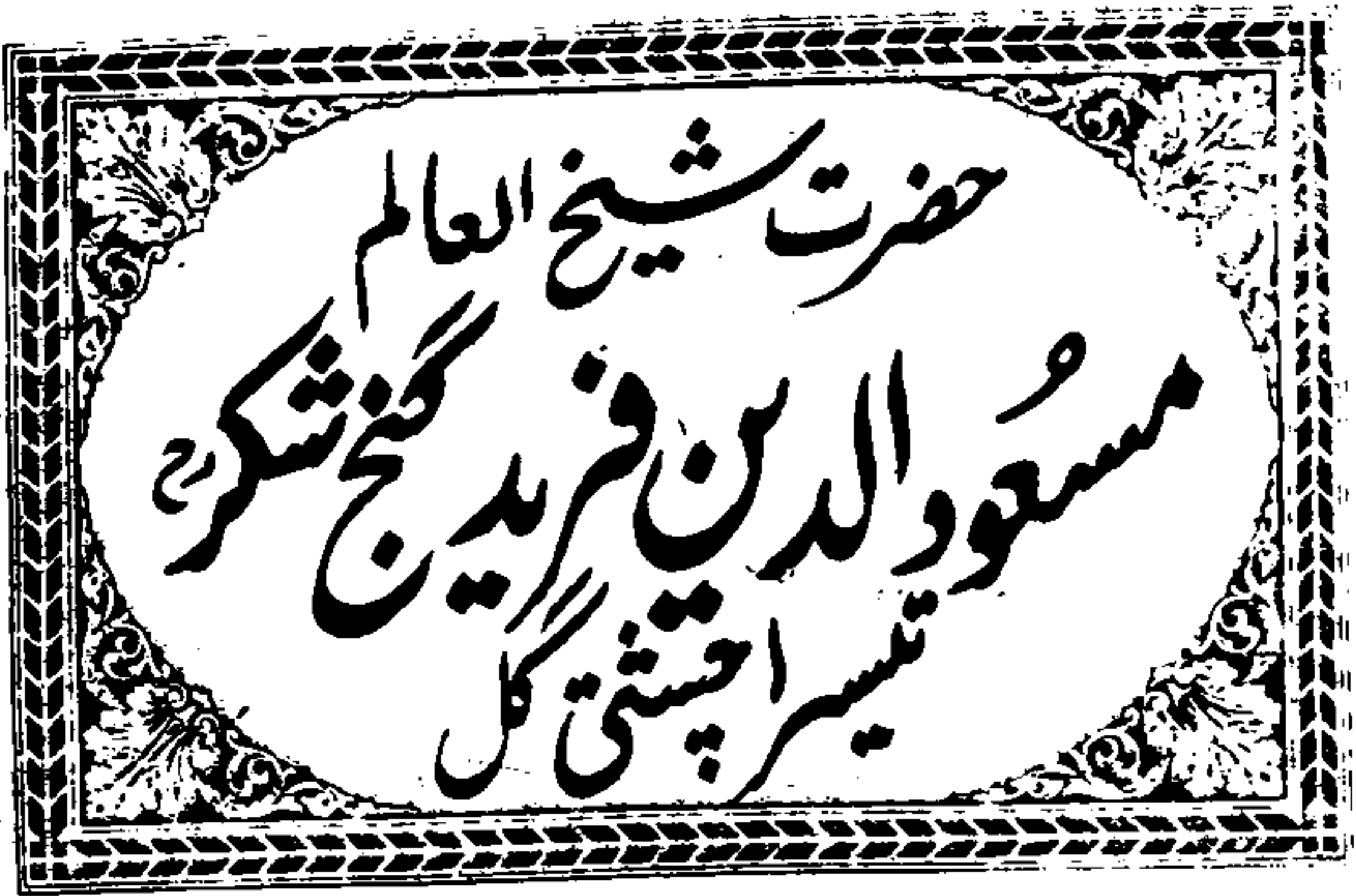
حضرت ملتان میں مسجد میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے ۔ اور مسکرا کر پوچھا کیا پڑھ رہے ہو ؟

فرمایا "نافع" ۔ کتاب سے نظر اٹھا کر دیکھا ۔ درویش سے آنکھیں چار ہوئیں ۔ اور حالت بدل گئی ۔ اور درویش کے قدموں میں سر رکھ دیا ۔

حضرت نے درویش سے پوچھا آپ کون ہیں ؟

انھوں نے جواب دیا ۔ قطب الدین بختیار ۔

آپ دہلی روانہ ہوئے ۔ بابا صاحب بھی ہمراہ ۔

بیعت

دہلی میں آکر آپ کو مشائخ کے مجمع میں مرید کیا ۔ اور حضرت سے مجاہدے کرانا شروع کئے ۔ کچھ دن بعد دہلی سے ہانسی چلے گئے اور وہاں مجاہدے کرتے رہے ۔ پھر دہلی آئے اور حکم ہوا ۔ "اوچ" مجاہدے کے لئے ۔ حضرت کو خلافت عطا فرمائی گئی ۔

یوں درج ہے دہلی میں حضرت اجمیری تشریف فرما ہوئے۔ حضرت بختیار کاکی نے فرمایا۔ مسعود دادا پیر کے قدموں کو چھوؤ۔ حضرت گنج شکر اپنے پیر بختیار کاکی کے پیروں پڑے۔ آپ نے دوبارہ، سہ بارہ فرمایا مگر حضرت گنج شکر اپنے پیر کے قدموں کو چھوتے رہے۔ حضور اجمیری نے فرمایا "مسعود خوب کر دی۔"

دوسرا قصہ آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے اپنی مصیبت بیان کی۔ میری بیوی ڈاکو چھین کر لے گئے۔ اس وقت سے کھانا چھوڑ رکھا ہے۔ حضرت نے اس سے فرمایا۔ میں دعا کروں گا تمہاری بیوی مل جائے گی تم کھانا نہ چھوڑو۔ چنانچہ اس نے کھانا کھا لیا۔ ایک روز وہ حضرت کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص شاہی سپاہیوں کی حراست میں ہتھکڑیاں بیڑیاں پہنے حاضر ہوا اور حضرت سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے فرمایا ہم دعا کریں گے۔ ہمارے اس مہمان کو اپنے ساتھ دہلی لے جاؤ اور رہا ہونے کے بعد اس مہمان کو ایک لونڈی دلوا دینا اس شخص نے جواب دیا بسروچشم اس کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ وہ شخص حضرتؒ کے مہمان کو لے کر دہلی گیا۔ بادشاہ کے سامنے پیشی ہوئی۔ بادشاہ نے بے قصور پایا اور رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد اس شخص نے بازار سے ایک خوبصورت لونڈی خریدی اور مہمان کے حوالے کر دی۔ مہمان نے دیکھا یہ اسکی بیوی ہے جس کو ڈاکو چھین کر لے گئے تھے۔

حضرت بختیار کاکیؒ کے وصال کے وقت آپ دہلی نہ تھے۔ حضرت نے وصیت فرمائی۔ تمام تبرکات مسعود کو دیے جائیں۔ آپ تبرکات لے

پہلے ہانسی پھر اجودھن (پاکپتن شریف) تشریف لے گئے۔

حضرت بابا صاحب سے تین سلسلے چلے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ

سلسلہ جمالیہ

سلسلہ صابریہ

بہشتی دروازہ

حضرت بابا صاحب کی تدفین کے وقت حضرت نظام الدین اولیاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر فرمایا۔ دیکھو حضور تشریف لائے ہیں۔ اور فرمایا جو اس دروازہ سے گذرے گا امن پائے گا۔

محبوب الٰہی

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

دہلی شریف

پیدائش آپ بدایوں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا اسم مبارک "سید محمد" ہے ۵ برس کی عمر میں یتیم ہو گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے سوت کات کات کر آپ کو پالا۔ حضرت جب بدایوں سے فارغ التحصیل ہو گئے تو آپ کی والدہ آپ کو دہلی لائیں۔ اور حدیث کی تکمیل کرائی۔

حضرت باباصاحبؒ کی خدمت بعد میں آپ اجودھن (پاک پتن) حضرت گنج شکر کے پاس پہنچے تو آپ نے گلے لگا لیا۔ اور یہ شعر پڑھا۔

اے آتش فراقت دل ہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

تیرے فراق کی آگ نے دل کو کباب کر دیا ہے۔ تیرے شوق کے سیلاب نے جان کو خراب کر دیا۔

خلافت حضرت بابا نے خلافت عطا فرمائی اور سند بھی۔ (حکم کر سند جمال ہانسوی سے تصدیق کرائیں) دہلی تشریف لائے۔ دہلی میں بیعت کے لئے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔

امیر خسرو کی بیعت کا قصّہ :۔ امیر خسروؒ کے والد امیر سیف الدین محمود اپنے دونوں بیٹوں کو بیعت کے لئے لے گئے۔ مگر خسروؒ نے کہا کہ آپ میرے بڑے بھائی کو بیعت کرالیں میں بعد میں ہو جاؤں گا۔ دروازے کے باہر بیٹھ کر دل میں کہا اگر حضرت خواجہ میرے اس شعر کا جواب دیں گے تو میں پھر جا کر غلام ہوں گا۔ شعر یہ تھا۔

تو آں شاہے کہ بر ایوان قصرت
کبوتر گر نشیند باز گردد
غریبے مستمندے بر در آید
بیاید اندروں یا باز گردد

یکایک حضرت کا خادم باہر آیا اور کہا کہ حضرت نے یہ شعر پڑھنے کا مجھے حکم دیا ہے۔

بیاید اندروں مرد حقیقت
کہ باما یک نفس ہمراز گردد
اگر ابلہ بود آں مرد ناداں
ازاں راہے کہ آمد باز گردد

بس پھر کیا تھا دیوانوں کی طرح اندر گیا۔ میں نے دوڑ کر حضرت کے قدم لیا

یں سر رکھا اور بیابیا اے مردِ حقیقت این جابیا دیک نفس باما ہمراز لب شو اور
بیعت سے مشرف فرمایا ۔

اردو کی بنا حضرت کے فرمان پر خسرو کی تگ و دو کا نتیجہ ہے اسی
لئے ہندو چڑتے ہیں کہ یہ تو موسلوں کی زبان ہے حالانکہ وہ بھی یہی
زبان ہیں ۔

غیاث الدین تغلق

غیاث الدین تغلق نے بنگالہ کی فتح کے بعد قاصد کو خط دیا کہ حضرت خواجہ صاحب کے پہنچاؤ۔ جس میں
لکھا تھا کہ میں دہلی آؤں تو آپ کو دہلی نہ دیکھوں۔

جب یہ خط حضرت کو سنایا گیا تو آپ نے اسی خط پر لکھوایا " ہنوز دلی
دور است " اور قاصد سے کہا کہ غیاث الدین کو جاکر دے دو ۔ بادشاہ نے
جب پڑھا تو غصے سے کانپ اٹھا ۔

افغان پورہ میں اپنے بنوائے ہوئے مکان میں پہنچا ۔ مکان دیکھ کر
خوش ہوا ۔ اپنے ہاتھی منگوائے ۔ مگر ہاتھیوں کے بوجھ سے مکان بیٹھ گیا
اور بادشاہ ساتھ دفن ہوگیا ۔ " ہنوز دلی دور است "

(مرشدم نظام الملت کی خدمت میں صدر ایوب خان نے مشائخ کانفرنس
کی صدارت کے لئے خط لکھا تاکہ آپ اس " بخشش " سے راضی ہو
جائیں گے ۔ آپ نے اسی خط پر یہ شعر لکھ کر سپرد ڈاک کردیا ۔

بردایں دام بر مرغے دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ)

قطب الدین خلجی

حضور سے مخاصمت رکھتا تھا۔ ایک دفعہ اس کا پیشاب بند ہو گیا۔ (آوارہ بادشاہ تھا) ماں نے کہا حضرت کے پاس چلو۔ ناراضگی معاف کراؤ اور دعا لو۔ آرام ہو جائے گا۔ مگر بادشاہ بضد۔ آخر کار جب تکلیف بڑھ گئی تو حضور کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا تم اپنی بادشاہی کی سند، اپنے امرا وزرا کے دستخطوں سے میرے پاس بھیجو گے تو دعا کی جائے گی۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں سند حضور کی خدمت میں بھیجی گئی۔ حضور نے وہ سند واپس کر دی اور فرمایا اس کو پھاڑ دو پیشاب آجائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ مگر بادشاہ کے حواری غلط قسم کے آدمی تھے۔ یہ طے پایا کہ سلطان المشائخ چشتی ہیں اور ملتان کے شیخ رکن عالم سہروردی ہیں۔ لہٰذا اس طرح سلطان المشائخ کا زور ٹوٹ جائے گا۔ مگر یہ تجویز بھی ناکام رہی کیونکہ شیخ رکن الدین سہروردی ملتانی خود حضور (سلطان المشائخ) کا دم بھرنے لگے۔

بادشاہ نے ایک ہندو لڑکا رکھا ہوا تھا جس سے وہ محبت کرتا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے حکم صادر کیا کہ ہر چاند رات کو تمام بزرگان دہلی میرے سلام کے لئے آئیں۔ سلطان المشائخ نے فرمایا چاند رات ہوگی تو دیکھا جائے گا۔ اسی رات اس ہندو لڑکے نے جس کا نام بعد میں خسرو خان بنا قطب الدین خلجی کو قتل کر دیا۔ اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔ اس نے ناصر الدین محمود کا لقب اختیار کیا۔ یوں قطب الدین خلجی کی زندگی میں نہ چاند رات آئی اور نہ دہلی کے بزرگان کو اس کی حاضری دینا پڑی۔

سلطان المشائخ اور سلسلہ نظامیہ چشتیہ

آپ کے اس سلسلہ کو حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی نے وسعت دی اور پھر حضرت نظام الدین اورنگ آبادی اور مغل دور کے آخری حکمرانوں کے وقت حضرت مولینا فخر الدین اورنگ آباد سے دہلی تشریف لائے اور سلسلہ نظامیہ چشتیہ کے مجدد ثابت ہوئے ۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

۱۹۸۶ نسیم امجد

پیدائش سنہ ۱۱۲۶ھ حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے گھر کو روشن فرمایا۔ اور حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کی دعا کا ثمرہ ملا۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ، حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے مرشد ہیں۔

حضرت نظام الدین اورنگ آبادیؒ کی خدمت میں نظام اول حاضر ہوا۔ عرض کیا۔ دکن کی گورنری دلا دیں۔ حضور نے سات بیسنی روٹیاں اور ان میں ایک ہڈی پرو کر بطور مہماناں کے بھیجی۔ مقصد یہ کہ سات پشت تک یہ ہڈی چچوڑتے رہو گے۔ قدرت اللہ اور بزرگوں کا فرمان میر عثمان علی خاں نظام سابع یعنی ساتواں نظام اور نظامتِ دکن اس پر ختم۔

تعلیم اور خلافت آپ نے اپنے والد بزرگوار اور دیگر اساتذہ اورنگ آباد دکن سے تعلیم حاصل کی۔ البتہ باطنی تعلیم نظام الدین اورنگ

آبادیؒ اپنے والد محترم سے اور اسی طرح خرقہ ولایت و خلافت گیارہ سال کی عمر میں ملا۔ آپ ۱۱۶۵ھ دہلی تشریف لائے۔ یعنی اپنے والد بزرگوار کے وصال کے ۲۳ سال بعد۔ اور سلسلہ نظامیہ چشتیہ کے مجدد ثابت ہوئے۔

اس زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی بہت بڑے عالم اور جگت استاد دہلی میں موجود تھے۔ جن کو حضرت مولینا فخر دہلوی کی ترقی اچھی نہ لگی اور انھوں نے ایک رسالہ لکھا جس میں یہ اعتراض تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علیؓ تک متصل نہیں ہوتا کیونکہ خواجہ حسن بصریؒ حضرت علیؓ کے زمانہ میں بہت کم عمر تھے۔ اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کیوں کر مل سکتی تھی؟

اس کے جواب میں حضرت مولینا فخر جہاںؒ نے ایک مدلّل محققانہ رسالہ "فخر الحسن" کے نام سے عربی میں لکھا اور عالمانہ انداز میں ثابت کیا کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں کم عمر نہیں تھے۔ اور روحانی خلافت کی اہلیّت رکھتے تھے۔

اس رسالہ کے شائع ہوتے ہی دہلی اور ہندوستان کے علمآ اور مشائخ میں حضرت مولانا فخر صاحبؒ کی دھوم مچ گئی۔ اور حضرت مولانا فخر صاحب کی رُوحانی تعلیم نے سلسلہ چشتیہ کو چار چاند لگا دئیے۔ بہادر شاہ ظفر آپ کے مرید تھے۔ انھوں نے لکھا

؎ غلامِ قطب الدین ہوں، خاکپائے فخر الدین ہوں
ظفرؔ اگرچہ شاہ ہوں مگر غلام کمترین ہوں

دہلی میں قحط:۔ حضرت فخر جہاںؒ کی موجودگی میں ایک دفعہ دہلی میں سخت قحط پڑا۔ قبلہ عالمؒ اپنے پیر کی خدمت میں آئے ہوئے تھے لنگر میں کرینہ کا اچار جسے ٹینٹی

زبان میں "ڈیلھا" کہا جاتا ہے' پکایا جاتا تھا۔ ان دنوں دہلی میں فتنہ و فساد تھا۔ نظام حیدرآباد دکن آپ کے عقیدت مندوں میں سے تھا۔ چھ چھ سات سات ہزار کی ہنڈیاں آتی تھیں۔ اس سے درویش خوش ہوتے تھے کہ اب خوب پیٹ بھر کر روٹی نصیب ہوگی۔ مگر وہ ایام قحط کے تھے۔ اب جو ہنڈی آتی تھی آپ اس کا روپیہ طبقہ امرا میں تقسیم فرماتے تھے اور فقراء کے واسطے وہی ڈیلھے اور جو کا ٹکڑا۔ کسی نے ہنستے ہوئے عرض کیا کہ ہنڈی کا نام سنتے ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے مگر ملتا کچھ بھی نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ امیروں کا حق فقیروں سے زیادہ ہے کیونکہ فقیر تو بھیک مانگ کر پیٹ بھر لیں گے امیر لوگ مر جائیں گے مگر چاردیواری سے باہر قدم نہیں نکالیں گے۔

جب حضرت قبلہ عالم رخصت ہوئے اور حضرت مولینا فخر جہاںؒ نے فرمایا کہ "دیکھی دلی کی بھوک" پھر بھی آؤ گے؟ عرض کیا حضور کو خدا سلامت رکھے ہم جم جم آئیں گے۔

حضرت گنج شکر کی حاضری

قدرے تذکرہ حضرت قبلہ عالمؒ کے سوانح میں بھی ہے۔ مکرّر عرض ہے کہ حضورؒ پاپیادہ دہلی سے پاکپتن روانہ ہوئے۔ جہاں تھک گئے آرام فرما لیا۔ پیروں میں چھالے پڑ گئے مہندی لگائی پھر روانہ۔ سینکڑوں میل کا سفر۔ پہلے پانی پت قیام فرمایا۔ کئی روز میں لاہور پہنچے۔ لاہور میں آرام فرمانے کے بعد آپ پاکپتن کی طرف روانہ ہوئے۔

پاک پتن شریف سے کچھ فاصلہ پر اپنے جوتے اتار ننگے پیر دربار گنج شکر
پہنچے۔ تقریباً دو ماہ گیارہ دن قیام فرمایا۔ اگر بیعت کے لئے کوئی آتا تو
آپ قبلہ عالم کے سپرد فرماتے۔

دیوان حضرت خواجہ محمد یوسف صاحبؒ نے مولینا صاحب کے ہر کام
کا پورا پورا خیال فرمایا۔ اس کے بعد آپ واپس دہلی تشریف فرما ہوئے۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

ایک درویش حضرت فخر جہاں حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی کی خدمت
میں حاضر رہتا تھا۔ اس شعر کے واسطے استفسار کیا کہ یا حضرت! اس شعر
کا کیا مطلب ہے۔ حضرت خواجہ ممدوح نے فرمایا کہ درست ہے۔
سالک اگر کہہ دے کہ تو سجادہ کو شراب سے رنگین کر دے تو کرنا چاہیے
کیونکہ سالک سلوک سے باخبر ہوتا ہے

اس درویش نے عرض کیا کہ غریب نواز مصلے پاک چیز ہے اور
شراب ناپاک چیز اس پر کیوں کر ڈالی جائے۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔
خواجہ فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔
اس واقعہ کو سال دو سال گذر گئے۔ وہ درویش بدقسمتی سے ایک
طوائف پر مفتون ہو گیا۔ رفتہ رفتہ یہ خبر حضرت مولانا فخر جہاںؒ تک پہنچ
گئی۔ انھوں نے اس درویش صفا کیش کو خلوت میں بلوایا اور کیفیت
دریافت کی۔ درویش نے تمام حال عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا عشق

بڑا بہتر ہے۔ اگر تم اس عورت کے ہاں رہنا چاہتے ہو تو بیس پچیس روپے خرچ ہوں وہ ہم تم کو اپنے ہاں سے دیں گے۔

درویش نے اس بات کو استعجاب سے سنا اور نہایت شرمندہ ہو کر کہا حضور! زنا کس طرح کروں؟ آپ نے فرمایا ہم تم کو زنا کا نہیں کہتے۔ اگر خرچ کی ضرورت ہو تو ملاقات کے لئے روپیہ دے دیں گے اس نے کہا نہ غریب نواز۔

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

فقیر اٹھ کر چلا گیا۔

ہفتہ عشرہ کے بعد حضور کو اطلاع ہوئی کہ فقیر سخت بے قرار ہے آپ نے یاد فرمایا تو اس نے گریہ شروع کر دیا اور اس امر کی ابیل کی میری شادی اس عورت سے ہو جائے۔ آپ نے فرمایا بابا! اگر خرچ کی ضرورت ہو تو لے جاؤ شادی میرے اختیار میں نہیں۔ درویش اس مرتبہ بھی چلا گیا جب سب لوگ سو گئے تو درویش اپنی محبوبہ کے پاس پہنچا۔ ایک دوسرے سے وطن کا حال پوچھا۔ وہ عورت بلخ کی رہنے والی تھی اور نوجوان بھی بلخی تھا۔ رہائش محلہ وغیرہ کا پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ عورت تو اس فقیر کی منکوحہ ہے۔ سبب مفارقت یہ تھا کہ مرہٹوں کی لڑائی میں یہ عورت گرفتار ہوئی تھی اور یہاں طوائفوں نے خرید لیا تھا۔ دونوں منہ پھاڑ پھاڑ کر روئے۔ صبح کو فقیر خدمت حضور میں آیا اور خلوت میں کیفیت ملاقات بتاتے ہوئے عرض کی غریب نواز وہ تو میری منکوحہ نکلی۔ حضرت نے فرمایا۔ اب تم کو حافظ

کے اس شعر کا عقدہ کھلا ۔ کہ

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ ورسم منزلہا

تم کو زنا نظر آتا تھا ۔ میں زنا کی اجازت کیسے دے سکتا تھا ۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے ۔

شاہجہاں کی مسجد جھیل پر

اجمیر شریف کے راستہ جھیل کے کنارے ایک عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے جہاں ہندوؤں کے بھی بہت سے مندر ہیں اور ہزاروں ، لاکھوں جاتری اس تیرتھ پر آتے ہیں ۔

شاہجہاں بادشاہ نے بھی ایک عالیشان مسجد بنوائی اور سردی کے موسم میں ہندو لوگوں کا میلہ ہوتا ہے اور اجمیر شریف میں جیسا کہ گیارہ سو گھر مجاوروں کے ہیں اسی طرح گیارہ سو گھر اسی جھیل پر برہمنوں کے ہیں ۔

مولوی خدابخش جی نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ فخر صاحب بھی اس میلہ پر گئے تھے ۔ فرمایا کہ آپ نے ایک مفلس برہمن سے تیرتھ کرایا اور گیارہ مہر طلائی اس کو دیں ۔ رات کو جب سب برہمن جمع ہوئے تو ہر ایک نے اپنی اپنی پیداوار کا ذکر کیا ۔ اس مفلس برہمن نے بھی اپنا تذکرہ کیا ۔ سب حیران ہوئے کہ ایسا کون سانحی مرد تھا جو گیارہ مہر طلائی ایسے برہمن کو دے گیا جسے ایک روپیہ بھی مشکل سے وصول ہوتا تھا ۔ برہمن نے کہا وہ صورت میں جہان لیکن اصل میں بھگوان تھا ۔

ان سب نے کہا ہمیں دکھلاؤ۔ دوسرے دن وہ برہمن حضرت سے پھر
دعوت کا اصرار کیا۔ حضرت نے معذرت چاہی۔ آخر وہ برہمن حضرت کے
پیچھے ہولیا تاکہ دیکھے کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔

حضرت فخر صاحب مسجد میں پہنچے۔ وہ برہمن بھی مسجد میں داخل ہو
اور بولا کہ واہ بھئی تم مسلمان ہو۔ حضرت نے جواب دیا الحمدللہ۔
وہ برہمن فوراً مسلمان ہوگیا۔

حضرت قبلہ عالمؒ کے پاس ہار حضرت مولانا فخر عالم کی عطیہ ایک
گدڑی (مرزائی) چھینٹ کی اس
میں روئی بھری ہوئی ہے اور سردیوں میں استعمال ہوتی ہے۔ جس کی
آستینیں دراز تھیں۔ اور ایک پگڑی زرکنار بطور تبرکات ملی تھیں
جب بہت ضرورت ہوتی یا کوئی بیمار ہوتا تبرکات نکال کر اوڑھا دیا کرتے
یا بیمار کے سر پر رکھ کر دعا مانگتے۔

مزار مبارک پرانی دہلی میں قطب مینار کے قریب حضرت قطب الدین
بختیار کاکی کے مزار کے پاس حضرت کی پرانی مسجد
کی غربی دیوار کے نیچے آپ کا مزار ہے۔

چاہیں جسے وہ دولت کونین بخش دیں
یہ بات کیا ہے ان کی سخاوت کے سامنے

پیدائش وخاندان:- آپ ۲ اپریل ۱۹۳۰ء (؟ ۱۱۴۲ھ) دنیا میں تشریف فرما ہوئے۔ موضع چوٹالہ جو مہار شریف کے چند کوس فاصلہ پر ہے۔ حضرتؒ نے ملک ہندال کھرل کے گھر کو رونق بخشی۔ آپ کا اسمِ مبارک سہیل تجویز ہوا۔ آپ کے تین بھائی ملک سلطان ملک برہان اور ملک عبداللہ تھے۔ چوٹالہ سے نقل مکانی فرما کر مہار شریف آباد ہوئے۔

تعلیم وتربیت حافظ محمد مسعود مہار سے قرآن پاک پڑھا اور حفظ فرمایا۔ علم حاصل کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔

آپ مختلف مکاتب سے پیاسِ علم بجھاتے بجھاتے دہلی پہنچے اور نواب غازی الدین خان کے مدرسہ میں میاں حافظ برخوردار جیؒ سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔ مگر کچھ عرصہ بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ آپ سخت پریشان ہوئے۔ ایک دوست حافظ محمد صالح نے حضرت مولینا فخرؒ جو کچھ عرصہ قبل دکن اورنگ آباد سے دہلی تشریف لائے اور آپ کے علم کا چرچا شروع ہوگیا تھا، کی خدمت میں جانے کیلئے مشورہ دیا۔ لہذا آپ مولینا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دالان کے سامنے حضور فخر جہان مولینا تخت پوش پر تشریف فرما تھے۔ ادھر اپنی حالت میلے کپڑے، بال بڑھے ہوئے۔ حاضر ہوا۔ حضرت نے معانقہ فرمایا اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ عرض کیا پاک پتن کے قریب کا ہوں۔ پاک پتن شریف کا نام سنتے ہی آپ انتہائی محبت میں آگئے۔ آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے حصول علم کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا پہلے کہاں پڑھتے رہے۔ عرض کیا میاں برخوردار جی کے پاس۔ فرمایا میں نے عرصہ سے سلسلہ درس و تدریس بند کر رکھا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے ہاں اپنا سلسلہ تعلیم جاری رکھو۔ تکرار کیلئے آجایا کرو۔ میں نے عرض کیا۔ "عرصۂ مابیں بسیار است و مسافت بعید۔ رفتن ما دریں آمد و رفت ضائع خواہد شد۔"

آپ نے مسکرا کر فرمایا۔

ما برائے وصل کردن آمدیم

نے برائے فصل کردن آمدیم

آپ نے نوازش فرمائی اور سلسلۂ تعلیم جاری فرمادیا ۔ قطبی ہی پڑھی تھی کہ علم ظاہری اتنا ہی کافی ہے ۔ اب اس علم کی طرف آجاؤ جس کی اصل ضرورت ہے ۔ یعنی علم باطنی ۔

بیعت سلطان المشائخ کے عرس مبارک پر آپ مولٰنا فخرالدین فخرجہاں کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے ۔ سب سے پہلے دہلی میں حضرت مولٰنا سے بیعت کا شرف آپ ہی کو حاصل ہوا ۔ حضرت مولٰنا ۱۱۵۱ھ میں اورنگ آباد سے دہلی تشریف فرما ہوئے تھے ۔ چھ ماہ کے عرصہ میں آپ کو بیعت سے نوازا گیا ۔

پاک پتن شریف کا سفر حضرت مولٰنا فخرجہاںؒ نے پاک پتن شریف جانے کا پروگرام مرتب فرمایا اور آپ کو بھی ہمراہ لیا ۔ یہ سفر حضرت مولٰناؒ نے پاپیادہ کیا ۔ پیروں میں چھالے پڑ گئے ۔ مہندی لگائے پانی پت پھر لاہور بعد میں پاک پتن شریف پہنچے ۔

اس وقت دیوان صاحب حضرت خواجہ محمد یوسفؒ صاحب تھے ۔ آپ کو حکم فرمایا کہ اپنی والدہ ماجدہ کے ہاں مہار شریف جائیں ۔ حکم کی تعمیل میں اپنی والدہ ماجدہ کی قدم بوسی فرمائی ۔ کچھ عرصہ مہار شریف میں قیام کے بعد حضرت مولٰناؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپ برج نظامی میں قیام پذیر تھے اور عبادت میں مشغول ہو گئے ۔

اس زمانہ میں جو کوئی حضرت مولٰنا صاحبؒ کے مرید ہونے کے لئے آتا آپ قبلہ عالم کے پاس بھیج دیتے ۔ فرماتے آپ کی بیعت مری بیعت ہے

آپ نے حضرت مولینا کے ہمراہ تقریباً اڑھائی ماہ پاکپتن شریف میں گذارے اور پھر اپنے پیرو مرشد کے ہمراہ دہلی پہنچے۔

خلافت تحصیل و تکمیل کمالات باطنیہ کے حضرت مولینا نے خرقہ خلافت سے سرفراز کیا۔ اور مہار شریف قیام کا حکم فرمایا۔ حضرت مولینا یہ شعر پڑھا کرتے۔

تن مٹکے من جھرنا سرت بلوون ہار
مکھن لے گیا پنجابی چھاچھ پیو سنسار

آپ ہر چھ ماہ مہار شریف اور چھ ماہ دہلی شریف اپنے پیرو مرشد کے پاس رہتے۔ حضرت مولینا صاحبؒ نے چونتیس سال دہلی میں قیام فرمایا۔

آپ کی نظر میں اثر آپ کی نظر اثر میں وہ تاثیر تھی کہ جس پر ایک دفعہ توجہ ہوئی وہ ہر دو جہاں سے آزاد ہو گیا۔ ایک دفعہ چودھواں تحصیل کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کا باشندہ ساہوکاران کے قرض سے ازبس لاچار اور خوار ہو گیا یہاں تک کہ اسے وطن چھوڑنا پڑا اور لنگر شریف حضرت قبلہ عالم میں جاکر کاروبار کرنے لگا۔ اس قدر محنت و جانفشانی سے خدمات بجا لایا کہ حضرت قبلہ عالم خود اس کی خدمت گزاری اور محنت و مشقت سے ازبس مسرور ہوئے۔ جب اس شخص کو معلوم ہوا کہ حضور پرنور اس کے حال پر مہربانی کی نظر رکھتے ہیں تو ایک دن اپنا حال خستہ عرض کیا کہ کس طرح ساہوکاروں کے قرض سے بھاگ کر آیا ہے اور نظر عنایت کا طالب ہے۔

حضرت قبلہ عالم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے وطن جاؤ اور قرض خواہوں سے
ہو کہ میں تمہارے واسطے روپیہ لایا ہوں آؤ میرے ساتھ فیصلہ کرو۔ چنانچہ وہ
صادق الاعتقاد حضرت کے فرمان کے مطابق اپنے گھر گیا۔ اور ساہوکاروں سے
کہا اپنی بہی کھاتہ لاؤ اور میرے ساتھ حساب کا فیصلہ کرو۔ جب ساہوکار اپنی
حساب کی کتاب (چاپت) لائے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کسی جگہ اس آدمی
کے ذمہ کوئی حساب درج نہ تھا۔

(اس سے مجھے وہ واقعہ یاد آیا۔ میرے دادا کے بھائی گل محمد خاں مرحوم
ورالائی میں پولیس انسپکٹر تھے۔ انگریزوں کا عروج تھا۔ ایک ملزم ہتھکڑی
میں لایا گیا۔ پوچھا تمہارا نام؟ ملزم نے کہا "اللہ بخش"۔ یہ نام سنتے ہی اس کی
ہتھکڑی اتاری اور آزاد کر دیا کہ میرے پیر کے نام والا ہو اور ہتھکڑی لگے
حکومت وقت نے انسپکٹر کو معطل کر دیا۔ مقدمہ چلا۔ نہ انگریزوں کو مثل ملی
نہ کارروائی ہو سکی۔ بالآخر انسپکٹر کو وزیر اعظم لس بیلہ بنا دیا اور دیوان گل محمد کہلانے
جب دادا (انسپکٹر) تونسہ شریف حضور کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ
نے فرمایا۔ "گل محمد ایسی غلطی نہ کیا کرو"۔ الماری کھلوائی۔ مثل موجود۔ فرمایا۔
اسے جلا دو۔)

مقروض اپنے قرض سے سبکدوش ہو کر پھر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر
ہوا اور پہلے سے زیادہ لنگر شریف کے کاروبار میں مصروف ہو گیا۔ کسی نے
مشورہ دیا کہ حضور تمہارے اوپر زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ لہذا حضرت سے
کچھ پڑھ بھی لیا کرو۔ بس وہ بغدادی قاعدہ لے کر حضرت کی خدمت اقدس

میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہو الف۔ اس نے الف کہا۔ اس پر اس
جذبۂ عشق طاری ہوا کہ ہر وقت اس کی زبان پر الف۔ الف۔ الف جاری
اسے ب کا حرف بتلایا گیا تو وہ اسی الف پر مست رہا۔ چند روز بعد اس
کی حالت مجذوبوں کی سی ہوگئی۔ ہر وقت زبان سے الف الف جاری رہتا
اس لئے اس کا نام الفو پڑ گیا۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک کتیا کا بچہ بغل میں دبائے پھرتا تھا۔ اور رات
کو وہ بچہ لے کر مسجد میں سو رہا۔ لوگوں نے حضرت قبلہ عالم کی خدمت
میں یہ کیفیت بیان کی۔ آپ نے فرمایا تم بکری کا بچہ اس کے حوالے کردو
اور کتیا کا بچہ دور کر دو۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ الفو نے بھی کوئی تعرض
نہ کیا اور بکری کا بچہ لئے پھرتا۔

میاں الفو بہاول پور جا نکلا۔ اس وقت اس کی ظاہری حالت نہایت
ابتر تھی۔ ایک مولوی صاحب جو حضرت کا غلام تھا اور مولوی صاحب اس
الفو کو بھی جانتا تھا اپنے پاس ٹھہرا لیا۔

پاک پتن شریف میں حضرت قبلہ عالم کا ایک مرید نیک مرد تھا۔ اس
کی ایک لڑکی تھی۔ اس نیک مرد کے اجل آگئی اور لڑکی رونے پیٹنے لگی کہ
مجھے کس کے حوالہ کر کے جاتے ہو۔ اسی اثناء میں وہ نیک مرد کلمہ پڑھ کر
اٹھ بیٹھا اور لڑکی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اچھا نہیں مرتا۔ پھر اس لڑکی
کا نکاح کر دیا۔

بعہد سلطنت رنجیت سنگھ، دیوان صاحب سجادہ نشین پاک پتن،

اس علاقہ کا اجارہ دار تھا اور اجارہ دار کی رقم کثیر خسارہ میں تھی۔ سرکاری ملازمین کی طرف سے سخت تقاضہ تھا۔ اس نیک مرد کا چرچا عام تھا۔ حضرت دیوان صاحب نے دعا کی درخواست کی۔ اس درویش نے کہا دو باتوں کا وعدہ کرو تو میں دعا کرتا ہوں۔

ایک یہ کہ آباد چاہ معہ اراضی متعلقہ میرے داماد کے تملیک کر دیں۔ دوسرا یہ کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر حضرت گنج شکرؒ کے دروازہ پر بنا کر بے نشان اور لیا میٹ کر دی جائے۔

دیوان صاحب نے وعدہ کیا۔ خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے اجارہ کا خسارہ معاف ہو گیا اور اہلکار رہا ہو کر آ گئے۔

دیوان صاحب نے ایک چاہ معہ اراضی درویش کے داماد کے حوالہ کر دیا۔ فقیر نے اپنی لڑکی سے کہا اب تیرا بیاہ کر دیا اور وجہ معاش بھی ہو گئی۔ راضی ہو جا کہ میں مر جاؤں کیونکہ میں تنگ ہوں۔ ملّا کو بلایا کہ میرے سرہانے سورۃ لیسین پڑھو۔ خود چادر تان کر سو گیا۔ جب ملّا سورہ لیسین پڑھ چکا دیکھا تو فقیر جان، جان آفرین کے سپرد کر چکا ہے۔ اسکی بے نشان قبر دروازہ پر بنائی گئی۔

حضرت قبلہ عالم مہاروی کے مریدوں میں ایک شخص عارف شاہ تھا۔ جس کو عارف شاہ چرخی والا کہتے تھے۔ سفر میں وہ حضرت قبلہ عالم کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑتا جاتا تھا۔ اس کی عادت تھی کہ راستہ میں جاتے جاتے کبھی پھر کر حضرت کی طرف دیکھتا اور نعرہ مار کر بیہوش

ہو جاتا۔ دو تین گھنٹہ اسی حالت میں پڑا رہتا۔ بڑا عاشق تھا۔ اکیلے جبار
میں کوئی اس کو ملتا تو پوچھتا تم نے حضرت قبلہ عالم کو دیکھا ہے۔ اگر کو
کہتا ہاں۔ تو پھر پوچھتا آپ رح کی آنکھیں کیسی ہیں؛ نعرہ مارا پھر بیہوش ہوگ
اس کی قبر پاک پتن شریف اور مہار شریف کے راستہ میں ہے۔

ایک دفعہ پیر پٹھان حضرت اعلیٰ شاہ محمد سلیمان رح فاتحہ کے لئے اس کی
قبر پر گئے۔ حضرت مہاروی رح ہمراہ تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مہاروی حضرات
اس کی قبر پر نہ جائیں۔ آپ نے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ یہ شخص اس قدر عاشق
اور دلیر ہے کہ چاہے تو اپنے پیر و مرشد کی تعظیم کے لئے قبر سے نکل آوے۔
اس لئے اس کی قبر پر نہیں جانا چاہئے تاکہ شریعت کا پردہ قائم رہے۔

خلفاء

آپ کے بے شمار خلفاء تھے جنہوں نے تونسہ شریف۔ ملتان شریف
حاجی پور شریف۔ چاچڑاں شریف وغیرہ کو سیراب فرمایا۔

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رح

حضرت خواجہ مولینا نور محمد صاحب رح ناروال

حضرت خواجہ محمد عاقل صاحب رح کوٹ مٹھن

حضرت خواجہ حافظ محمد جمال رح ملتانی

حضرت خواجہ نور الصمد شہید رح مہاروی

مولوی خدا بخش صاحب رح جیو

حافظ غلام حسن رح جیو

مولوی محمد مسعود رح جیو

حافظ غلام محمدؒ وغیرہ آپ کے بے شمار خلفاء ہیں۔

سجادہ نشینان

حضرت خواجہ نور الصمد شہید

حضرت خواجہ نور احمد مہاروی

حضرت خواجہ محمود مہاروی

حضرت خواجہ میاں نور بخش مہاروی

حضرت میاں نور جہانیاں مہاروی

حضرت میاں محمد یوسف مہاروی

حضرت میاں محمود بخش مہاروی

حضرت میاں نور جہانیاں صاحب مہاروی مدظلہ العالی

مرشد کی نظر میں

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جیسا کہ صحابہؓ کرام کو حاصل تھی ویسی ہی اربابِ حال اور محبان ذوالجلال کو اب بھی حاصل ہے۔

کسی نے حضرت مولٰنا فخر صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ "رسول شاہی" ایک فرقہ لکھنؤ میں ہے۔ ان میں سے ایک شخص ہے۔ ہزار روپیہ لیتا ہے اور زیارتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کرا دیتا ہے۔ آپ نے متبسّم ہو کر فرمایا کہ ہمارا ایک آشنا نور محمدؒ نامی پنجاب میں ہے۔ وہ لیتا کچھ نہیں اور خدا دکھا دیتا ہے۔

تعلیمات

عاشق کا دل محبت کی آگ کا آتشکدہ ہے (سوائے حق) جو اس کے دل میں آتا ہے جل کر خاکستر و ناپید ہو جاتا ہے۔ کیونکہ آتش محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی آگ نہیں۔

چھوٹی ندیوں اور نہروں سے جب پانی بہتا ہے تو اس کا شور سنائی دیتا ہے۔ لیکن جب وہ دریا سے مل جاتا ہے تو پھر ان کا شور باقی نہیں رہتا۔

میں نے اپنے مولینا سے سنا۔ فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے ایسے دوست بھی ہیں کہ اگر ایک لمحہ دنیا میں غفلت کا پردہ ان پر پڑ جائے تو وہ نیست و نابود ہو جائیں۔ سعدی فرماتے ہیں۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش
عذر بدرگاہِ خدا آورد

عارفوں کا ایک مقام ایسا ہے کہ جب اس مقام پر پہنچتے ہیں تو جہان اور جو کچھ جہان میں ہے وہ اپنی دو انگلیوں کے درمیان دکھا دیتے ہیں۔

تو درو گم شو وصال ایں است و بس
گم شدن گم کن کمال ایں است و بس (مولانا روم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں۔ اب وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اب وہ میرے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اب وہ میرے ذریعہ سے پکڑتا ہے۔

کیا عجب کہ جب کثرتِ عبادت و ذکر سے حق تعالیٰ بندہ کا ہاتھ بن گیا تو اس کی انگلیوں پر بھی اس کی انگلیوں کا بموجب حدیث شریف ظہور ہو گیا۔ اور صفتِ الٰہی کا جلوہ بندہ کو اپنی انگلیوں میں نظر آنے لگا۔

عارف وہ ہوتا ہے۔ جو چاہتا ہے اس کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے اور جویات کرتا ہے اس کا جواب (غیب سے) سنتا ہے۔

تشریح یہ مقام تسلیم و رضا ہے۔ یعنی جب بندہ نے اپنی مرضی حق تعالیٰ کی مرضی میں گم کر دی اور ہر ایک معاملہ میں اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دیا تو اس کی مرضی وہی ہو گی جو حق تعالیٰ کی مرضی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مرضیات جن کے ساتھ ان کا ارادہ متعلق ہو گیا سب پوری ہوتی ہیں اور یہی اس بندہ کی مرضی کا پورا ہونا جس نے اپنی جملہ مرضیات کو حق تعالیٰ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے۔ اس صورت میں اس کا اندیشہ ہے کہ اس کی بعض مرضیات پوری ہوں اور بعض پوری نہ ہوں۔ کیونکہ بندہ بندہ ہے نہ کہ خدا۔ لیکن جس بندہ نے اپنی مرضی کو حق تعالیٰ کی مرضی میں گم کر دیا (دراصل یہی بندہ ہے جو کہ عارف ہے) تو اس کی تمام کی تمام مرضیات پوری ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے اور پھر آ تماشہ دیکھ۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

وصال حضرت مولانا فخر جہاںؒ دہلوی (آپ کے پیر) کے وصال کی خبر کے بعد آپ انتہائی کمزور ہو گئے۔ خوراک انتہائی کم ہو گئی۔

ہر وقت چپ وا داس اداس رہتے ۔ حضرت مولانا صاحبؒ کا انتقال ۲۷ رجمادی الثانی ۱۱۹۹ھ مطابق ۲ رمئی ۱۷۸۸ء اور حضرت قبلہ عالمؒ کی وفات ۳ ر ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ بمطابق ۳ راگست ۱۷۹۱ء اسی طرح حضرت قبلہ عالمؒ اپنے مرشد کے وصال کے بعد تقریباً ۳ سال اور ۳ ماہ اس دنیا میں مزید رہے ۔

ساڈا دوست دلیس دا نور محمد خواجہؒ
ڈھولا یار حبیب دا نور محمد خواجہؒ

ساڈھی ساری شرم بھرم دا ۔۔۔ تیڈے گل وچ لاجا
عرب وی تیڈا عجم وی تیڈا ۔۔۔ سندھ پنجاب دا راجہ
زمین زمن وچ وجدا گجدا ۔۔۔ فیض تیڈے دا واجا
قدم تیڈے وچ نوں من بھاگم ۔۔۔ انگن میرے پوں پاجا
دلبر جانی یوسف ثانی ۔۔۔ موہن مکھ دکھلاجا
نوشہ شہر مہار دا بنڑا ۔۔۔ سکدی کوں گل لاجا

نین فرید دے درس پیاسے
آجا نہ ترساجا

پنجاب میں حضرت خواجہ مولینا شاہ فخر الدین دہلوی ؒ کے فیض اور چشتیہ نظامیہ کا نام شہباز نور محمد مہاروی قبلہ عالم ؒ کے ذریعہ پہنچا۔ اور پھر حکم حضرت خواجہ مولینا "شہباز کو حاصل کرد۔"

اس وقت سارا پنجاب سکھوں کے تسلط میں تھا۔ سلطنتِ مغلیہ کی تجہیز و تدفین کے آخری مراحل طے ہو چکے تھے۔ اور انگریزوں کا اقتدار سرعت سے بڑھ رہا تھا۔ مغلوبیت کی افسردگی طاری تھی۔ قوائے عمل شل ہو رہے تھے۔ آپ نے اتباعِ سنت و شریعت پر زور فرمایا۔

فرمایا۔ چوں مسلماناں اعمال حسنہ را ترک کردہ اند۔ حق تعالیٰ بر ایشاں کافران را مسلط کردہ است۔

"جب مسلمان نیک کام چھوڑتے جائیں گے اللہ تعالیٰ ان پر کافروں کی بادشاہی مسلط فرما دے گا۔"

اسلام کی سربلندی اور عظمت کے لئے نہ صرف آپ نے دین کی تبلیغ کی بلکہ عملی طور پر اسلام کے دشمنوں کے خلاف جہاد میں بھی حصہ لیا۔ انھوں نے انگریزوں کے خلاف لڑنے والے مجاہدین کی ہر طرح سے مدد فرمائی۔ لوگوں کو بھی ترغیب دی کہ وہ بھی فرنگیوں کے خلاف جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ تاکہ ان کی چیرہ دستیوں سے اسلام محفوظ رہے۔ جب انگریزوں نے شاہ شجاع کی مدد سے دوست محمد صاحب والئی کابل پر حملہ کیا تو انھوں نے انگریزوں کے خلاف دوست محمد خان کی بڑھ چڑھ کر مدد فرمائی اور آپ کے تعاون سے دوست محمد نے انگریزوں کو شکست دی۔

حضور اعلیٰ کی ساری زندگی عبادات و اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درخشندہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ آپ سے کبھی کوئی خلاف شرع فعل سرزد نہ ہوا اس لئے فقراء کی نسبت علماء آپ کے زیادہ گرویدہ تھے۔ جو لوگ بھی آپ کی خدمت میں رہے اتباع شریعت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ آپ کی تعلیم قرآن حکیم اور شریعت پر مبنی تھی آپ کے مدنظر علماء کے اختلافات مٹانا، ان میں پاکیزگی نفس کا جوہر پیدا کرنا اور ان کو روحانیت سے سرشار کرنا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس گروہ کی اصلاح و تزکیہ نفس سے ہی احیائے ملت کا کام ممکن ہے۔

بڑے بڑے عالم انتہائی پیچیدہ مسائل لاتے۔ آپ مشکل سے مشکل علمی مسائل کی گتھیاں اس طرح سلجھاتے کہ ان میں سے اکثر علماء آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو جاتے۔

آپ کا قول تھا کہ علماء کے سفید دامن پر سیاہی کا سب سے بڑا دھبہ ہی

ہو سکتا ہے کہ ان کا علم عمل کی توفیق سے خالی ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ بذاتِ خود علم کی کچھ حقیقت نہیں۔ علم باعثِ ثواب ہے اگر اس کے ساتھ ہدایت شامل ہو ورنہ وہ سر کا بوجھ ہے۔ اگر عالم کے بازو میں قوتِ عمل ہے تو علم ایک ایسی تلوار ہے جو برائیوں کو جڑ سے کاٹ دیتی ہے۔

آپ اپنی پاک مجلسوں میں اکثر کسب حلال پر وعظ فرمایا کرتے تھے۔

توکل

آپ اس طرح ترغیب دیتے کہ کام کئے جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو یہ نہ کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ ان کا کہنا ہے کہ غیر حق پر تکیہ کرنے کی بجائے ذاتِ باری تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیئے جو ازلی اور ابدی ہے۔ رحمان اور رحیم ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ حب دنیا مہلک ترین روحانی مرض ہے اس سے مراد دنیاوی چیزوں سے ایسی محبت ہے جو حق باطل کی تمیز ختم کر دے۔

ایک دفعہ ایک مشنری نے آپ سے سوال کیا کہ فقر کیا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ اگر لاکھ روپے کا خسارہ ہو تو ملال نہ ہو۔

آپ اکثر فرماتے جو چیز تمہارے نصیب میں ہے وہ تمہیں مل جاتی ہے اور جو نہیں ملتی وہ تمہارے نصیب میں نہیں۔ پھر حرص کا کیا فائدہ؟

آپ فرماتے کہ علمأ اور زاہدین کے ذمہ ہے کہ بہ اندازہ توفیق لوگوں کو امر غیر شرعی سے منع کریں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

ایمان کا بلند ترین مقام یہ ہے کہ انسان اسلام کی سربلندی کے لئے جہاد کرے۔ اور خلاف شریعت کاموں کی بیخ کنی کے لئے جہاد کرے۔ ایمان کا درمیانی درجہ یہ ہے کہ اگر جہاد کی توفیق نہ رکھتا ہو تو زبانی وعظ

دہدایت کرے۔ اور ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خلاف شریعت کاموں کو دل سے برا جانے اور اپنا دامن بچائے رکھے۔

یا الٰہی! عفو کن تقصیرِ ما
نیست جز تو کو کند تدبیرِ ما
دستگیری کن مرا یا دستگیر
زانکہ جز تو نیست ما را دستگیر
کس نگشتہ از درِ تو ناامید
اے امید و اے امید و اے امید
چون سلیمانم بکردی اے کریم
حفظِ ایماں کن ز شیطان الرجیم

مُریدانِ باصفا آپ کے مریدوں میں سے مندرجہ ذیل بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے رشد و ہدایت اور اسلام کی سربلندی کے قابل قدر کام کیا۔

عرب میں، سیّد احمد مدنی
افغانستان میں، سیّد مشتاق شاہ کابلی
سرحد میں، خلیفہ محمد باران
شمالی ہند میں، مولوی محمد علی مکھڈی
جنوب میں، مولوی دیدار بخش پاکپتنی
سندھ میں، مولوی خیرپوری

دہلی میں، مولوی نجم الدین

اورنگ آباد میں، سید محرم علی چشتی

تونسہ شریف میں، خواجہ گل محمد و خواجہ اللہ بخش صاحب۔

یہ سب بزرگ پاک باطن تھے۔ جو لوگ ان کے حلقۂ اثر میں آئے سب کو اسی رنگ میں رنگ دیا۔ لوگ ان کی صحبت میں راہِ راست پر آجاتے تھے۔

شمس العارفین حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی رح ایک بلند پایہ بزرگ اور سلسلہ چشتیہ کے عظیم المرتب روحانی پیشوا ہیں۔ آپ کی زندگی عشق کی لذت اور سوز و گداز سے لبریز ہے۔ اور اتباع سنت کا اعلیٰ نمونہ تھی۔

ولادت و خاندان

چشتیہ نظامیہ سلیمانیہ آپ ۱۱۸۳ھ بمطابق ۱۷۶۹ء حضرت زکریا بن عبدالوہاب کے گھر ظہور پذیر ہوئے۔ جائے پیدائش گڑ گوجی کوہستان جو کوہ سلیمان کی دو بلند چوٹیوں تخت سلیمان اور فورٹ منرو کے درمیان واقع ہے افغان قوم کے جعفر قبیلہ سے آپ کا تعلق تھا۔

پیدائش کے قریب عرصہ میں ہی اپنے والد کے سایہ سے محروم ہوگئے۔ آپ کی پرورش آپ کی والدہ ماجدہ نے کی اور چار سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔

دن کو آپ اپنے استاد صاحب کے جانور چگاتے تھے اور رات کو تعلیم حاصل کرتے۔

تحصیل علم جب آپ کا سن تقریباً ۸ رسال کا ہوا تو آپ گڑگوجی سے تونسہ شریف پہنچے ۔ اس پہاڑی علاقہ کے قریب میدانی علاقہ اورجہاں کی آبادی بھی خاصی تھی وہ تونسہ تھا ۔ جو گڑگوجی سے ۳۲ رکوس کا فاصلہ تھا ۔

تمن جعفر تحصیل موسیٰ خیل ضلع لورا لائی بلوچستان ہے اس سے مشرق کو ملحق ڈیرہ غازیخان کا تمن بزدار ہے ۔ یہ تمن بزدار بھی پہاڑی علاقہ ہے ۔

تونسہ شریف تونسہ شریف (سنگھڑ) میں میاں حسن علی کے خلقۂ درس میں شامل ہو گئے (رنگی مسجد)
میاں حسن، خواجہ نور محمد نارووال کے مرید تھے ۔ خواجہ نور محمد نارووال گاہے گاہے تونسہ شریف آتے رہتے ۔ ایک روز آپ سوکڑ (تونسہ سے ۳ کوس جنوب کو) میں کتاب لینے گئے ۔ اثنائے راہ حضرت نارووال سے ملاقات ہوگئی ۔ حضرت نارووال نے آپ کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا ۔ حضرت کا نوکر میاں احمد کھوکھر نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا ۔

”تم نہیں جانتے یہ کیا چیز ہے ۔ ملائکہ اس کے گھوڑے کی باگ پکڑنے کی آرزو رکھتے ہیں۔“ اور ساتھ ہی حضرت مہارویؒ کا ذکر بھی حضرت نارووالؒ نے فرمایا ۔

تونسہ شریف کے علاوہ تونسہ سے دو کوس مشرق دریا کا کنارہ لانگھا کا موضع تھا (جواب دریا بُرد ہو گیا ہے) میں میاں ولی محمد ارائیں

سے گنبذ والی مسجد میں بھی درس لیتے رہے۔

کوٹ مٹھن اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے آپ کوٹ مٹھن تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے حضرت قاضی عاقل محمدؒ اور آپ کے فرزند قاضی اظہر علی سے درس لینا شروع کیا۔ فقہ و منطق آپ سے پڑھا۔

حضرت خواجہ قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ اوچ شریف تشریف لائے حضرت قاضی عاقل محمدؒ اپنے شاگردوں کو ہمراہ لے کر پیر مہارویؒ کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ حضرت شاہ سلیمانؒ بھی اسی زمرہ میں تھے۔

حضرت شاہ سلیمانؒ نے یہ سن رکھا تھا کہ پیر مہارویؒ قوالی سنتے ہیں اور بعض اوقات وجد میں آکر ناچنے بھی لگ جاتے ہیں۔ حضرت شاہ سلیمانؒ کمر میں خنجر لگا کر چلے کہ اگر حضرت مہارویؒ وجد میں آکر ناچنے لگے تو اس چھرا سے ان کا کام تمام کر دوں گا۔

حضرت مولانا فخرالدینؒ نے حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سے فرمایا کہ "پہاڑ سے ایک شہباز آئے گا۔ اسے رام کرو یا دام میں لاؤ اور میرے پاس بھیج دو۔"

جونہی شاہ سلیمانؒ، حضرت مہارویؒ کے سامنے آئے آپ نے پہچان لیا۔ اور فرمایا۔

ع آمد آں یارے کہ ما مے خواستیم

"آرے بسیار بلند همت و وسیع بنیت نظرمے آمد"

(بے شک بڑا عالی ہمت و بلند ارادہ شخص نظر آتا ہے)

بیعت

حضرت قبلہ عالمؒ کی بیعت کے بعد آپ کی طبیعت میں یک لخت انقلاب آیا۔ اور آپ عشقِ الہٰی میں مستغرق ہو گئے۔

دہلی کا سفر

بیعت کے بعد حضرت قبلہ عالمؒ نے آپ کو دہلی روانگی کا حکم فرمایا تاکہ حضرت مولیناؒ کا فرمان پورا ہو۔ آپ دراوڑ، فلوری، جودھپور، اجمیر شریف، جے پور، دیوارطی کے راستے گرمی کا موسم پانی ندارد، بغیر سواری مگر حکمِ مرشد کے مطابق دہلی پہنچے۔

حضرت مولینا صاحبؒ کا وصال ہو چکا تھا اور رسمِ قل خوانی ہو رہی تھی۔ چہلم تک حضرت کے مزار پر معتکف رہے۔ بزرگانِ دین کا وہ عالم ہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوامِ ما

حضرت مولینا صاحبؒ وصال فرما چکے تھے۔ لہذا آپ کے لئے تحفہ جات موجود تھے۔ وصول فرما کر حضرت مہارویؒ کے پاس پہنچے۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں حضرت مہارویؒ کی بیعت حاصل ہوئی۔ اور ۲۱ - ۲۲ سال کی عمر میں خلافت سے فیض یاب ہوئے۔ اپنے شیخ کی محبت میں علومِ ظاہری و باطنی سے سرفراز ہوئے۔

زہے ہمت کہ حافظ رفت از دنیا و از عقبیٰ = نیایدہیچ در چشمش بجز خاکِ سرِ کویت

(کیا خوب ہمت ہے کہ حافظ دنیا اور عقبیٰ سے گزر گیا اس کی آنکھ
میں بجز تیرے کوچہ کی خاک کے کچھ نہیں سماتا)

مظفر گڑھ کا پٹھان

سکھوں کے زمانہ میں عزت نامی ایک طوائف
نے ایک پٹھان خان صاحب کے ساتھ نکاح
کر لیا جو مظفر گڑھ میں حاکم تھا اور عزت مذکور حضرت خواجہ پیر پٹھان رح
کی دامن گرفتہ تھی۔ کسی قصور کے سبب خان مذکور کو سکھوں نے لاہور
میں قید کر دیا اور تمام جائیداد ضبط کر لی۔

حضرت غریب نواز رح مہار شریف کے سفر میں راستہ سے گزرتے (مظفر گڑھ کے)
ور کسی گاؤں کی مسجد میں قیام فرمایا۔ عزت نے قدم بوس ہو کر حالت
عرض کی۔ حضرت خواجہ صاحب رح نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔
عزت نے عرض کی میں سرسری دعا خیر نہیں چاہتی۔ یہ کہہ کر غزلیاتِ
دیوانِ حافظ کو شروع سے نہایت خوش الحانی کے ساتھ گانا شروع
کیا۔ حضرت صاحب رح نے فرمایا "چپ رہ زنکہ چپ رہ۔ ملاں آئیں
گے۔ مجھے اور تجھے مار کر مسجد سے نکال دیں گے۔" مگر وہ
چپ نہ ہوئی۔

حضور صاحب رح کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آثار وجد ہوتے
تو نسوار کی چٹکی پر چٹکی متواتر چڑھاتے جاتے تاکہ سکر نہ ہو اور
محرم راز لوگ اس سے واقف تھے۔ آخر ارشاد فرمایا "زن کیا چاہتی
ہے؟" مائی عزت نے عرض کیا کہ "میرا خان امی عزت و مرتبہ،

عہدہ و جائیداد کے ساتھ واپس آوے۔

حضرت نے فرمایا۔ "آوے گا۔" اور کیا چاہتی ہو؟

عرض کیا۔ "قیامت کے دن تیری کنیزوں میں ہوں۔"

فرمایا۔ "ایسا ہی ہوگا۔"

پھر وہ سلام کر کے چلی گئی۔ حاضرین نے اس واقعہ کی تاریخ اور وقت کی یادداشت رکھ لی۔ چند روز کے بعد معلوم ہوا کہ اسی روز، اسی وقت راجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب نے حکم دیا کہ خان صاحب کو قید خانے سے لے آؤ۔ خلعت فاخرہ، عہدہ سابقہ اور فوج عنایت کی۔

خان صاحب نے عرض کیا۔ "میری جائیداد سرکار میں داخل ہے۔ فوج کی تنخواہ اور خرچ کہاں سے لاؤں گا۔"

راجہ نے بہت سا روپیہ بھی دے دیا۔ اور خان اسی آن بان کے ساتھ گھر آیا۔

ریاستیں اور شاہ صاحب پنجاب اور سرحد کی ریاستوں کے اکثر و بیشتر والی آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ اور رسم پگڑی (پگ بندھوانا) یا دستار بندی کے لئے آپ سے التجا کی جاتی۔

ریاست بہاولپور کے والی نواب صبح صادق صاحب کا جب انتقال ہوا تو ان کے جانشین بیٹے نواب رحیم یار خان جو نواب بہاولپور ثالث ہوتے کی دستار بندی آپ نے ڈیرہ نواب میں اپنے دست مبارک سے فرمائی۔

سردار لعل خان نتکانی کے مرنے کے بعد اسد خان کی دستار بندی

آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فرمائی۔

علاقہ مہوئی تحصیل سنگھڑ کا تنازعہ کھوسہ قوم اور تمکانی قوم کے درمیان تھا۔ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ علاقہ کھوسہ قوم کا ہے۔ لعل خان تمکانی حضور کے فیصلہ پر قائم نہ رہا اور بالآخر جنگ ہوئی اور لعل خان مارا گیا۔

حضرت نے فرمایا:۔

لعل نہ ہاویں لالڑی ہاویں
ناؤں تیڈا حنالڑی آویں

شاہ شجاع اور خواجہ تونسوی

حضرت کے زمانہ میں مشرق وسطیٰ کی سیاست خطرناک صورت اختیار کئے ہوئے تھی۔ روس اپنا علاقہ بڑھانے کی فکر میں تھا۔ اس نے ایران کو فتح کر لیا تھا۔ انگریز روس کے توسیعی منصوبے کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ افغانستان میں بھی حالت انتہائی تشویشناک تھی۔ افغانستان کی اندرونی گڑبڑ کی وجہ سے شاہ شجاع کو افغانستان چھوڑنا پڑا۔ انگریزوں نے اسے ہندوستان میں پناہ دی۔

شاہ شجاع حضرت اعلیٰ تونسویؒ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے۔ ہندوستان میں فوج اکٹھی کرکے دوبارہ تخت پر قبضہ کی تیاری کی اور حضورؒ سے دعا کے لئے حاضر ہوا۔

آپ نے پوچھا "کس کے بھروسہ پر جا رہے ہو؟"

عرض کیا۔ "کہن دل خان اور پردل خان۔"

شاہ شجاع کے جانے کے بعد فرمایا ۔ "افسوس! بیچارہ خدا کا سہ
چھوڑ پردل خان کے سہارے جارہا ہے۔ انجام بخیر نہیں رکھتا۔"

بالآخر شاہ شجاع مارا گیا۔ آپ کو اطلاع ہوئی۔

فرمایا۔ "بڑی ہمت والا جوان تھا۔ حصولِ مقصد کی خاطر جان دے دی

امیر دوست محمد خان اور حضرت تونسوی

حضرت شاہ سلیمانؒ کی شہرت ملک ہند کے علاوہ افغانستان، ایران و عراق تک پھیل گئی۔ امیر دوست محمد خان اور شاہ شجاع الجھے ہوئے تھے۔ شاہ شجاع کی امداد سکھ اور انگریز کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں شاہ شجاع نے حضور کی خدمت میں درخواست روحانی امداد کے لئے بھیجی اور کہا کہ میں نے اللہ کے لئے جہاد پر کمر باندھی ہے تاکہ یہ اسلامی علاقہ کفار کے صدمات اور تصرفات سے محفوظ رہے۔" دعا فرمائیے کہ خدا مجھے فتح و نصرت عطا فرمائے

یہ خط سُن کر آپ حضور نے منشی محمد واصل سے کہا کہ جواب میں یہ شعر لکھ دیں۔

هر آں کہ استعانت بدرویش بُرد
اگر بر فریدون زد پیش بُرد

نواب بہاول خان اول اور شاہ صاحب

نواب صاحب خواجہ مہاروی کے مرید تھے اور خواجہ شاہ سلیمانؒ سے بھی بڑی عقیدت تھی۔ خواجہ شاہ سلیمانؒ ان بڑے

آدمیوں سے اپنے آپ کو دور رکھتے تھے۔ اگر کوئی بات خلافِ قاعدہ دیکھتے تو تنبیہہ فرماتے۔ اور ناراضگی کا اظہار صاف صاف سامنے کرتے۔

خواجہ حضرت مہارویؒ کے وصال کے بعد نواب صاحب بہاولپور نے پیرزادگان اور متعلقین کی جائیدادیں ضبط کرلیں۔ حضرت قبلہ عالمؒ کے عرس مبارک پر قاضی عاقل محمد صاحبؒ اور حافظ محمد جمالؒ نے حضرت شاہ سلیمانؒ کو حالات سے آگاہ کیا اور سفارش کی درخواست کی

شاہ صاحبؒ نے فرمایا۔ دیکھئے صاحب! ہم خوشامد تو جانتے ہیں۔ اور نواب صاحب کے ہاں جانے سے گریز نہیں مگر "ٹھلاّ الاونڑاں تے ٹھلاّ کھانوڑاں" ہمارا وطیرہ ہے۔

آپ نواب صاحب کے ہاں تشریف لے گئے۔ انتہائی غصے سے فرمایا۔ "کیا تمہارا شکم فقیروں اور درویشوں کے مال سے پُر ہوگا۔ شرم آنا چاہیے خدا سے مانگ"!

نتیجہ یہ کہ نواب صاحب نے وہ سب وظائف اور جاگیر جو حضرات کی ضبط کی تھی واگذار کردی۔

غیر مسلموں سے تعلقات

آپ نہایت وسیع المشرب، وسیع الخیال اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ چشتیہ سلسلہ کے دیگر اکابرین کی طرح آپ کا عقیدہ بھی ہندوؤں سے (اپنے مریدوں کو ہدایت فرماتے تھے کہ اپنے مذہب اور تمدن اور شریعت پر قائم رہتے ہوئے) پیار کا سلوک رکھیں اور خدا علی حضرتؒ

دیگر مذاہب سے اچھا سلوک اور برتاؤ فرماتے۔

آپ کا فرمان ہے۔ "سالک را باید کہ ہیچ کس رنج نہ دہد بلکہ ہمہ مخلوق صلح کند۔" (سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے)۔ اسی طرح حافظ کا یہ شعر پڑھا کرتے۔

حافظا گر وصل خواہی صلح کن بہ خاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ، بہ برہمن رام رام

خود حضورِ اعلیٰؒ کا اپنا یہ حال کہ فاقے پر فاقہ کرتے مگر کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہ فرماتے۔ ایک مرتبہ سات روز ایام وصل کے روزے متواترات دن کچھ نہ کھایا پیا۔ آخر ساتویں روز حضرت قبلہ عالمؒ آپ کے مکان پر تشریف لے گئے اور روزہ افطار کرایا۔ مسلسل ریاضت اور مجاہدات اور حضرت قبلہ عالمؒ کی نظرِ خاص سے بہت جلد عرفانِ الٰہی سے بہرہ ور ہوگئے۔

خلافت

پندرہ سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ مہارویؒ سے بیعت ہوئے۔ شیخ کی صحبت میں رہے، علومِ ظاہری و باطنی سے مستفید ہوکر ۲۱/۲۲ سال کی عمر میں خلافت حاصل ہوئی۔

حضرت قبلہ عالمؒ کا وصال:

جب حضرت قبلہ عالمؒ کے وصال کا وقت قریب آیا تو حضرت شاہ شاہ سلیمانؒ اپنے گھر گڑگوجی میں تھے۔ "دل را بدل راہیست" رات کو سوتے میں شوقِ محبت نے جوش مارا۔ (آپ پر پہرہ رہتا تھا کہ مہار شریف نہ بھاگ جائیں کانٹے دار جھاڑیوں کی بہت بڑی باڑ چاروں طرف

لگائی جاتی) اپنا نمدہ کئی تہہ کر کے باڑ پر پھینکا۔ مکان کی چھت سے باڑ پر نمدہ کے اوپر چھلانگ لگا کر باہر آئے اور رات کو چل دیئے۔

دوڑتے دوڑتے راستہ میں پانی کے ایک چشمہ کے پاس ایک راہزن برغز غلامانی اور اس کے آدمیوں سے ٹکراؤ ہو گیا۔ برغز نے پوچھا :۔ "تم کون ہو اور اس وقت کہاں جا رہے ہو"

آپ نے اپنا نام اور پتہ بتلایا اور فرمایا کہ اپنے پیرو مرشد حضرت قبلہ عالم مہارویؒ کی خدمت میں مہار شریف جا رہا ہوں۔ اس پر غلامانی پر ایسا اثر پڑا کہ پیشۂ راہزنی سے اسی وقت تائب ہوا۔

آپ چلتے چلتے پہلی رات دائرہ دین پناہ شرقی میں (کڑگوجی سے پچاس کوس اور بیچ میں دریائے سندھ) دوسری رات جہانیاں میں اور تیسری رات مہار شریف میں حضور قبلہ عالم کے قدم بوس ہوئے۔

حضرت قبلہ عالمؒ سخت تکلیف میں تھے۔ اپنے فرزند نور الصمد سے فرمایا کہ روہیلہ (پہاڑ کا رہنے والا) کو بُلوا لاؤ۔ (روہیلہ حضرت شاہ سلیمانؒ کو پکارتے تھے) پھر فرمایا خود آجائے گا۔ آپ پہنچ گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اپنے پاس بٹھا کر تخلیہ کرایا۔ اور نعمت عطا فرمائی۔ اور تلقین فرمائی کہ لوگوں کو گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم دکھائیں عاجزوں اور سائلوں کو محروم نہ رکھیں۔ غریبوں اور عالموں کے مددگار رہیں۔

حضرت قبلہ عالمؒ کا وصال مہار شریف اور غسل مسجد

مہار شریف، چشتیاں میں دفن فرمائے گئے۔

ہک قطرہ نور محمدؒ کنوں شاہ سلمان دی تخت وچھا بیٹھا

نو ماہ حضرت قبلہ عالمؒ کے مزار پر گذار کر آپ گڑ گوجی چلے گئے۔

اس دوران آپ نے ایک خاتون صاحب بی بی جو آپ سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور آپ کی پہلی مرید تھیں۔ نہایت نیک، پارسا اور عبادت گزار بی بی تھیں سے نکاح کر لیا۔

حضور اعلیٰؒ فرماتے ہیں کہ اس سفر میں جب اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ عالمؒ کی زیارت کے لئے مہار شریف پہنچا تو پیروں سے خون جاری تھا۔

"ہر دہ ناخن از ہر دو پائے من جُدا شُدند"

(دونوں پاؤں کے دس ناخن علیحدہ ہو گئے تھے)

تونسہ شریف میں قیام خانقاہ

پہلے میں ذکر کر چکا ہوں گڑ گوجی، تمن بزدار یہ سب پہاڑی علاقے ہیں۔ اگران کے قریب کوئی میدانی علاقہ ہے جہاں کی آبادی بھی نسبتاً خاصی تھی۔۔ نیز فرمانِ مرشد حضرت قبلہ عالمؒ بھی یہ کہ تونسہ کو اپنی قیام گاہ بنائیں۔ پھر دوسری بات یہ کہ جس طرح چشتیاں ایک ریتلا علاقہ ہے اسی طرح تونسہ بھی ایک ریت کے ٹیلے پر ہے۔

حضرت خواجہ حضورِ اعلیٰؒ نے تونسہ میں ایک سرکنڈے کی جھونپڑی

تونسہ اس وقت ۵۰۰/۶۰۰ نفر کا شہر جہاں زیادہ تر اقوام چچہ و بھٹہ تھے۔

الف خان نے آپ کے لئے آپ کی منشا سے ایک مکان بنوا دیا۔ الف خان آپ کے مرید ہوئے۔ اور سلسلہ مریدان وسعت پکڑ گیا۔ نواب بہاولپور بھی مرید ہوئے۔ انھوں نے چند ہزار روپے مسجد بنوانے کے لئے بھیجا۔ مگر حضور نے وہ روپیہ درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر دوسری مرتبہ بھی روپیہ بھیجا مگر اس مرتبہ بھی حضور نے وہ روپیہ درویشوں میں تقسیم فرما دیا۔ آخر نواب صاحب نے روپیہ خواجہ اللہ بخش کے پاس بھجوایا اور آپ نے مسجد تعمیر کرائی۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا۔

"او بھیڑا جے میرے کول گھلدا تاں کتنی مسجداں تعمیر کرا ڈیندا۔"

(اگر میرے پاس بھیجتا تو کتنی مسجدیں تیار کرا دیتا۔)

آپ کے قدم مبارک کی برکت سے تونسہ، تونسہ شریف بن گیا۔ اور اس کی آبادی بڑھتی گئی۔

مدارس کا اجراء

تونسہ شریف کی شہرت جوں جوں بڑھتی گئی علم کے پیاسے ان کے اساتذہ پروانوں کی مانند جمع ہونے لگے۔ کچھ عرصہ بعد یہ مدرسہ دارالعلوم بن گیا۔ پچاس اساتذہ جن کو ماہانہ تنخواہ یا ششماہی اناج ساتھ ہی ششماہی پوشاک، جوتا، سر کو لگانے کا تیل باقاعدہ دیا جاتا۔ کھانا لنگر سے ملتا۔ علاج معالجہ کے لئے لنگر کا شفاخانہ موجود تھا۔

وجہ تسمیہ

یہ ایک ریت کا ٹیلہ تھا۔ شدت کی گرمی پڑتی۔ باد گولے چلتے اور پانی کا نشان تک نہ تھا۔ لوگ پیاس سے مرجاتے۔ "تونس" پیاس کو کہتے ہیں اور تونسہ معنی پیاسا

اسی پایس کی نسبت سے اس کا نام تونسہ پڑ گیا یہاں سے کافی دور ایک کنواں
"زنبو والہ" اس وقت موجود تھا جہاں سے لوگ پانی بھر بھر کے لے آتے

(تحقیق غلام علی خان ترکانی)

حضرت اعلیٰ خود بھی درس دیا کرتے تھے۔ سلوک اور احسان
کی کتابوں کے علاوہ کچھ مریدوں کو کنز اور قافیہ بھی پڑھایا کرتے تھے

شاہ صاحب کا علمی تبحر

آپ وسیع النظر اور وسیع المطالعہ
تھے۔ قرآن، حدیث اور فقہ پر مکمل
عبور تھا۔ تصوّف کی اعلیٰ کتب جن میں عوارف المعارف اور فتوحات مکیہ
نوک زبان تھیں۔

حدیث و فقہ پر عبور کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مسئلہ آپ سے دریافت
کیا جاتا تو برجستہ اسناد نقل کر دیتے۔

ایک دفعہ قبلہ عالم کے عرس پر تشریف فرما تھے۔ ایک عالم نے کچھ مسائل
دریافت کئے۔ آپ نے ان کا برجستہ شافی و کافی جواب عنایت فرمایا۔

جامی کے یہ اشعار اکثر ورد زبان رہتے۔

آں اماماں کہ کردند اجتہاد
رحمت حق بر روان جملہ باد
بو حنیفہ بو امام با صفا
آں سراج امتان مصطفیٰ

توکل ایک مرتبہ محمد واصل جس نے عرب و عجم کی سیر کی تھی حضرت کے عطاؑ کرم کی تعریف کر کے فرمانے لگے۔ "میاں واصل میں تو وہی ہوں جو تونسہ میں کتے والے مکان سے کھانا لے کر کھاتا تھا۔ (طالب علمی میں ایک گھر مے لگا کہ یہاں سے کھانا لیا کرو۔ آپ دروازہ پر آتے تو اس گھر کا کتا آپ کو نہ آنے دیتا اور آپ فاقہ سے وقت کاٹتے) یہ سب کچھ اللہ کی مہربانی ہے لاکھوں آ رہے ہیں اور لنگر چل رہا ہے"۔

شاہ صاحبؒ کی طبیعت میں قناعت و توکل کا جذبہ حد درجہ کا تھا۔ ہر قسم کی نعمتیں آپ کے دروازہ پر آتی تھیں لیکن وہ ایک ہاتھ سے لیتے تھے اور دوسرے سے تقسیم کر دیتے تھے۔ بجز ایک لنگی کے خواہ سفر ہو یا حضر، گرمی ہو یا سردی۔ حجرہ مبارک میں صرف ایک چٹائی تھی اسی پر نماز نوافل پڑھتے اور اسی کو سوتے وقت تخت پر بچھا لیتے۔ گرمیوں میں وہی لنگی سرہانے اور جاڑوں میں لحاف کا کام دیتی تھی۔ آپ اپنے مریدوں کو بھی صابر، شاکر اور قانع رہنے کی تعلیم دیتے۔

لنگر آپ کا لنگر وسیع اور باقاعدہ تھا۔ روٹی کھانا وغیرہ کے علاوہ درویشوں کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ لنگر کے لئے ایک پورا محکمہ تھا۔ پیارا نامی بنیہ مودی مقرر تھا۔ میاں علی محمد ہوتانی لانگری، حساب کتاب برخوردار خان چاکی کے ذمہ تھا۔ نور محمد خاں گرمانی ملاح کار، صدیق محمد کاسبی منشی گیری کرتا تھا۔

حجام، لوہار، موچی، دھوبی، آب کش وغیرہ ماہانہ تنخواہ پاتے

اور موجود رہتے ۔ دوائی لنگر سے مفت ملتی ۔ مودی کو حکم تھا کہ جو شخص
نسخہ لائے بغیر پوچھے اس کو دوا دے دی جائے ۔ ایک دفعہ لانگری
کہا ۔ غریب نواز ! اس مہینہ میں مودی نے پانچ سو روپیہ دوائی کے سل
میں درج کیا ہے ۔ آپ کو یہ سن کر سخت غصہ آیا ۔ فرمایا ۔ اگر پانچ ہزار
دوائی پر خرچ ہو تو مجھے نہ بتایا جائے ۔ درویشوں کی جان کے مقابلہ میں
کی کیا حقیقت ہے ۔

لنگر کا یہ قاعدہ تھا کہ ہر درویش کو تین پاؤ پختہ روٹی ملا کرتی
چھ ماہ بعد کپڑے اور جوتے ۔ علاوہ ازیں ایک سیر تیل اور کچھ گھی ملا کرتا
ان مدرسین کے لئے جو رات دن درس و تدریس میں مشغول رہتے ک
لنگر کے علاوہ بھی کچھ مراعات حاصل تھیں ۔ ان کا کام چونکہ دماغی محنت
تھا اس لئے ان کو ایک سیر پختہ روزینہ ۔ سیر بھر گھی ماہانہ اور ایک سیر
ملا کرتا تھا ۔ لباس ان کو بھی چھ ماہ میں ۔ لیکن ایک سفید لنگی اور گوسف
(دنبہ) بھی عطا ہوتا ۔

ویسے تو ہندوستان کی کئی خانقاہوں میں بڑے بڑے لنگر
تھے اور سیکڑوں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا ۔ مگر دہلی میں شاہ غلام علی صا
کی خانقاہ میں پانچ پانچ سو درویش و فقیر رہتے تھے اور ان کے خو
نوش کا انتظام ہوتا تھا ۔

خواجہ محمد عاقل کی خانقاہ میں بھی لنگر کا بڑا اہتمام تھا لیکن جو با
شاہ محمد سلیمانؒ کے لنگر کے انتظام میں ملتی تھی وہ کسی اور جگہ نہیں تھی

شاہ صاحبؒ کا یہ کل نظام ایک مقصد کے تحت تھا۔ اس طرح کی سہولتیں بہم پہنچا کر علماءؒ کو درس و تدریس اور مشائخ کو تبلیغ و اصلاح کے لئے تیار کرتے تھے۔

شائقینِ علم و فضل جگہ جگہ سے تونسہ شریف میں آ کر جمع ہوتے اور شاہ صاحبؒ ان کی صلاحیتوں کو کارآمد بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔

آپؒ کی مقبولیت

حضرت شاہ سلیمانؒ نہایت ہر دلعزیز بزرگ تھے۔ عقیدت مندوں کا اس قدر ہجوم ہوتا کہ مکان کے شمالی اور جنوبی دونوں دروازے کھول دئے جاتے زائرین ایک دروازے سے داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکلتے جاتے۔

جب شاہ صاحبؒ تونسہ شریف سے باہر جاتے تو اسٹیشنوں پر معتقدین کے ہجوم لگ جاتے۔ ایک مرتبہ بٹھنڈے کے اسٹیشن پر اس قدر خلقت جمع ہوگئی کہ گاڑی کو بہت دیر رکنا پڑا۔

قریبی ریاستوں کے نواب اور جاگیر دار آپ کے آستانہ پر اپنی حاضری کو باعثِ فخر و سعادت سمجھتے تھے۔ افغانستان سے شاہ شجاع آپ کی خدمت میں عقیدت و ارادت کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔ جاگیرداروں اور والیانِ ریاست کا تو یہ معمول تھا کہ دستار بندی آپ سے کراتے اور آپ کی دعاؤں کو اپنے لئے سعادتِ دارین تصور کرتے

مولوی حیات علی دہلوی اور صاحبزادہ نظام الدین لیبر کا لے صاد ،کو اپنی روحانی

پیاس بجھانے کا سامان تونسہ شریف میں ہی ملتا تھا۔

تعلیم اخلاق

جب کسی قوم کا سیاسی زوال شروع ہوتا ہے تو اس کے افکار و اعمال، عادات و اطوار بھی انحطاط پذیر ہونے لگتے ہیں۔ یہ قومی زوال کی آخری منزل ہوتی ہے۔ اخلاقی زوال کے [اثرا]ت سیاسی زوال سے کہیں زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے تجدید و احیاء کی سب راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

حضرت شاہ سلیمانؒ نے جس وقت ارشاد و تلقین کا ہنگامہ برپا کیا اس وقت مسلمانوں پر سیاسی ادبار کی گھٹائیں چھا رہی تھیں۔ اس زوال کو سب دیکھ رہے تھے۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی حقیقت بیں نگاہیں سیاسی زوال کے پیچھے ایک خطرناک اخلاقی زوال کے اثرات بھی دیکھتی ہوں۔ انھوں نے سلطنت کا ماتم کرنے کی بجائے اسلامی اخلاق و شعائر کی نگہبانی کی۔ شاہ صاحبؒ بھی انہی چند بزرگوں میں سے تھے جن کی کوششوں کا محور اخلاق و عادات کی درستی تھی:

حضرت شاہ سلیمان چاہتے تھے کہ مسلمان رسولِ عربی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے آئینہ میں اپنے اخلاق و عادات کو سنواریں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اچھے فضائل و عادات صرف متابعتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ہونا بہت مشکل ہے اور مسلک السلوک میں آدمی کی جو صفات لکھی ہیں خود میرے اندر بھی نہیں ہیں۔

ملفوظات میں جگہ جگہ بری صحبت، غیبت، غرور، عیب جوئی، شراب خوری عشق بازی اور رشوت خوری سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ باربار ادب، نیکی، ایمانداری، مہمانداری اور عجزوانکسار کا درس دیا گیا ہے۔

نافع السالکین میں شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جہاں اصلاح اخلاق پر زور نہ دیا گیا ہو۔ ان سب اخلاقی مشوروں کا خلاصہ یہ ہے۔

بری صحبت سے بچو۔ اس کے اثرات بہت خطرناک ہوتے ہیں اور جلدی اثر کرتے ہیں۔

جگہ جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند

صحبت طالح ترا طالح کند

آپ اس سلسلہ میں نہایت نصیحت آموز قصے اور حکایتیں بیان کرتے اور باربار یہ شعر پڑھتے۔

بادِ خنداں باغ را خنداں کند

صحبت مرداں ترا مرداں کند

یک ساعت صحبتِ با اولیأ

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

بری صحبت کے اثرات بیان کرتے ہوئے عوارف المعارف کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں۔ ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی کی نظر پڑ جائے تو وہ سوختہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ حیوان کے یہ اثرات ہیں تو انسان کا کیا کہنا

انکسار کے بارے میں حضرت بایزید بسطامیؒ کی مثال دے کر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بارش کی کمی ہوئی نمازِ استسقاء کے باوجود جب بارانِ رحمت نہ برسی تو لوگوں نے کہا کہ یہ بُرے لوگوں کی وجہ سے ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ نے جب یہ سنا تو فوراً شہر سے نکل کھڑے ہوئے کہ سب سے بُرا تو میں ہوں۔

صوفیاء کی اصلاح

اس زمانے کے صوفیاء مختلف بداعتقادیوں کا شکار تھے۔ روحانی ترقی اس لئے چاہتے تھے کہ دنیاوی دشواریاں حل ہو سکیں۔

مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی
از بہرِ تو میرم زبرائے تو زیم

رب حجرہ سے خدا مقصود، اعمال و وظائف پر زیادہ اعتقاد اور سارا وقت اس میں صرف ہوتا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے اس گمراہی کو محسوس کرلیا اور فرمایا۔

"سالک کو چاہیے کہ عملیات میں وقت کو ضائع نہ کریں۔ ایسے مشغلے راہِ فقر کے لئے رکاوٹ ہیں۔ اصلی مقصود خدا کی یاد ہے۔"

شاہ صاحبؒ کی کوشش تھی کہ صوفیاء میں طاعتِ حق کا صحیح جذبہ اور دین کا غم پیدا ہو۔ وہ اس دینی طبقہ کو مادی الجھنوں میں پھنسا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ باربار ہدایت ہوتی ہے کہ صوفیاء کو غمِ دین چاہیئے۔

غمِ دنیا مخور کہ بے ہودہ ست — ہیچ کس در جہاں نیا سودہ است
غمِ دیں خور کہ غم غمِ دین است — ہمہ غم ہا فروتر از یں است

آگ کا دریا

ساون کا مہینہ اور سارے دریا زوروں پر۔ حضرت اعلیٰ رح درگ شریف (رگڑ گوجی) سے اپنے مرشد قبلہ عالم رح کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ ہر جگہ پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ شہر ملتان کے گرد چار چار کوس تک پانی تھا۔ بھلا شوق زیارت کو پانی کس طرح روک سکتا تھا۔ آپ چشتیاں شریف پہنچے۔ حضرت نور احمد صاحب فرزند و سجادہ نشین قبلہ عالم رح نے فرمایا۔ "حضرت اس سال تو دریا کی چھل (سیلاب) بہت زیادہ ہے آپ وہاں سے کیسے گزرے؟"

حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا۔ "یہ تو پانی تھا۔ اگر آگ کا دریا ہوتا تو بھی نہ رکتا۔"

اسی روز حضرت اعلیٰ رح شاہ محمد سلیمان رح کو خانقاہ مبارک حضرت قبلہ عالم رح پر ایسا وجد طاری ہوا کہ آنکھیں سرخ ہوگئیں اور آپ بے حس و حرکت ہوگئے۔ یہاں تک کہ گمان گزرا کہ حضرت قطب صاحب والا معاملہ نہ ہو جائے۔ صاحبزادہ صاحب نے نواب غیاث الدین کو بلوا بھیجا۔ اچھے نباض اور ماہر طبیب تھے۔ اس کے بعد آپ ہوش میں آگئے۔

یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ کی آنکھیں بالکل بے ہوشوں اور مردوں کی طرح تھیں۔ آپ کا سر مبارک حافظ محمد جمال ملتانی رح کے زانو پر اور پائے مبارک قاضی عاقل محمد رح کے زانو پر تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ ہاتھوں اور پیروں کو ملتے تھے اور صاحبزادہ میاں نور احمد جی پنکھا جھلتے تھے۔ جب آپ اس بے خودی سے بیدار ہوئے تو دریافت فرمایا۔ "نماز تو قضا نہیں ہوئی؟ اور یہ کہ

میرے پاؤں مزار مبارک کی طرف تو نہیں تھے ؟"

وصال

ماہ صفر ۱۲۶۰ھ کا چاند دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ ہمارے سفر کا مہینہ ہے۔ خدا خیر کرے۔ کچھ دن بعد زکام کی شکایت ہوئی اور ۷ صفر کو جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

اولاد

حضور اعلیٰ کے دو فرزند خواجہ گل محمدؒ اور خواجہ درویش محمدؒ خواجہ گل محمدؒ کے دو فرزند خواجہ اللہ بخشؒ اور خواجہ خیر محمدؒ خواجہ درویش محمدؒ کی شادی نہ ہوئی تھی۔ کنوارے فوت ہوئے تھے۔ خواجہ گل محمدؒ اور خواجہ درویش محمدؒ، حضور اعلیٰ کی زندگی میں فوت ہوئے آپ کو قبرستان گلُن' درویش (جو آپ کے نام سے موسوم ہے) میں دفن کیا گیا

خلفاء

حضرت شاہ سلیمانؒ ۲۲ سال کی عمر سے سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے اور ۸۴ سال تک تلقین وارشاد میں مصروف رہے اس عرصہ میں ہزاروں تشنگانِ معرفت ہندوستان، جزائر سراندیب، عدن افغانستان، ترکستان و دیگر بلادِ اسلامیہ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ نے خرقہ خلافت متعدد بزرگوں کو عطا فرمایا۔

حضرت خواجہ ثانی اللہ بخش صاحبؒ

حضرت مولوی محمد یاران کلاچوی رحؒ

مولوی محمد علی خیر آبادی رحؒ

مولانا احمد تونسوی رحؒ

صاحبزادہ نور بخش نبیرہ قبلہ عالمؒ

قطب الدین براد

مولوی نور جہانیاں بہاولپوری رح

مولوی شہسوار سکنہ نواحی مہار شریف

حاجی نجبا در

حاجی برخوردار

مولوی سرفراز چشتی فریدی ڈیرہ اسماعیل خان

میاں عبدالشکور خیرآبادی

سردار خان ولایتی

حسن شاہ قندھاری

ولی اللہ خراسانی

ولی اللہ المشہور بہ ممبروالہ

مولوی محمد حیات دہلوی

میاں حسن عسکری دہلوی

میر فضل علی جھجری

مولوی قیام الدین دہلوی

مولوی شرف الدین سوتری

شیخ احمد مدنی

مولوی صالح محمد تونسوی

علی محمد امام

میاں عبداللطیف چنا پٹنی

صاحبزادہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب

مولوی نور محمد ملتانی امام مسجد حمام

مولوی امام الدین ڈھڈی لاہور

حافظ نور الدین ڈھنڈھی سکنہ نواحی مہار

نور احمد سندھی

غلام محمد شیرانی

نور عالم سکنہ مکھڈ

فاضل شاہ کشمیری

سید شیر شاہ پاک پتی بزہ مولانا بدرالدین

ابوالحسن لانگھوی سنگھڑ

تقی محمد لانگوی

مولوی قادر بخش

حافظ عظمت علی ظفیردی نواحی مہار

مولوی غلام رسول ظفردی

فیض اللہ شاہ جھنجوی

مولوی نظام الدین

حافظ گوہر اوچا

میاں دلیل خانپوری

مولوی محمد حسین چوہان

مولوی محمد یار جھنادی

غلام محمد اوجینی

حافظ غلام رسول

مولوی نور محمد نارو والہ

سجل خان سکنہ پھنڈی

غلام محمد ملغانی

غلام رسول خان توانغان

محمد اکرم

مولوی شمس الدین سکنہ ساہیوال

مولوی عبدالرحمٰن مودی

مولوی امام بخش مصنف نافع السالکین

مولوی محبوب عالم

میاں نظام الدین بمبیلی

شرف الدین گردستانی

غلام محمد رسولپوری

غلام محمد شیتی

حاجی نجم الدین مصنف مناقب المحبوبین

حضرت خواجہ گل محمدؒ کی شادی خانہ آبادی

حال یوں فرمایا ہے ایک روز حضرت حافظ محمد جمالؒ صاحب ملتانی نے
حضرت اعلیٰ شاہ محمد سلیمانؒ سے فرمایا کہ میرے بیٹوں کی شادی میری بیٹیوں
سے ہوگی۔ حضور نے فرمایا۔ قبول ہے۔ اور پھر دوسری مرتبہ بھی حافظ
جمال صاحبؒ نے فرمایا۔ محمد عمر خان کی لڑکیاں میری لڑکیاں ہیں اور گل محمدؒ و
درویش محمدؒ میرے لڑکے ہیں۔ اجازت ہوگئی۔ مقدر کی بات کہ
حضرت درویش محمدؒ شادی سے پہلے وصال فرما گئے۔

جب حضرت خواجہ گل محمدؒ کی شادی کی تاریخ کا تعین ہوا تو تونسہ شریف
اقوام چچہ و بھٹہ نے اپنی اولادوں کی شادیوں کی تاریخیں جو اس تاریخ
سے پہلے تھیں منسوخ کر دیں تاکہ پہلے حضرت گل محمدؒ کی شادی ہو۔

بارات اونٹ کجاوے اور گھوڑوں پر روانہ ہوئی۔ پہلا کجاوہ
"ہیرو" پہنچا تو آخری اونٹ ابھی تونسہ شریف میں تھا۔ شادی بخیر
انجام پائی۔

عمر خاں جب بھی تونسہ شریف اس شادی کے بعد آئے۔ زندگی بھر
آٹا "ہیرو" سے، پانی "ہیرو" سے، نمک وغیرہ "ہیرو" سے۔ وہاں ان کے
دوست تھے ان کے مکان پر ٹھہرتے۔ تونسہ شریف کے برتنوں کو
"ہیرو" کے پانی سے دھلواتے۔ "ہیرو" کے پانی سے آٹا گوندھواتے
سالن پکواتے، پیتے۔ اس روز سے تونسہ شریف کا پانی روٹی اپنے لئے جائز

نہ سمجھا کہ یہ اب بیٹی کا شہر ہے ۔

حضور نعیمؒ فرماتے ہیں ۔ میں نے بھی عمر خان کی تقلید کی ۔ ممارِ شریعت میں چار سال تک اپنے آپ پر قابو رکھا مگر عمر خان نہ بن سکا ۔

حضور کریمؒ نے فرمایا ۔ لڑکپن میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا ۔ حضور اعلیٰؒ کا ہاتھ سر پہ رہا ۔

حضور اعلیٰؒ ایک ہفتہ تک برائے نام علیل رہے تھے ۔ اس تمام ہفتہ میں شب و روز حاضر رہتا تھا ۔ میری والدہ اور دیگر مستورات حضور کی زیارت کیلئے آتی تھیں ۔ میری والدہ نے عرض کیا کہ حضور ان کا والد پہلے ہی فوت ہو گیا ہے ۔ بہت زیادہ تکلیف اٹھائی ہے ۔ اس پر کرم فرمائیں ۔

حضور نے فرمایا ۔ میں ہمیشہ ان کے ساتھ ہوں ۔ تسلی رکھیں ۔

ایام علالت میں آپ نے ایک روز فرمایا :۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

تکلیف زیادہ ہوگئی ۔ غشی طاری ہوئی ۔ فرمایا میں تمہاری باتیں سن رہا ہوں اور وصال فرمایا ۔

نوٹ :۔ عمر خان حضرت حافظ محمد جمال صاحب کے خلیفہ تھے ۔ درس فرمایا کرتے ۔ کہا جاتا ہے کہ جن بھی آپ کے درس میں شریک ہوتے ۔ اس خادم غلام فرید کے آپ پردادا کے بھائی تھے ۔ ہمارا خاندان حضرت کریم خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کا ننھیال ہے ۔

آپ حضرت خواجہ گل محمدؒ صاحب خلف حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کے فرزند ارجمند ہیں۔

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ، حضرت مہارویؒ کے عرس مبارک پر تھے۔ کہ ولادت حضور کریمؒ کی اطلاع ملی۔ آپ نے نام اللہ بخش تجویز فرمایا۔ آپ کے دو بھائی حضرت خواجہ خیر محمدؒ و حضرت عبداللہ معصوم تھے۔ حضرت عبداللہ معصوم نے بچپن میں وصال فرمایا۔

تعلیم و تربیت: حضرت خواجہ اللہ بخش صاحبؒ کی تعلیم کا آغاز مولوی محمد امین صاحب نے کیا۔ آپ کو قرآن پاک، صرف و نحو، تفسیر و حدیث، علوم ظاہری کے بعد باطنی علوم حضرت قبلہ عالی شاہ محمد سلیمانؒ نے سلوک و معرفت کی تعلیم فرمائی۔ اور سلوک کی تمام منازل طے کرائیں۔

قبلہ والد صاحب فوت ہوئے۔ خلافت سے

دستار بندی سرفراز فرمایا۔ آپ ذوالحجہ سنہ ۱۲۴۱ھ کو تولد ہوئے

پس آپ نے تونسہ شریف بعد ختم عرس مراجعت فرمائی۔ آپ نے فرمایا

کہ کوئی تاریخ کہے۔ مولوی صالح محمد نے "زہے بیدار بخت"

سے تاریخ نکالی۔ آپ نے بہت پسند فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا۔

میں جس تاریخ متولد ہوا اسی تاریخ سے مراہوں۔ گویا اس تاریخ سے

موتوا قبل ان تموتوا کا مفہوم ہوتا ہے۔ بعدہٗ فرمایا۔ جب

آپ تونسہ شریف میں آئے تو میری جدماجدہ نے حضرت کی خدمت میں

عرض کیا کہ لوگوں میں بہت وسواس ہے کہ پسر "ترکل" (تین لڑکیوں

کے بعد پیدا ہونے والا لڑکا) ہے۔ حضرت اعلیٰ نے فرمایا "ترکل"

تو بہت اچھے ہوتے ہیں۔ یہ لوگوں میں جو وسواس ہے ٹھیک نہیں ہے۔

میں خود ترکل ہوں۔

حضور شاہ سلیمانؒ کے وصال کے بعد اور سوم فاتحہ کے بعد

آپ کو حضور کے مصلّیٰ پر بٹھایا گیا۔ حضرت کا کلاہ مبارک پہنایا گیا

اور پیراہن پہنایا گیا۔ اس کے بعد حضرت قبلہ عالمؒ کا ٹوپ سر پر رکھا گیا۔

حضرت میاں غلام نظام الدین دہلویؒ (ولد میاں غلام نصیرالدینؒ کالے صاحب ولد

میاں قطب الدینؒ ولد مولانا فخرالدین دہلویؒ قبلہ عالم نور محمد مہاروی کے مرشد)

نے اپنے دست مبارک سے اس کے اوپر سبز دستار باندھی۔ بعدہٗ خواجگان

اجمیر شریف کی درگاہ کی دستار مبارک باندھی۔ اس کے بعد خواجہ قطب الدینؒ

اور خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہیٰؒ کی دستار مبارک باندھی گئی

اگر گیتی سراسر باد گیرد

چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

ایک روز بعد نماز عشاء کمر دراز فرمائی۔ میں (گل محمد خان انسپکٹر پولیس ہیروی) (میرے دادا کے بڑے بھائی) اور دیگر درویش پاؤں دبا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یوں تو لنگر سے ہم سب روٹیاں کھانے والے ہیں مگر دو آدمی عجیب آدمی ہیں۔ ایک عماد الدین کابلی جو مطول تک پڑھا ہوا ہے ایک دن ہم نے دو روپے دئے کہ گھی لے کر کھاؤ مبادا تمہیں خشکی ہو جائے انکار کرتا رہا۔ آخر بعد اصرار لئے۔ دوسرے دن میں عالم مراقبہ میں تھا کہ میرے پاؤں پر مساس ہونے لگا۔ دیکھا تو چار روپے نذر کے طور پر ڈالے جاتا ہے۔ معلوم نہیں اسے کہاں سے ملے۔ وہ بھی اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں سمجھے۔ دوسرا میاں روشن ہے کہ عیال اطفال سب کو چھوڑ آستانہ پر رہتا ہے۔

ایک دفعہ میں نے اسے وطن روانہ کیا تھا۔ نویں دن واپس آگیا اس موقع پر اتفاقاً میاں اللہ بخش بابڑ تحصیلدار مجلس میں موجود تھے انھوں نے پوچھا۔ میاں روشن کچھ علم بھی پڑھا ہوا ہے؟

آپ نے فرمایا۔ علم پڑھ کر کیا کرے گا۔ جو علم اسے مطلوب تھا بطور احسن پڑھ لیا ہے۔

گل محمد خان انسپکٹر بیٹھا تھا: کہا:۔

ے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اس موقع پر فقیر روشن جو دروازہ کی آڑ میں بیٹھ کر کلمات طیبہ کو بڑے شوق سے سنتا تھا نے دروازہ ذرا سا کھولا اور عرض کیا۔

"مجھے قبول کرو۔"

حضرت نے فرمایا۔

"انشاء اللہ تم مقبول ہو۔ اگر قبول نہ ہوتے تو تم کو سب سے یعنی بال بچوں سے جدا نہ کرتا۔"

اس موقع پر یا شاید کسی اور موقع پر حضور نے فرمایا:۔

حضرت ادہم بلخی نے ایک بڑے کامل بزرگ سے دریافت کیا تھا کہ سناؤ کیسے گزرتی ہے۔

انھوں نے کہا:۔

یار ملتا ہے تو شکر کرتے ہیں۔ نہیں ملتا تو صبر کرتے ہیں۔

ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم ادہم بلخی نے کسی بزرگ کو نماز کی نیت کرتے دیکھا کہ عرصہ دراز تک ہاتھ کانوں پر دھرے کھڑا رہا۔ حضرت ابراہیم حیران ہوئے۔ دریافت کیا تو بولے:۔

جب تک میں مکہ کو نہ دیکھوں اس وقت تک نیت نماز نہیں کرتا اس لئے ہاتھ کانوں پر ہی رہ جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بلخی ہنس پڑے۔ اس پر وہ بزرگ متعجب ہوکر

سببِ خنداں پوچھنے لگا۔

حضرت ادہم نے فرمایا:۔

"میں جب تک مکہ والے کو نہ دیکھ لوں نماز کی نیت نہیں کرتا۔"

اس پر فقیر روشن نے جو دروازہ حرم پر بیٹھا تھا ذرا سا دروازہ کھ

کر کہا:۔

"میں بھی جب تک خدا کو نہ دیکھوں نماز کی نیت نہیں کرتا"

خاصانِ خدا خدا نہ باشد

لیکن ز خدا جدا نہ باشد

آپ دہلی تشریف فرما ہوئے تو شہنشاہ بہادر شاہ ظفر نے

آپ کا استقبال کیا۔ زیارتِ مزار مبارک حضرت قبلہ عالمؒ کے بعد ناگپ

حضرت حمید الدین ناگوریؒ اور وہاں سے اجمیر شریف ۲۷/۲۸ جمادی الثا

۱۲۷۰ھ پہنچے۔ اجمیر شریف میں دس روز قیام فرمایا۔ اس کے بعد آ

جے پور حضرت ضیاء الدینؒ جے پوری ۳/۴ روز قیام فرمایا۔ اس کے بعد دہلی

دہلی میں سب سے پہلے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ۔ پھر حضرت مو

فخرؒ اور نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مزارات اور حضرت نظام الدین اول

کی زیارات سے فارغ ہو کر تونسہ اقدسہ تشریف فرما ہوئے۔ ہر جگہ ہزاروں

عقیدت مند دست بیعت ہوئے۔

جمادی الثانی ۱۲۹۹ھ بروز جمعرات اپنے فرزند حضرت خواجہ محم

اور بہت سے رفقاء کو ساتھ لے کر ملتان تشریف فرما ہوئے۔ وہاں سے

لاہور پھر سہارن پور اور دہلی ۔ ۹ دن بزرگان دہلی کی زیارت میں گزرے پھر اجمیر شریف پہنچے ۔ وہاں سے کلیا شتی، احمد آباد اور اورنگ آباد زیارت کے لئے تشریف فرما ہوئے ۔ بمبئی سے دخانی جہاز پر سوار بارہویں روز جدہ پہنچے ۔ پھر مکہ مکرمہ ایک ماہ سترہ دن قیام رہا ۔

۱۶ ر رمضان رات گیارہ بجے مدینہ منورہ پہنچے ۔ اسی وقت آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے حضور حاضری دی بسلام پڑھا اور تحیۃ المسجد نماز ادا فرمائی ۔ ۲ ماہ ۳ دن مدینہ منورہ میں گذارے ۔

عید کے دوسرے روز حضرت خواجہ محمودؒ پسر خود کو محبوب و موروث پکار کر جالی مبارک سے ملا کر خلافت عطا فرمائی اور جملہ نعمت ہائے باطنی آپ کی طرف منتقل فرمادیں ۔

۱۹ ر ذیقعد روانہ ہوکر یکم ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف فرما ہوئے ۔ حضرت عثمان ہارونی کے روضۂ اقدس پر حاضری دی ۔ حج سے فارغ ہوکر ۲۰ ر محرم ۱۳۰۰ھ واپس تونسہ شریف وارد ہوئے ۔

آپ کے عہد مبارک میں مٹھا کنواں ڈوڈریہ، روضہ اقدس شیش محل مسجد چینی والی ۔ لنگر خانے، سرائے تعمیر ہوئیں ۔

آپ ابتدائے عمر میں بہترین سے بہترین لباس استعمال فرماتے مگر بعد میں نیلا تہبند، سفید ٹوپی اور کرتہ استعمال فرماتے ۔ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں آپ کے کپڑے قدرے میلے تھے ۔ کسی نے کہا کہ حضور صلی اللہ

علیہ والہ وسلم کے حضور میلے کپڑے پہن کر جانا درست نہیں۔

آپ نے فرمایا :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو چٹائیاں لپیٹ کر آتے اور آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم خوش ہوتے۔

حضورِ اعلیٰؒ کے وصال کا آپ نے یوں ذکر فرمایا :-

خواجہ علیہ الرحمتہ ایک ہفتہ تک برائے نام علیل رہے تھے۔ اس تمام ہفتہ میں شب و روز حاضر بحضور رہتا تھا۔ میری والدہ ماجدہ و دیگر مستورات کو حضرت خواجہ غریب نواز کی زیارت کو آتی تھیں۔

ایک دفعہ میری والدہ ماجدہ نے عرض کیا :-

ان (خواجہ اللہ بخشؒ) کا والد فوت ہو چکا ہے۔ بہت رنج و تکلیف اٹھائی ہے۔ ان پر شفقت و کرم فرمایا جائے۔

حضورِ اعلیٰؒ نے فرمایا :-

میں ان کے ساتھ ہوں۔ تسلّی کرو۔

ایامِ علالت میں ایک روز فرمایا :-

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

ایک دن آپ حالت سکون میں تھے۔ ناک سے سانس جاری تھی لیکن نبض وغیرہ کا پتہ نہ چلتا تھا۔ ہم بولتے رہے مگر جواب خیر دیا۔

بعد ازاں مجھ سے فرمایا :-

میں تم لوگوں کی آوازیں سنتا تھا۔ مگر میں پاس انفاس کرتا تھا۔

پھر مجھے فرمایا:۔

کہ بسلطانے رسانندت ازیں پاس

شب وصال آپ چار دفعہ تہجد کے لئے اٹھے تھے۔ صبح ہونے سے اوّل وصال فرمایا۔ تہجد بھی قضا نہیں ہوئی۔ (یہ ذکر پہلے بھی مختصراً آچکا ہے)

وصال سے پہلے میرے آنسو ہر وقت جاری رہتے تھے۔ بعد وصال یکلخت بند ہو گئے۔ دل میں سوچا۔ کاش یہ آنسو جاری رہتے تو خوب ہوتا۔ مگر اپنے اختیار میں کچھ نہ تھا۔

بوقتِ وصالِ حضرت خواجہ غریب نواز جب میں محل سے باہر نکلا تو بہت سے سبز رنگ کے پرندوں کو دیکھا۔ مگر تحقیق نہیں کہ وہ کیا پرندے تھے۔ میں نے لوگوں کو بلایا۔ سو اوروں نے بھی دیکھا۔ صبح ہونے پر یہ پرندے اوجھل ہو گئے۔

حلیہ مبارک

آپ کا چہرہ مبارک فراخ۔ پیشانی کشادہ۔ آنکھیں بڑی بڑی اور خوب صورت۔ بینی دراز۔ ڈاڑھی گھنی قد درمیانہ اور جسم بھاری بھرکم۔ سر پر سفید ٹوپی پہنتے تھے۔ ایک لمبا کرتہ جسم کو ڈھانپے رکھتا۔ اکثر نیلا تہبند باندھتے تھے۔

اخلاق

آپ کا اخلاق، خلق عظیم، لطف وکرم، زہد وتقویٰ کا مجسمہ تھے۔ کریم النفس اور خوش اخلاق۔ غریبوں اور بیکسوں پر خصوصی توجہ فرماتے۔ غریب نواز تھے۔

علالت و وصال

جمادی الاوّل سنہ ۱۳۱۹ھ آپ کو معمولی بخار ہوا کمزوری انتہا کو پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ مسجد تک جانے کی ہمت نہ رہی۔ جب وصال کا وقت قریب آیا تو دونوں صاحبزادے اور خاص غلام ایک پل جدا نہ ہوتے۔ اتنے میں حضور رحیم خواجہ محمد محمودؒ نے فرمایا جاؤ فقیر روشن کو بلاؤ۔ (جو گھر بار چھوڑ حضورؒ کے قدموں میں آ بسے تھے۔ حضور کریمؒ کے سچے عاشق اور جاں نثار تھے) ہر وقت اس کی نگاہ حضور کریمؒ کے رخ اقدس پر رہتی تھی۔ دل وجان سے قربان ہوتا رہتا تھا۔ "قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری" کے مصداق حضرت رحیمؒ کو پورا علم تھا کہ فقیر صاحب کس قدر روشن دل و روشن ضمیر ہیں۔ اس وقت اس کی عدم موجودگی خاص طور پر محسوس فرما رہے تھے۔

ادھر فقیر صاحب کا یہ حال کہ کوٹھڑی سے نکل کر دس بار دروازہ تک گئے لوگوں کی بھیڑ اور ہجوم سے دھکے کھائے، ٹھوکریں کھائیں۔ راستہ نہ ملا۔ تھک ہار کر تنہائی اور گوشۂ عزلت میں بیٹھے آنسو بہانے لگے۔ پروانہ شمع حسن پر فدا اور قربان ہونے کو تیار مگر راستہ نہ ملتا۔ دریا ہوتا تو کود پڑتے، پہاڑ ہوتا تو چھلانگ لگاتے مگر یہاں سب راہیں مسدود۔ دنیا اندھیر ہو رہی تھی۔ یہاں ہر ایک کے دل میں شوق اور عقیدت کی آگ بھڑک رہی تھی کوئی کسی کو نہ پہچانتا تھا۔ بس ایک نفسا نفسی کا عالم تھا۔

حضرت غریب نوازؒ کو کسی کسی وقت دردِ شدید کی تکلیف ہوتی تو آپ کی بے آرامی اور بے چینی کو دیکھ کر سب حاضرین مجبور ہو جاتے۔

حضرت محمود صاحبؒ نے فرمایا:۔

میری جان اس مقدس جان کا بدل تو نہیں ہو سکتی۔ مگر اس درد کا عوض ہو جائے تو مجھے خوشی سے منظور ہے۔ اور ہزار بار تصدق ہے۔

خدا کی قدرت ان الفاظ کا یہ اثر ہوا کہ حضرت ثانی کریمؒ کو پھر درد کی شدت نہ رہی۔ گو مرض نے غلبہ کیا مگر درد کافور ہو گیا۔

فقیر روشن کا اشارہ اسی طرف تھا جو فرمایا کرتے تھے۔

باتوں باتوں میں لوٹ لیا۔ بلا مشقت لوٹ لیا۔ ہاں اہالیان سنگھڑ کی بابت میں کہہ سکتا ہوں کہ ؎

نزدیکانِ بے بصر دور ــــــ دورانِ باخبر در حضور

اس دریائے فیض سے جس قدر ہندوستان فیض یاب ہوا سنگھڑ والوں کے حصہ میں کچھ نہیں آیا۔

۲۹ر جمادی الاوّل ۱۳۱۹ھ بروز ہفتہ تہجد اس کے بعد نمازِ فجر اشاروں سے۔ دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو جان جان آفرین کے سپرد۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اولاد آپ کے تین فرزند حضرت خواجہ محمد موسیٰؒ۔ حضرت خواجہ احمدؒ حضرت خواجہ محمد محمودؒ۔ حضرت خواجہ احمدؒ کا عین شباب میں وصال ہوا۔ آپ حافظ قرآن تھے۔

حضرت خواجہ محمد محمود رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش و عالم طفولیت، ۱۸۶۴ء میں اس دنیا میں ظہور
ہوئے۔ جب سے ہی آپ اس د
میں تشریف لائے ننگریں بیش از بیش وسعت ہوئی۔ غربا و م
کو پہلے سے دہ چند آرام ہوگیا۔ یہ سب محل و مکانات آپ کی پیدائ
کے بعد تعمیر ہونا شروع ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت ایک شہنش
کی آمد تھی۔ حضرت کی والدہ ماجدہ ملتان کے عالی شان وذی مرتبہ
خاندان خاکوانی پٹھان سے ہیں۔ نواب غلام قادر خان خاکوانی کی دخ
نیک اختر اور خان بہادر نواب حاجی احمد یار خان رئیس اعظم والمعظم ملتا
کی ہمشیرہ تھیں۔

تعلیم و تربیت آپ کو چار سال کی عمر میں پڑھنے کے
لئے بٹھایا گیا۔ آپ کی پہلی استادی کا فخ

حضرت خواجہ
محمد محمود رحمۃ اللہ علیہ
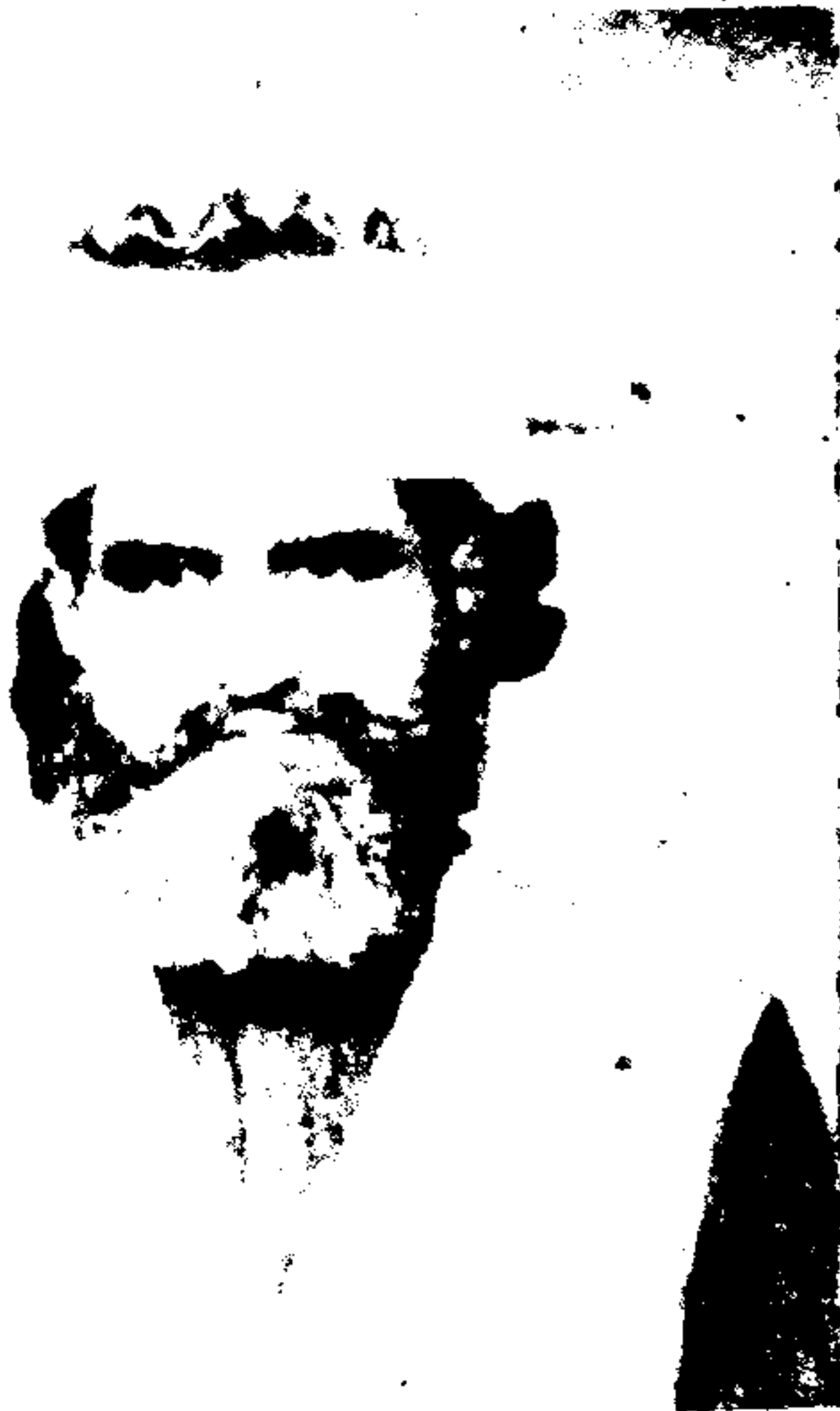
حضرت خواجہ
غلام نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ

افظ صدیق صاحب کو حاصل ہے ۔ اس کے بعد آستانہ مقدسہ کے
شہور حافظ سونہارا کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور تھوڑے ہی
رصہ میں قرآن پاک ختم کیا ۔

اس کے بعد آپ علامہ دہر مولوی خدابخش صاحب پیش امام
حضور کریم ؒ سے فارسی اور عربی پڑھنا شروع کی ۔ یہ بزرگ مولوی خدابخش
کے دادا مولوی خدابخش جراح جنہوں نے نصاب ضروری محض اپنی
جودتِ طبع سے تالیف کیا ۔

آپ کے استاد مولوی خدا بخش صاحب آپ کی جودتِ طبع
کی ہمیشہ تعریف فرماتے ۔ مولوی علی گوہر صاحب جو مدرسہ محمودیہ کے مہتمم
ور ایک برگزیدہ ہستی تھے ۔ جن کی سادگی، زہد و اتقاء قرونِ اولیٰ
کے مسلمانوں کا نمونہ تھی، آپ کے ہم سبق رہے ۔ الغرض آپ
علوم ظاہری میں فارغ التحصیل ہوئے ۔

آپ نے علم باطنی و روحانی اپنے قبلہ گاہ فیض زمان خواجۂ
خواجگان حضرت ثانی اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کیا ۔ اور سچ تو یہ ہے
کہ سلطان المشائخ حضرت ثانی خواجہ اللہ بخش ؒ کو جو محبت اپنے
اس فرزند دلبند سے تھی اور کسی سے نہ تھی ۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد موسیٰ ؒ فرزند اکبر کو بھی خلافت عطا
ہوئی مگر جو نعمت اور برکت بالخصوص خلافت اس جواں بخت کے حصّہ
میں آئی وہ انہی کے لئے مخصوص تھی ۔

ہمیشہ سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے اور خاص شفقت فرماتے ۔ ان کی اطاعت وعبادت اور طبع لطیف و قلب سلیم سب اس امر کے متقاضی تھے کہ ان پر خاص توجہ کی جائے ۔ حج بیت اللہ کے لئے جب حضرت ثانی کریم روانہ ہوئے تو بھی اپنے محبوب لختِ جگر کو جُدا نہ کیا اور نعمت الٰہی آن کے سپرد کر دی ۔

خوش اخلاقی و شیریں زبانی

آپ کی خوش اخلاقی اور شیریں کلامی پتھر سے پتھر دل کو موم کر دیتی تھی ۔ اہل اسلام تو خیر جانتے ہی تھے کہ حضرت کی فیض رسانی و مہربانی کمال کی ہے ۔ غیر اقوام غیر مسلم اشخاص کو بھی میں نے اس شمع سلیمانی کے گرد پروانہ وار نقدِ جاں نثار کرتے دیکھا ۔ بھنورے کی مانند اس نازک پھول پر نثار تھے ۔

اگر اس عنوان پر دفتر کے دفتر قلمبند کروں تو بھی آپ کے اخلاق کریمہ میں سے ایک شمہ بھی ادا نہ ہوگا ۔ جس طرح محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ جس قدر بیان ہوں اسی قدر پڑھنے والے کو مسرت تازہ لطفِ بے اندازہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کے جس قدر مناقب اور کلماتِ طیبات بیان ہوں گے عقیدت مند، مریدوں کو اور زیادہ لطف آئے گا ۔

ایک دن ایک بزرگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے اس آیہ کریمہ کی تفسیر فرماتے تھے ۔ کہ جب فرمانِ الٰہی ہوا :-

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى یعنی اے موسیٰ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہو سکتا تھا کہ هٰذَا عَصٰى یہ میرا عصا ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کلام الٰہی سے ایسے مست اور گرویدہ ہوئے کہ فرمانے لگے۔

قال هی عصای اتوکؤا علیها واهش بها علی غنمی ولی فیها مارب اخری ط

فرمایا کہ یہ میرا عصا ہے۔ میں اس کے سہارے چلتا ہوں اور اس سے اپنے ریوڑ کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی بہت سے فوائد اور مقاصد ہیں۔

مقصد یہ کہ وہ کیف میں آکر مسلسل تقریر فرمانے لگے۔ حالانکہ سوال تو صرف یہ تھا کہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

اسی طرح ہم بھی حضرت رحیمؒ تونسوی کے حالات و مقالات میں جہاں ان کے اخلاق کا ذرا سا نمونہ پیش کریں گے وہاں اپنی طبع کی بے خودی سے مجبور ہو کر دیگر واقعات کا سلسلہ بھی جاری رکھیں گے۔

آپ میں اخلاق حسنہ کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ وہ صفات محمدیؐ کا صحیح نمونہ تھے۔ جب بھی کوئی شخص ان کے دربار فیض آثار میں حاضر ہوتا اسی کے حسب مطلب گفتگو ہوتی۔ یہاں تک کہ ایک دہقان ساربان موجودِ مجلس ہے آپ کی شیریں بیانی سے وہ بھی مسرور ہو کر اٹھتا۔ اگر کوئی اہلِ علم ہے تو علمی نقاط سے اس کی ضیافت

کی جانی ۔ سخن سنج ہے تو وہ شاعرانہ گفتگو اور نکتہ سنجی کی گرم بازاری کی خاقانی اور انوری کی روح وجد کرنے لگے ۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے ہر مقام سے بے شمار خطوط روزانہ آپ کی خدمت میں آتے ۔ کئی منشی اس کام پر تعینات تھے کہ ہر ایک ضروری خط یا عریضہ کا جواب لکھا جائے ۔ (حضرت ثانی خواجہ اللہ بخش قدس سرہ العزیز کے وقت بھی یہی معمول تھا)

حضور رحیم کا یہ معمول تھا کہ مناسب حال سب کا جواب یا خود اپنے دستِ مبارک سے لکھتے یا منشیوں سے لکھوا کر اور اپنے دستخط خاص سے مزین فرما کر بھیجتے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو ۔ خطوط کے جواب لکھنے والے منشی مولوی محمد یار خان، منشی عثمان خان، مولوی غلام علی خان تھے ۔

جناب محمد سعید صاحب ای ۔ اے ۔ سی کرنال کو جو مراسلہ تحریر فرمایا اوپر کا حصہ آپ نے تحریر فرمایا اور پھر باقی حصہ مولوی غلام علی صاحب سے لکھوایا اور یہ بھی تحریر کر دیا کہ "یہ میری آخری چٹھی ہے ۔"

محمد سعید موصوف کو روزانہ عریضہ بھی روانہ فرماتے اور تار بھی بھیجتے ۔ اور بالآخر خود قادر پور آپ کے وصال سے ایک دن پہلے یہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہمارے اوج سعادت کے پرتو سے سعادت دارین حاصل کی ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خلاصہ یہ کہ آپ کے اخلاق کی کیا تعریف کی جائے ۔

دشمن سے سلوک

میاں باغ علی ہمیشہ آپ کے خلاف رہے۔ اور ہر موقع پر کژدم کی طرح ڈنگ مارتے رہے۔ خدا کی قدرت کہ دق وسل کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت غریب نوازؒ کو اپنی فطری رحمدلی سے صدمہ ہوا۔ اور فرمایا "غریب عیالدار ہے اور ہمارے برادر زادہ کا رکن اعظم والی رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شفا دے۔"

چنانچہ دعائے خیر کے لئے ہاتھ اٹھا دئے۔ خدا کی قدرت کہ دق وسل جیسی ہولناک بیماری سے صحت ہو گئی۔

اسی طرح سیال شریف کے صاحبزادہ کا جب وصال ہوا۔ وجود یکہ آپ کے خلاف رہے۔ مگر اخلاص کو وزن کیجئے۔ ایک بڑے گروہ کا پیر و مرشد برابر ۱۲ سال میرے پاس آئے اور میں روگردانی کروں؟ وہ نازبرداری کرے اور ایسی جگہ بیٹھنا پسند کرے جو اس کے شان کے شایان نہ ہو۔ یہ سچا خلوص نہ تھا تو اور کیا تھا؟ پھر آپ آبدیدہ ہو گئے۔

آپ کی تحریر انتہائی پرمضمون ہوتی۔ ہاں آپ کی تحریر سوائے واقف حال کے پڑھنا ذرا دشوار ہوتا۔ جو گفتگو کا طریقہ تھا، وہی طرز تحریر تھی۔

"میرے مکرم اور واقعی محسن معظم عزّزکم اللہ تعالیٰ"

"محسن احسن اللہ بک" "معظما عظمک اللہ" مکرما کرمک اللہ"

جیسے القاب آپ عام طور پر تحریر فرماتے جنہیں پڑھ کر انسان کا دل

باغ باغ ہوجاتا۔ آخر میں آداب کے طور پر تحریر فرماتے ،۔

"فقیر محمود۔ مضطر محمود، محمود سلیمانی، عاصی سلیمانی"

ابتدا میں "فقیر محمود" ارتام فرماتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد "مضطر محمود" بوۂ "سلیمانی" لفظ پسند فرمایا اور "عاصی سلیمانی" تحریر فرماتے رہے۔

مولوی عبدالقادر خان ولایت گئے تو واپسی پر سفر میں جدہ کے مقام پر انھوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ہاتف کہہ رہا ہے ،۔

"بینچر موت ۔ اتوار قبر ۔ آگے راحت"

اس پر مولوی صاحب بہت حیران ہوئے۔ میاں عبداللہ دربان ساتھ تھا۔ جدہ شریف، مکہ شریف یہاں تک کہ مدینہ شریف بھی زیارت کو گئے، حج کا موسم نہ تھا۔ واپس آگئے۔ خواب کا باربار خیال آتا۔ آخر ویسا ہی ہوا۔ تھوڑے عرصہ بعد انھوں نے پیغام اجل کو لبیک کہا۔ حضور رحیمؒ کو نہایت ہی صدمہ ہوا۔ جب اس کا جنازہ آیا تو روضہ مبارک کے اندر تبرکات (غلاف خانقاہ) ڈال کر ان کی عزت افزائی کی گئی۔ خود قبرستان تشریف لے گئے۔ مرحوم کی قبر افغان نیک بندوں سے تیار کرائی گئی۔ پسماندگان سے خاص سلوک کیا گیا۔ چھ بورا پختہ غلہ سالانہ، ۱۲ روپے ماہوار وظیفہ مقرر فرمایا۔ مہاجنوں کا قرض چار پانچ سو روپیہ جیب سے ادا فرمایا۔

میر صاحب سے کیسی وفا کی

حضور رحیم تونسویؒ کی جس نے بھی ذرہ بھر غلامی کی آپ نے اس کی مدد فرمائی۔ وہ اخلاص و مودت و الفت و عقیدت کی قدر کرنے والے تھے۔

آپکا جود و سخا اور خصوصاً مہر و وفا مشہور تھا۔ آپ اپنے دوستوں رشتہ داروں، عزیزوں اور مریدوں پر کمال درجہ مہربانی اور شفقت فرماتے تھے۔ یہ آپ کی طبع رحیمانہ اور اخلاق کریمانہ کا خاصہ تھا کہ آپ کی مجلس میں جو شخص حاضر ہوتا وہ یہی خیال کرتا کہ تمام حاضرین دربار سے مجھ پر زیادہ عنایت ہے۔

حضرت محمودؒ پر ہے ہر گھڑی فضل خدا
نام نامی ان کا ہے ان کی فضیلت کا گواہ
حق نے ان کو نعمتیں ساری کی ساری کیں عطا
علم و حلم و دانش و مہر و وفا، جود و سخا

آپ واقعی فرشتہ خصال تھے۔ ہم نے دہلی، لکھنؤ، حیدرآباد دکن کے شاہانِ اسلام کے دربار نہیں دیکھے۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا دربار رتبہ میں، شان میں، جاہ و جلال میں شاہانِ سلف سے بڑھ کر تھا۔ وہ دنیا پرست بادشاہوں کا دربار اور یہ دین و دنیا کے شہنشاہ کا دربار۔ واقعی ان بادشاہوں میں کئی کریم النفس، متقی و خدا پرست گذرے ہیں۔ میرے حضرت کی وصیت بوقت وصال موجود ہے۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ آپ کس درجہ کے متقی و پرہیزگار تھے اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ صفت مخلوق خدا سے محبت و الفت تھی۔ مہربانی اور شفقت فرمانا آپ کے اوصافِ طبعی میں سے تھا۔ مثال کے طور پر میں مولوی عبدالقادر خان کا واقعہ لکھ چکا ہوں۔

اب میر صاحب سے اس برگزیدہ ہستی نے وفاداری کی اور جس تو
نیک بندہ کے اخلاص اور عقیدت کی قدر دانی فرمائی وہ آپ کا ہی خوبصورت
خاصہ تھا۔

میر صاحب شاہی خاندان سے تھے۔ طبابت میں لاثانی تھے۔ رؤسا
وقت ان کو ایک ہزار روپیہ روزانہ فیس دے کر طلب کرتے۔ طبیعت نے
چاہا تو چلے گئے ورنہ صاف جواب دے دیا۔ گورنمنٹ انگریزی سے ایک
چند مربع اراضی پیروال میں عطیہ تھی۔ جس سے وہ نہایت خوشحالی او
فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتے تھے مگر میر صاحب کو میرے حضرت رحیم
تونسوی سے خاص الفت تھی۔

میر صاحب کی بیماری

میر صاحب اور حضور رحیمؒ محبت و اخلاص
کے رشتہ سے منسلک تھے جو میر صاحب
کے دل میں قدرت نے ودلیت کر رکھا تھا۔

میر صاحب بیمار ہو گئے اور ایسے کہ خانیوال ہسپتال میں لائے۔ میر
عارضہ بواسیر میں مبتلا تھے اور ازحد کمزور ہو گئے۔

حضور رحیمؒ کو جب میر صاحب کی تکلیف کا علم ہوا تو ازبس محزون
غمگین ہوئے۔ مولوی غلام علی سے خانیوال تیاری کا حکم فرمایا۔ موٹر پہ سوار ہوئے
حضور انور کے ہمراہ عبداللہ باورچی، عبداللہ لانگری اور خلیفہ محمود تھے۔ آپ نے
حکم فرمایا کہ توشہ خانہ سے ایک تھان کمخواب اور دو صد روپیہ نقد لے چلو۔
موٹر ڈیرہ غازی خان سے ہوتی ہوئی جہاز پہ پہنچی۔ دریا کے پار

اترتے ہی ڈرائیور کو حکم دیا کہ گاڑی اپنی پوری رفتار سے چلائے ۔ ہم سب دیکھ رہے تھے کہ آپ بہت دلگیر اور افسردہ خاطر نظر آ رہے ہیں فکر و ملال رخ انور سے نمودار تھا ۔

القصہ اس عجلت میں آپ عیدگاہ جاکر گاڑی سے اترے اور فریضۂ ظہر ادا کرنے لگے ۔ اتنے میں خانیوال کی سڑک پر ایک موٹر ملتان کو آتی ہوئی نظر آئی ۔ ایک صندوق جنازہ کی رکھی تھی ۔ معلوم ہوا کہ میر صاحب کا تابوت ہے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط اب سمجھ میں آیا کہ تھان اور روپیہ کیوں ہمراہ لیا تھا ۔

حادثۂ جانگداز : ۱۷ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ایک ایسا حادثہ جانگداز اور سانحہ ہوشربا واقع ہوا کہ قلم و زبان کی کیا طاقت کہ اس واقعہ کے متعلق کچھ لکھ سکے ۔

افسوس ! تونسہ شریف کا چراغ ، سنگھڑ کا دلارا ، پنجاب کا فخر ، ہندوستان کا گوہر ، گلشن سلیمانی کا چہکتا ہوا بلبل ، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق ، خاندانِ چشت اہل بہشت کی نشانی ، بزرگان دین کا محبوب ، اولیائے کرام کا مرغوب ، خلقت کا ملجا و ماوا ، غریبوں کا پشت پناہ ، بیکسوں کا تکیہ گاہ ، اخلاق محمدی کا نمونہ ، رحمتِ الٰہی کا خزینہ ، علم و ادب کا گہوارہ ، فصاحت و بلاغت کا دریا ، منطق و معانی میں ماہر ، فلسفہ اسلامی کا شیدا ، اہل سخن کا قدردان ، امیر و غریب کا محبوب ، شہنشاہوں کا شہنشاہ ، فقیروں کا فقیر کامل ، اس کا زہد و اتقاء ، اس کا صدق و

صفا، اس کی مہر و وفا، اس کی جود و سخا کس کس بات کو یاد کروں
اس کی مجلس شاہانہ، اس کا علمی مذاق، اس کے محاسن محمودی، کلمات
طیبات، اس کی تمثیلات و تشریحات، اس کی وہ ذات ستودہ صفات
اس کے کمالات ظاہری و باطنی کس کس کا اظہار کروں۔ وہ نیکی و پرہیزگاری
میں یکتا، انتظام دینی و دنیاوی میں لاثانی، شہسواری میں یکتا،
گھوڑے کی پہچان و پرکھ کا بادشاہ، شیریں زبانی اور خوش کلامی میں
لاجواب، اس کی ہمت مردانہ، شان شاہانہ، حوصلہ و استقلال،
تکالیف و مصائب پر صبر، خوشی اور مسرت پر شکر، ہر معاملہ میں ذات الٰہی
پر بھروسہ، عبادت سے ذوق، خدمت خلق سے شوق۔

الغرض وہ مجموعہ کمالات تھے۔ کیوں نہ ہو حضرت خواجہ فخرالاولیاء
شاہ محمد سلیمان تونسوی رح حضرت اعلیٰ کا پوتا اور شاہ فیض بخش خواجہ اللہ بخش
حضرت ثانی کا جگر گوشہ اور مسند سلیمانی کا حقیقی جانشین، محبوب خاندان
چشت، رحمت الٰہی کا مجسم نمونہ آج ظاہری صورت میں ہماری آنکھوں سے نہاں
ہوگیا۔ یعنی ماہ ستمبر ستمگر میں شاہ زمان، فخر عالم و عالمیان برگزیدہ
خواجہ محمد محمود رح تونسوی کا وصال ہوگیا۔ وصل الحبیب الی الحبیب۔

مگر ہم کو اپنے آتش فراق میں پروانہ وار جلایا۔ دل بے تاب
ہے مگر تسلی دینے والا کوئی نہیں۔ بیقراری ہے مگر تسکین دلانے والا
نظر نہیں آتا۔

اجمیر شریف میں جاؤ اور دیکھو جناب فیض مآب حضرت متولی صاحب

خانقاہ حضرت خواجہ اجمیری صاحبؒ کے کس طرح نثار ہو رہے ہیں چشتیاں شریف میں خانقاہ حضرت قبلہ عالمؒ میں نظر ڈالو حضرت میاں محمود بخشؒ زار نزار ہیں۔

جہاں پیارے محمودؒ کا نام سن لیا آنکھوں سے آنسوؤں کے ستارے ڈھلک رہے ہیں۔ محبت تھی یا عشق۔ الفت تھی یا بیخودی اس کی بے قراری واللہ باللہ دیکھی نہیں جاتی۔

تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
رونا ہے کچھ ہنسی نہیں ہے

ریاست بہاول پور میں کسی اہل نظر پر نظر ڈالو۔ بیتاب ہے اور اسی یوسف کنعانی کی یاد میں یعقوب علیہ السلام کی طرح جگر کباب ہے۔

جدا کسی سے کسی کا حبیب نہ ہو
یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

گولڑہ شریف میں جاؤ دیکھو کہ اس آفتاب ولایت، فخر دین وملت، مہر برج سعادت کی کیا کیفیت ہے۔ اس کا ایک برگزیدہ دوست جدا ہے جو اپنے ایک بے تکلف محبت نامہ میں اپنے قلم اعجاز رقم سے حضور رحیم تونسویؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ :-

" اپنی طبیعت کے بارہ میں اس وجہ سے عرض نہیں کر سکا کہ

واقعی کیفیت کے عرض کرنے سے جناب کو بمقتضائے فطرت کریمانہ تکلیف ہوگی ۔ جناب کے غلام محی الدین کو نیاز مند کی علالت کی وجہ سے سخت تکلیف ہوتی ہے لہذا وہ بھی عرض کرنے سے قاصر ہے ۔"

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد
بلبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

وصال حضرت خواجہ محمد محمودؒ

حضرت غریب نواز بتقاضۂ عمر و ریاضت اور دو زانو بیٹھنے سے عرصہ سے گھٹنوں کے درد میں مبتلا ہوگئے ۔ چنانچہ اپریل ۱۹۲۹ء میں جب آپ ایک جگہ سے اٹھتے تو دو آدمی سہارا دے کر اٹھاتے ۔ مگر ہر جماعت میں تشریف لے جاتے اور معمولات میں کسی قسم کا فرق نہ آنے دیتے ۔

گرمی کے موسم میں نواب صاحب کے خطوط آتے کہ آپ ڈیرہ دون (ہندوستان یو۔پی میں صحت افزا پہاڑی مقام) تشریف لائیں ۔ کوٹھی لے لی ہے۔ آپ ڈیرہ غازیخان کے راستے جہاز (سٹیمر) پر سوار ڈیرہ دون کے سفر پر روانہ ہوئے ۔ فرمایا جس کا نام دون ہے اس سے کیا نفع ہوگا! چند دن بعد زیادہ تکلیف محسوس کرنے لگے ۔ ڈیرہ دون میں ایک شاہی حکیم ساکن گنگوہا شریف سے چند روز علاج ہوتا رہا ۔ مگر فائدہ نہ ہوا ۔

اس اثنائ میں حکیم عبدالحئیؒ ساکن پشاور حال مقیم ملتان کو تار بھیجا گیا۔ آپ پہلے بھی کئی مرتبہ اس حکیم سے علاج کرا چکے تھے۔ وہ حضور کی طبع عالی سے بھی واقف تھے۔ کچھ افاقہ ہوا مگر آپ نے ڈیرہ دون میں رہنا پسند نہ فرمایا۔

ریل پر سوار خانیوال تک اور پھر قادرپور تک گھوڑوں پر سوار ہو کر تشریف لائے۔ حکیم عطاء اللہ صاحب کو ملتان سے بلوایا گیا جو طبیہ کالج دہلی کے سند یافتہ تھے۔ علاج ہوتا رہا مگر کمزوری بڑھتی گئی۔

حکیم غلام غوث بہاولپوری اور حکیم محمد حسین آف بہاولنگر کی مشاورت سے علاج ہوا۔ تین چار روز آرام پھر اسہال۔ اگر اسہال جاری تو طبیعت درست مگر کمزوری زیادہ اور اگر اسہال رک جاتے تو طبیعت میں سخت الجھن اور بے لطفی۔

دہلی کا ارادہ بغرض علاج فرمایا مگر کمزوری مانع آئی۔ اب تو پلنگ مسجد میں رکھوا دیا۔ کیونکہ مسجد میں آنا جانا تکلیف دہ بنا تھا۔ عصر، شام، عشا اور صبح مسجد میں پڑھتے۔ وضو کرنے کی طاقت نہ تھی۔ تیمم فرماتے۔ اٹھنے کی طاقت نہ تھی بیٹھ کر نماز ادا فرماتے۔

اس اثناء میں نواب احمد یار خان سے فرمایا کہ اراضی موضع مقبول واہ مدرسہ اسلامیہ کے واسطے وقف کر دی جائے۔ اور یہ سب کاغذات تین دن میں مکمل کرا لئے گئے۔

وصال سے قبل آپ نے وصیت فرمائی۔

"ایک مقفل صندوق میں سب کچھ تحریر ہے۔ اس پر عمل کیا جائے
اس میں سرورِ کائنات سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا موئے مبارک
اور ذراتِ نعلین مبارک ہیں۔ نعلین مبارک کے ٹکڑے میرے منہ میں اور
موئے مبارک کی کترن میری آنکھوں میں ڈال کر یہ الفاظ کہے جائیں۔"
"اے عاصی محمود گنہگار! تو آج اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے
یہ سب اشیاء تیرا وسیلہ ہوں۔"

آپ وفات سے چار روز پہلے بیماری کے باوجود یکایک پلنگ سے اٹھے
اور فرمایا:-

"اے مسلمانو! یقین کرو میں خواجہ محمد سلیمانؒ کا سچا جانشین ہوں۔"

اس وقت آپ کی آنکھیں سرخ اور چہرے پر حد درجہ جلال نمایاں تھا۔
ہم لوگ حیران تھے کہ پہلے تو کمزوری اس قدر تھی کہ سر اٹھانا مشکل تھا یا اب
دفعتاً کھڑے ہو گئے ہیں۔ شاید اس وقت حکم باری تعالیٰ تھا کہ اس وقت
اعلان کر دیا جائے تاکہ ناواقف و نابلد لوگ بھی چشمۂ سلیمانی سے سیراب
ہو جائیں۔

سوموار کے دن آپ نہایت ضعف میں تھے۔ بولتے وقت آنکھ کھولتے۔
دوپہر کے وقت زیادہ تکلیف ہوئی۔ اس وقت تکلم بند تھا۔ مگر پورے ہوش و
حواس میں تھے۔ صاحب زادہ حضرت نظام الدین صاحبؒ سے پانی مانگا۔
اسی روز محمد سعید صاحب آئے۔ صاحبزادہ حضرت نظام الدین صاحبؒ

نے عرض کیا۔

"بابو تساڈے دوست محمد سعید آئے ہین"

بڑے شوق سے آنکھ کھولی۔ رات کے ۱½ بجے زور سے اللہ اللہ کا جہر شروع کیا۔ بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ جو سوئے ہوئے تھے جاگ پڑے دور دور تک آواز سنائی دیتی تھی۔ جہر ذکر جاری رہا اور اسی اثنا میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور جنت الفردوس کو سدھار گئے۔ آپ کو غسل باغ میں دیا گیا۔

چالیس روز تک حفاظ کلام اللہ قرآن شریف کے ختم پڑھتے رہے۔ ان کے مصارف صندوق میں پہلے سے رکھے ہوئے تھے۔

آپ کے وصال کے بعد زلزلہ آیا۔ ہر طرف برسات ہوئی۔ دریاؤں میں طغیانی آگئی۔ کالا باغ پر ۶۶½ فٹ پانی کی اطلاع تھی۔ (۶۶½ فٹ پانی سے مراد چھ لاکھ ساڑھے چھ ہزار کیوسک فٹ پانی) اور پھر اس میں دو کوہیاں شریک۔ سنگھڑ کا دوسرا کنارہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اکثر شہر دریا میں بہہ گئے۔ اس حالت میں مستورات کی روانگی۔ تقریباً ایک درجن کشتیاں اور ان میں سامانِ ضرورت۔ پردہ کا انتظام۔ یہ بندوبست فتح محمد کھر نے کیا۔ تین روز کے سفر کے بعد یہ قافلہ "بڈھ" ریلوے سٹیشن جاکر خشکی کو دیکھ سکا۔ پھر قادر پور پہنچے۔

حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدین مرشدم نے فرمایا۔

فتح محمد کھر! تمہارا یہ احسان میں اس دنیا میں نہیں اتار سکتا۔ انشاء اللہ

اس دنیا میں تیری خدمت اسی طرح کروں گا جس طرح ہمارے کنبے کی خدمت آپ نے ان حالات میں کی ہے۔"

آپ کا جنازہ ملتان میں :-

جب ہر طرح تیاری کر لی گئی تو آپ کا جسدِ مبارک صندوق میں رکھ دیا گیا۔ ملتان میں نصف درجن سے زیادہ موٹریں آگئیں اور نواب احمد یار خان کی ایما پر یہ تجویز ٹھہری کہ حضرت کو امانت کے طور پر حافظ جمال اللہ صاحب ملتانیؒ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ کیونکہ ان دنوں دریائے سندھ کی طغیانی غضب کی تھی۔ ریلوے پٹریاں شکستہ ہو چکی تھیں۔

جونہی حضورؒ کے وصال پُر ملال کی خبر ملتان میں پھیلی لوگوں نے دکانیں اور کاروبار بند کر دئے۔ عیدگاہ سڑک پر ہزارہا لوگوں کا جم غفیر تھا۔ جب موٹر پہنچی تو شمع سلیمانی کے گرد لوگ پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ موٹر پھولوں سے لد گئی۔ لوگ دیوانوں کی طرح دوڑ رہے تھے۔ آپ کے جنازہ میں اتنی مخلوق اکٹھی ہوئی کہ اتنی مخلوق ملتان میں کبھی نہ دیکھی گئی۔

آپ کا وصال مابین شب ۲ دوشنبہ و ۳ سہ شنبہ، ۷ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء، ۱۲ اسوج سمت سنہ ۱۹۸۶ء، ۱۲ ربیع الآخر سنہ ۱۳۴۸ھ کو ہوا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔

تابوت مبارک تونسہ شریف میں

مابین شب ۴/۳ شوال ۱۳۴۸ھ بمطابق

۴/۵ مارچ ۱۹۳۰ء حضور پرنورؒ کا تابوت مبارک ملتان سے تونسہ شریف لے جانے کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ حضرت محمد جمال صاحبؒ قدس سرہٗ العزیز کے مسقف دالان جہاں سیکڑوں حفاظ کلام پاک پڑھ رہے تھے اور مخلوق خدا اشکبار تھی۔ کوئی پشاور سے کوئی دہلی سے، کوئی بہاولپور اور مہار شریف سے۔

میرے محترم بزرگ حاجی فتح محمد خان ملغانی اور حاجی محمد اعظم خاں سوداگر چرم ملتانی روایت کرتے ہیں کہ:۔

اس قدر انسان اکٹھے ہوگئے کہ عرس حضرت محمد جمالؒ میں بھی اتنی مخلوق نہیں ہوتی۔ اکثر حافظ قرآن تھے۔ سب پروانوں کی طرح شمع محمودی کے گرد جمع۔ سارا ملتان امڈ پڑا۔ نواب احمد یار خان خاکوانی اور ان کے فرزندان بھی موجود۔ صندوق کو نکال کر گاڑی میں رکھا گیا۔

کاریں تونسہ شریف روانہ ہوئیں۔ ہندو مسلم ہر کوئی گریہ کناں تھا۔ دکانیں اور کاروبار بند۔ کیا تھا.... کیا ہوگیا.... کیا ہوگا۔

حضور رحیمؒ کا تابوت مبارک تونسہ اقدس میں پہنچا۔ جبکہ روضہ مبارک مکمل ہوچکا تھا۔ راستہ صاف ہوگیا تھا۔ اور اس وقت مخلوقِ خدا کا انبوہ تھا کہ انسان تو اس قدر ہو ہی نہیں سکتے جیسے فرشتے اتر آئے ہوں۔ ملتان سے تونسہ شریف تک کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں دورویہ آدمی نہ ہوں اور کوئی جگہ خالی ہو۔

حضور رحیمؒ کی اولاد پاک

حضرت خواجہ احمد ثانی رح

حضرت خواجہ غلام فرید شہیدؒ

حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدین رح

حضرت خواجہ محمد غلام نصیر الدین رح

حضرت خواجہ محمد غلام قطب الدین رح

آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدین رح ہیں

آپ حضور رحیمؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ یہ صاحب نوجوان نیکی میں فرد، ہمت میں شیر مرد، دینی و دنیاوی امور میں یگانہ اوّل درجے کے زیرک و ہوشمند تھے۔

جن دنوں میاں احمد صاحبؒ کو تکلیف تھی ان دنوں فقیر روشنؒ بھی علیل تھے۔ حضور رحیمؒ ان دنوں درگ میں تھے۔ آپ نے صاحبزادہ میاں احمد صاحبؒ کو کہلا بھیجا کہ فقیر روشن کے علاج اور تواضع کا خصوصی خیال رکھنا۔

فقیر محمد روشنؒ جو حقائق آگاہ اور معرفت نگاہ درویش تھے اور دلِ روشن رکھتے تھے۔ فقیر روشنؒ، حضور رحیمؒ

کے متعلق کہتے تھے۔

"لوٹ لیا۔ سب کچھ لوٹ لیا۔ باتوں باتوں میں لے لیا۔
بلامشقت لوٹ لیا۔ بڑے شوم (کنجوس) ہو ہم کو کچھ نہیں دیتے۔"

شہزادہ احمد صاحبؒ نے اپنی کمزوری، بیماری کے باوجود فقیر روشن کا پورا خیال رکھا۔ مگر شہزادہ احمد صاحبؒ کی طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی تو دہلی علاج کے واسطے ارادہ کیا۔ ملتان پہنچے ہی تھے کہ فقیر روشن کا انتقال ہو گیا۔

میاں احمد صاحبؒ کو علاج سے افاقہ نہ ہوا۔ اور زیادہ طبیعت خراب ہو گئی۔ واپس لوٹے اور راستے میں کوٹ سلطان میں انتقال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

خواجہ غلام مصطفےٰؒ، خواجہ غلام مرتضےٰؒ اور خواجہ غلام مجتبےٰ آپ کے فرزند تھے۔

ہر جمعہ حضور رحیمؒ خواجہ محمودؒ صاحب مع فرزندان خواجہ احمد صاحبؒ و خواجہ غلام فرید صاحبؒ اور خواجہ محمد غلام نظام الدین صاحب برائے زیارت حضرت خواجہ گل محمدؒ و خواجہ درویش محمدؒ (گلن درویشن) اکثر گھوڑوں پر سوار ہو کر جاتے۔

۲۸ شوال بروز جمعہ حضور رحیمؒ خود روزہ سے تھے۔ گرمی کا موسم۔ خواجہ غلام فریدؒ اور حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدینؒ کو زیارت کا حکم فرمایا۔ ساون کا مہینہ تھا۔ سنگھڑ کی رود کوہی نکلی ہوئی تھی۔ آپ بعد زیارت رود کوہی دیکھنے روانہ ہوئے۔ دیر تک رود کوہی کی روانی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ واپسی پر گھوڑے بدک کر سرپٹ دوڑے۔ ایک تنگ گلی میں خواجہ غلام فریدؒ کے گھوڑے نے جو موڑ کاٹا تو حضرت اپنے آپ

کو سنبھال نہ سکے۔ دیوار سے سر مبارک اور جسد مبارک ٹکرایا۔ پل کے پل میں د
جوانِ رعنا، مہ لقا، یوسف ثانی، بدرمنیر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

تونسہ شریف نمونہ محشر تھا۔

آپ نے فرمایا:۔ "وہ ذاتِ باری راضی تو ہم بھی راضی"

جب نمازِ جنازہ پڑھی گئی تو آپ نے بچشم نم اور دردناک لہجہ میں فرمایا:۔

"افسوس۔ جنید کا زمانہ نہیں ورنہ دکھا دیتا"

ہر دیوار سے فرید! فرید! کی پکار آ رہی تھی۔

ابنِ محمودؒ شاہ غلام فریدؒ ۔۔۔ آسمان مثلِ او گلے کم دید

اسپ را تاختہ بجنت رفت ۔۔۔ روزِ جمعہ کہ بود وقتِ سعید

سر بسر بود یوسفِ ثانیؒ ۔۔۔ صورتش ایں چنیں خدا بخشید

من زِ ہاتف چو سال پرسیدم
آہ سر درد گفت غلام فرید

۱۳۲۸ھ

آپ نے حضرت غلام فریدؒ کی وفات کے دن فرمایا۔

عجب خارِ شکستی در دل من
کہ ناید بیروں الا از گل من

حضرت خواجہ غلام فریدؒ مرحوم و مغفور سن پیدائش ۱۹۰۷ء
حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدینؒ مرحوم و مغفور سن پیدائش ۱۹۰۸ء

؎ میرے قلم کو قوتِ اظہار دے

اب سے قریباً تین سال پہلے، جب میں زیرِ نظر اپنی سرکار کی "سوانح حیات" کو مرتب کرنے کا کام کر رہا تھا تو یقین جانئے کہ عجیب و غریب قسم کے وسوسے پھر سرشاری و سرمستی کی کیفیت میرے اعصاب پر محیط تھی۔

بیخودی اور کیف و سرور کا وہ نشہ جوان دنوں مجھے دنیا و مافیہا سے بے نیاز کئے جا رہا تھا۔ اس کے اثرات آج تک میرے دل و دماغ سے محو نہیں ہو سکے۔ میں آج تک اپنے آپ کو ایسی کیفیت میں مبتلا پاتا ہوں اور یہ کہ اس سلسلہ میں کسی بھی قسم کی لب کشائی کرنے کی اپنے اندر سکت نہیں پاتا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ مجھ ایسے بے بساط و کم مایہ انسان پر خالق ارض و سما کی بے پناہ عنایات و رحمتیں ہیں جن کا شکر بجا لانا میرے لئے نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

خداوند قدوس کی بارگاہ میں ملتمس ہوں کہ وہ مجھے اپنی ان غایت
رحمتوں کا شکر بجالانے کی ہمت اور توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!
میں اب اسے خلاقِ دو عالم کی بے پایاں رحمت کہوں یا اس آقا
کملی پوش، دانائے سبل، ختم الرسل صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شفقت و عنایت
لکھوں کہ میرے مرتب کئے ہوئے زیرِ نظر میرے مرشد کامل، رہبر کی سوانح حیات
گلدستۂ چشتیہ کی آپ حضرات نے بے حد پذیرائی فرمائی اور آپ ہی لوگوں کے
ذریعے خدائے لم یزل نے اس کے لکھنے، پڑھنے دیکھنے کا شرف قبولیت بخشا
جس کا ادراک میرے فہم و شعور سے بالاتر ہے۔
یہ میرے آقا و مولا، مربی کائنات، محسنِ انسانیت، سلطان انبیاء
صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا مجھ گنہگار پر کرم ہے کہ میرے اس نذرانہ "پھولوں کی کیاری"
کو اپنی بارگاہِ ناز میں قبول فرمایا یا لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

نوٹ:۔ زیرِ نظر کتاب کو سرکار دو عالم سرور کائنات ؐ کے حضور یعنی
مدینہ منورہ میں لکھنا شروع کیا۔ ایک عرصہ سے میرے ہاتھوں میں رعشہ تھا۔ دستخط
بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اس کا کرم، میرے مرشد کی نظرِ شفقت کہ آج میں لکھ
رہا ہوں اور وہ لرزہ معدوم ہے۔ اور میں تو سوچتا ہوں۔ بقول شخصے کہ

؎ میں کیا تھا اور کیا بنا دیا تم نے

آخر میں رخصت طلب کرنے سے پہلے میں آپ کی خدمت میں گزارش
کرنا چاہتا ہوں کہ:۔

اس گلدستہ کے پھولوں کا تذکرہ اور خوشبو کہاں کہاں اور کیسے کیسے پھیلی۔

میں نہ مصنف ہوں اور نہ تصنیف کا تجربہ ہے۔ یہ تو اس گلدستہ کے پھولوں کی خوشبو سے دماغ میں عقیدت کے انجراف قلم سے نمودار ہوئے ہیں۔ میری کم علمی، کوتاہی، کم ظرفی کو آڑے نہ لائیے۔ میں نے جو دیکھا، پڑھا، سنا، محسوس کیا۔ اس کا اظہار ہے۔

اس گلدستہ کے مطالعہ کے دوران مرشدم کے سلام و دعا اور میری عقیدت کا اظہار۔ میرے والدین کو دین و دنیائے فانی میں بھلائی کی دعاؤں میں یاد فرمائیے گا۔ شکریہ۔

ع سفینہ چاہیئے اس بحرِ بیکراں کے لئے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ نے روحانیت کی فضا میں نشوونما پائی اور بزرگوں کو دریائے معرفت کا شناور پایا ہے۔

سرگذشت غم کہوں کس سے ترے ہوتے ہوئے
کس کے در پہ جاؤں تیرا آستانہ چھوڑ کر

بخشوانا مجھ سے عاصی کا روا ہوگا کسے
کس کے دامن میں چھپوں دامن تمہارا چھوڑ کر

حضرت خواجہ مرشدم کا خاندان :-

نسب کے ل...
سے مرش...

جعفر پٹھان ہیں۔ آپ کے جدِّ اعلیٰ حضور خواجہ شاہ محمد سلیمانؒ درگ تحقیل موسیٰ ...
ضلع لورالائی سے تونسہ شریف میں وارد ہوئے۔

حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کے فرزندان حضرت خواجہ گل محمدؒ اور حضرت ...
درویش محمدؒ تھے۔ حضرت خواجہ درویش محمدؒ نے جوانی میں شادی سے پہلے و...
فرمایا۔

حضرت خواجہ گل محمدؒ کے فرزندان حضرت خواجہ ثانی کریم اللہ بخشؒ ...
حضرت خواجہ خیر محمدؒ ہوئے۔ حضرت خواجہ گل محمدؒ نے اپنے والد شاہ محمد سلی...
کی زندگی میں وصال فرمایا اس لیے حضور اعلیٰ حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کے بعد حضر...
ثانی خواجہ کریم اللہ بخشؒ سجادہ نشین ہوئے۔

حضرت خواجہ کریم اللہ بخشؒ کے فرزندان حضرت خواجہ محمد موسیٰؒ ا...
حضرت خواجہ محمد محمودؒ ہوئے۔

حضرت خواجہ محمد محمودؒ کے فرزندان حضرت خواجہ احمدؒ، حضرت خوا...
غلام فرید شہیدؒ آپ کی زندگی میں واصل باللہ ہوئے۔ حضرت خواجہ غلام
محمد نظام الدینؒ آپ کے فرزند اور سجادہ نشین ہوئے۔

خاندان کا علمی تبحر :-

حضرت خواجہ محمد محمودؒ علوم ظاہری و باط...
میں حضرت خواجہ ثانی اللہ بخشؒ سے...
فیض یافتہ ہے جو حضور اعلیٰ شاہ محمد سلیمانؒ کے درس ظاہری و باطنی کے...

تربیت یافتہ تھے ۔

ولادت باسعادت

آپ ۱۹۰۸ء میں کتم عدم سے منصہ شہود پر جلوہ فرما ہوئے ۔ اور حضرت خواجہ رحیم محمد محمودؒ کے گھر کو ہی منور نہیں فرمایا بلکہ ماہتاب عالم تاب کی طرح ان کا نورِ فیضان دور و نزدیک سب پر یکساں رہا ۔ اسی طرح تمام عالم کے لیے تابندگی و درخشندگی بھی وقف عام رہی ۔

بچپن

بچپن سے ہی آثار بزرگی واطوارِ شرف آپ کے ناصیۂ اشرف سے ظاہر و باہر رہے ۔ آپ نہایت درجہ کے ذہین و فطین تھے ۔
جب آپ کا سن مبارک ۴ سال ۴ ماہ ۴ دن کا ہوا تو آپ کو قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ ساتھ درس محمودیہ (مکھڈی بنگلہ) میں اساتذہ سے فارغ التحصیل ہوئے

حضرت خواجہ کا علمی تبحر

آپ ظاہری و باطنی علوم میں کامل و مکمل ہی نہیں بلکہ دونوں علوم میں اکمل کا درجہ رکھتے تھے ۔ آپ کی مجلس اقدس علما اور ادیبوں سے پُر ہوتی ۔ جہاں افادہ و استفادہ ہمیشہ دن رات جاری رہا ۔

حضور کی مجلس میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی ۔ حضور ہمیشہ ہر ایک موضوع پر سیر حاصل تبصرہ فرماتے اور کسی موضوع سخن کو تشنہ تکمیل نہ چھوڑتے تھے ۔

علما و فضلا کے مجمع میں ہر موضوعِ سخن پر بغیر کسی وقتی تیاری کے حق بیان ادا کرنا سوائے خصوصی علمی تبحر اور بحر بیکراں معلومات ناممکن نہیں تو

محال ضرور ہے۔

مولینا سیّد احمد سعید شاہ صاحب کاظمیؒ نے آپ کے تبحر علمی کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

"میں نے حضرت خواجہ غلام نظام الدین تونسویؒ کے علم اور مطالعہ کا ہم پلہ اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔"

دوسرے علوم پر نظر:

حضرت خواجہ صاحبؒ جامع العلوم والفنون تھے۔ علوم دینیہ و شرعیہ تو خیر آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا۔ اس کے ساتھ قانون و قواعد کے وہ علوم بھی شامل کر لیجئے جو علومِ دینیہ میں لطور مبادی کے پڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً علمِ جفر، علمِ رمل، علمِ نجوم پر پوری بصیرت سے روشنی ڈال سکتے تھے۔ یہ علیحدہ بات کہ اپنے تقویٰ کی وجہ سے ان سے فائدہ اٹھانا مناسب نہ سمجھا۔ لیکن بطورِ علم ان چیزوں سے اچھی طرح آشنا تھے۔ اور ان کے اصول و فروع پر اچھی طرح حاوی تھے۔

ایک بار راگ کا ذکر چھڑا۔ حضرت خواجہ گل محمدؒ (جو راگ کے ماہر تھے) سے تذکرہ ہو رہا تھا۔ میرے حضرت نے فرمایا:

ہندوستان کی موسیقی کے اصول کل چھ ہیں۔ بھیرمی۔ سری میگھ ہنڈولا۔ مال کونس اور دیپک۔ ان کے علاوہ جتنی راگنیاں ہیں سب انھیں سے نکلتی ہیں۔ حضرت خواجہ گل محمدؒ یہ سن کر انتہائی خوش ہوئے۔

شعر و شاعری آپ جوانی سے شاعری کرتے آئے اور آپ کی نظمیں اکثر رسالوں میں چھپتی رہیں۔ آپ عربی، فارسی اور اردو میں اشعار لکھتے رہے۔

علم الانساب آپ کی حدود قابلیت اور حافظ، جستجو، حسب، نسب میں اس قدر ماہر تھے کہ شیوخ یا دیگر افراد کا ذکر، خاندانیت، پیشہ، اس کی واقفیت یا قابلیت بار روایت فرماتے۔ مثلاً میرا راوی فلاں ہے۔ اس علم کی وسعت سے سننے والے حیران ہوتے۔

الفاظ و اشعار کی تصحیح، صحتِ شعر یا صحتِ تلفظ میں آپ یکتا تھے۔ اس معاملہ میں آپ کو درجہ اجتہاد و ایجاد حاصل تھا۔

غلط شعر یا لفظ سنتے تو سر میں درد ہو جاتا۔ قوال اگر غلط شعر یا لفظ کہتا تو آپ پہلے سمجھاتے، اس کے باوجود غلطی کرتا تو آپ اسے چپ کرا دیتے۔

افسوس وہ مجلسیں، وہ سخنور، وہ صحتِ لفظ کے ادیب اب شاید اگلے جہان میں نصیب ہوں۔ اب تو تان یہ کان ہے۔

حلیہ مبارک صحیح فوٹو آپ کے سامنے ہے۔ ہر شخص خود حضور کے جلوۂ اقدس کی زیارت کر سکتا ہے اور لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اس تصویر کے سامنے قلمی تصویر کی کیا حقیقت۔

آپ کا چہرہ مبارک فراخ۔ پیشانی کشادہ۔ آنکھیں بڑی بڑی

جس شخص یا مجمع کو نظر اٹھا کر دیکھ لیتے وہ ملیح وغلام بن جاتا ۔ جس پر نظر پڑی مست ہوگیا ۔

ع اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہوشیار نہ تھا

بینی دراز ، شرعی ریش مبارک ۔ قد اور جسم درمیانہ ۔

حسن کیا کہنا ، بچپن ، جوانی ، بڑھاپا ہر عمر میں حسن کی سرکار تھے ۔ میرے اللہ نے آپ کو ہر حصۂ حسن میں سخاوت عطا فرمائی ۔

اٹھنا ، بیٹھنا ، چلنا ، پھرنا ، بولنا ، دیکھنا کہیں بھی کوئی کمی نہ تھی ۔

ع مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

آپ کو دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا ۔ (نعوذ باللہ ۔ اللہ اللہ ہے مگر قال اللہ تعالیٰ جس مجلس میں ہو وہ بھی مجلس اللہ ہے)

اے روئے ماہ منظر تو نو بہارِ حسن	اے کہ تیرا چاند جیسا چہرہ حسن کی نوبہار ہے
خال و خد تو مرکز لطف و مدار حسن	تیرا تل اور خط پاکیزگی اور حسن کا مدار ہے
در چشمِ پر خمار تو پنہاں فسون سحر	تیری خمار بھری آنکھوں میں جادو پوشیدہ ہے
در زلفِ بیقرار تو پیدا قرار حسن	تیری بے قرار زلف سے حسن کا ٹھکانہ ہے
ماہے نتافت چوں رخت از برجِ خسروی	شاہی برج سے تیرے چہرے جیسا کوئی چاند نہ چمکا
سروے نخاست چوں قدرت از جوئبار حسن	حسن کی نہر سے تیرے قد جیسا کوئی سرو نہ ابھرا
خرم شد از ملاحت تو عہد دلبری	تیری ملاحت سے حسن کا زمانہ بابرکت ہوگیا
فرخ شد از لطافتِ تو نو بہار حسن	تیری پاکیزگی سے حسن کا زمانہ بابرکت ہوگیا
از دوام زلف و دانہ خال تو در جہاں	تیری زلف کے جال اور تل کے دانہ سے دنیا میں

رغ دل نماند نگشتہ شکارِ حسن	دل ایک پرندہ تک حسن کا شکار ہونے سے نہ بچ سکا
ا بہ لطف دایۂ طبع از میان جاں	فطرت کی دایہ دل و جان سے مہربانی کے ساتھ ہمیشہ
ی پرورد بناز ترا درکنارِ حسن	تجھے حسن کی گود میں ناز سے پالتی ہے۔
البت بنفشہ ازاں تازہ و تر ست	تیرے ہونٹوں کے چاروں طرف بنفشہ اس لئے تر و تازہ ہے
ب حیات می خورد از جوئبارِ حسن	کہ حسن کی نہر سے آب حیات پی رہا ہے۔
اتو گل رُخے نتواں یافت در جہاں	تجھ جیسا گل رخ دنیا میں نہ پایا جا سکا
شنِ زمانہ تو داری بہارِ حسن	زمانہ کے باغ میں تو حسن کی بہار رکھتا ہے
نظ طمع برید کہ بیند نظیرِ دوست	حافظ نے دوست کی مثال دیکھنے کا طمع چھوڑ دیا
نیست بجز تو اندر دیارِ حسن	حسن کے ملک میں تیرے سوا کوئی آباد نہیں۔
ابد معمور باد ایں خانہ کز خاک درش	خدا کرے یہ گھر ہمیشہ رہے کہ اس کی در کی خاک سے
نفس با بوئے رحماں می وزد باد یمن	یمن کی ہوا ہر سانس میں رحمٰن کی خوشبو لیکر چلتی ہے
وشہ گیراں انتظارِ جلوۂ خوش می کشند	گوشہ نشین جلوہ کا انتظار کر رہے ہیں
شکن طرف کلاہ و برقع از رُخ برفگن	ٹوپی کا کنارہ ٹیڑھا کر اور رخ سے برقع اتار پھینک

لباس

حضور طبعاً نفاست پسند اور خوش لباس تھے۔ ہر لباس تن مبارک پر نہایت دیدہ زیب ہوتا۔ حضور کا جسم مبارک ہی جامہ زیب تھا۔ ہر
سم کا لباس آپ کو اچھا لگتا۔ مثلاً گھوڑے کی سواری میں برجس اور لانگ بوٹ استعمال فرماتے
ر کی سواری میں شلوار اور عام طور پر گھر پر یا مردانہ میں لنگی یا تہبند۔ جوتا تونسہ شریف کے موچی کا بنا ہوا۔
بیاولپور کا سلمہ ستارہ والا۔ ساون آا اسوج ململ کا کرتہ کڑھا ہوا کھلی بانہوں والا۔ سر پر سفید یا تونسہ
لا چہ پیدار گپڑی چھوٹی۔ کبھی ناظہ کے کلاہ پر یا ویسے ہی استعمال فرماتے۔

کھانے کے دوران سر پر گول یا چارخانے والی ململ کی ٹوپی استعمال فرما
ننگے سر کسی حالت میں نہ رہتے ۔ چیت ، لباکھ ، جلیٹھ اور اساڑھ میں قمیص
اور واسکٹ زیب تن ہوتی ۔ قمیص اکثر مونڈھے اور کہنی کے درمیان میں
پٹہ دار سلائی والی ہوتی ۔ واسکٹ کے کناروں اور جیب پر طلائی
ہوتی ۔ جیبی گھڑی ، چاقو اکثر راجرس ۶ نمبر ۔ تین جیبیں ہوتیں ۔ عطر
کی شیشی اور الائچی بھی موجود ہوتی ۔

منگھر ، پوس (پوہ) مہماہ ، پھاگن میں گرم واسکٹ ۔ سفر میں
اگر سردی زیادہ ہو تو گرم شلوار ، گرم قمیص ۔ گرم واسکٹ ، اس کے
اوپر لمبا گرم کوٹ ہوتا ۔ سفر میں گرم رومال اور اس سے ریش مبارک ڈھک
دیا ۔ اسی طرح کان سردی سے محفوظ ہو جاتے اور گرد سے بھی محفوظ
اوپر صافہ ہوتا ۔ سر پر ریشمی لنگی اور کلاہ جس پر طلہ کا کام ہوتا تھا
صافہ باندھنے کا خاص انداز تھا ۔ جس کو عام لوگ پیر پٹھان کا صافہ کہتے
تھے ۔ سوتے وقت سرمہ ضرور استعمال فرماتے اور سر پر ٹوپی
بالوں کو محفوظ رکھنے والی استعمال فرماتے ۔ ڈائری بھی لکھتے ۔ سفر میں
سونے کی انگوٹھی اور قمیص کے گلے کے بٹن سونے کے جن میں فیروزہ جڑا
ہوتا ۔ اسی طرح سونے کے اسٹڈ استعمال فرماتے ۔ دوران سفر کار میں
جا نمازیں ، پیش امام ہمراہ ہوتے تاکہ نماز با جماعت ہوتی رہے ۔

اخلاق و عادات :-

اخلاق و عادات کے سنوارنے وال
کے اپنے اخلاق و عادات پر قلم اٹھانا

ب نہایت ہی جان کاہی کا کام ہے ۔

صوبہ سرحد، بلوچستان بلکہ افغانستان میں بھی لوگوں کے مقدمات فیصلے یا جرگہ میں آپ کو ثالث مقرر کیا جاتا ۔ آپ کے فیصلوں کو سب لوگ بخوشی مانتے ۔ تمام قسم کے تنازعات خصوصاً قتل کے مقدمہ جات شریعت کے مطابق فیصل فرماتے ۔ اور فریقین آپ کے فیصلوں کو قبول کرتے ۔

اگر بارش نہ ہوتی یعنی خشک سالی میں لوگ خشک کانٹے دار جھاڑی جن کو جھانکر کہتے ہیں آکر آپ کو زور سے مارتے ۔ اور خود بھی اس سے تنگ کرتے ۔ آپ اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرتے ۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ آپ نے دعا مانگی ہو اور بارش نہ ہوئی ہو ۔ مگر اب یہ طریقہ ختم ہو گیا ہے کہ بارشیں نامی ہوتی ہیں ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے خواجۂ دوسرا صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے جواباً ارشاد فرمایا تھا :۔

" کان خلقہ القرآن یعنی آپ کا اخلاق قرآن پاک کے تابع تھا ۔ قرآن پاک میں جو کچھ ہے اس پر آپؐ عمل فرماتے تھے ۔ اور یہی آپؐ کا اخلاق تھا ۔"

اسی سنتِ سنیہ کے مطابق مجھ سے حضرت خواجہؒ کے اخلاق کے متعلق پوچھا جائے تو میں اس کا یہی جواب دے سکتا ہوں "کہ سنت کی پیروی آپ کا اخلاق تھا ۔" غلط رسوم اور غیر شرعی باتوں سے حضور کو سخت نفرت تھی ۔

اخلاق کا اصل عنصر خلوص ہے۔ بلکہ خلوص کی حیثیت و ماہ
کے متعین کرنے میں نہایت سخت غلطیاں ہوتی ہیں۔ ہر شخص اپنے افعال
متعلق خیال کرتا ہے کہ خلوص پر مبنی ہے۔ ایک شخص کوئی قومی کام کرتا
اور نہایت جدوجہد اور سرگرمی سے کرتا ہے۔ خود اس کو و نیز ع
لوگوں کو اس کے کسی فعل سے محسوس نہیں ہوتا کہ اس میں خودغرضی کا کو
شائبہ ہے۔ لیکن جب اصلی موقع آتا ہے تو خودغرضی کا مخفی اثر ج
کی اب تک خود اس شخص کو خبر نہ تھی ظاہر ہوجاتا ہے۔

اخلاق کے بارے میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ انسان
اپنے افعال کی نسبت نہایت غور و تدقیق سے اس بات کا پتہ لگاتا رہے
کہ وہ کہاں تک خلوص پر مبنی ہے۔

حضرت مولانا روم نے خلوص کی ماہیت یا حقیقت نہیں متعین
کی گویا ایک معیار قائم کر دیا ہے۔ جس سے ہر شخص اپنے افعال کو مطابق
کرکے خلوص کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

از علیؓ آموز اخلاص عمل	شیر حق را داں منزّہ از دغل
در غزا بر پہلوانے دست یافت	زود شمشیرے برآورد و شتافت
او خدو انداخت بر روئے علیؓ	افتخار ہر نبی و ہر ولی
در زماں انداخت شمشیر آں علیؓ	کرد او اندر غزایش کاہلی
گشت حیراں آں مبارز زیں عمل	از نمودن عفو و رحم بے محل
گفت بر من تیغ تیز افراشتی	از چہ افگندی مرا بگذاشتی

آنچہ دیدی بہتراز پیکار من | تا شدی تو مست در اشکار من
آنچہ دیدی کہ چناں خشمت نشست | تا چنیں برنے نخود دبازجست
گفت امیرالمومنین ما آب خواں | کہ بہ ہنگام نبرد اے پہلواں
چوں خدو انداختی بر روئے من | نفس جنبیدہ وتبہ شد خوئے من
نیم بہر حق شدو نیمے ہوا | شرکت اندر کار حق نبود روا
تو نگاریدہ کف مولیستی | آں حق کردہ من نیستی

نقش حق را ہم بہ امر حق شکن
برز جاجہ درست سنگ دست زن

حکایت کا اصل یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے جہاد میں ایک کافر پر قابو پالیا اور اس کو تلوار سے مارنا چاہا۔ اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ نے ہاتھ روک دیا اور تلوار ہاتھ سے ڈال دی۔ کافر نے متحیر ہو کر پوچھا کہ یہ کیا عفو کا موقعہ تھا؟ آپ نے فرمایا :- میں تجھ کو خالص خدا کی رضا کیلئے قتل کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ تیرے تھوکنے سے میرے نفس کو ناگوار گزرا اور سخت غصہ آیا۔ جس پر خدا کی رضا کے ساتھ ساتھ میرے نفس کی خواہش بھی تیرے قتل پر آمادہ تھی۔ اس صورت میں خلوص نہیں تھا اس لئے میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔

خلاف شرع رسوم کے لئے یہ الفاظ آپ کو خانقاہی حلقے میں بمشکل کہیں ملیں گے۔ اور پھر یہاں صرف الفاظ ہی نہیں عمل بھی تھا۔ عورتوں کی بے پردگی، شادی بیاہ میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط اور باہمی رقص اسی طرح کی دوسری ایسی رسوم جو ہندوانہ تھیں حضور خواجہ صاحبؒ ہمیشہ ان سے منع فرماتے۔

اتقاء و اتباع شریعت کا اتنا پاس تھا کہ جہاں شائبہ بھی بدعت وخلاف سنت کا ہوتا اس سے منع فرمایا جاتا۔ حضرت علیؓ کے ساتھ محبت بذاتہ بڑی اچھی بات ہے مگر دوسرے حضرات سے زیادہ محبت کرنا خواہ وہ کسی وجہ سے ہو چونکہ موہم الی الرفض ہو سکتا ہے اس لئے اس سے روکنا ضروری سمجھا گیا۔ حق یہ ہے کہ یہی حضرات ہی شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے ستون ہیں اور ستون بھی فولادی جن پر بدعت کا کوئی حربہ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ (طالوتی)

وہ آج کل کے صوفیہ کی طرح صرف قوال ہی نہیں بلکہ فعال بھی تھے۔ گفتار کے نہیں کردار کے بھی غازی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور کے اخلاق و عادات کے بیان میں یہ تذکرہ آیا تاکہ سب کو معلوم ہو سکے کہ آپ کے اخلاق کا دارومدار کس نظریہ پر تھا؟ وہ اہل ظاہر کی طرح پورے طور پر شریعت کے پابند تھے اور اہل باطن کی پابندیاں بھی اپنے اخلاق و عادات پر لگا رکھی تھیں۔ وہ نفع و ضرر کو سوائے خدا کی ذات کے کسی کی طرف منسوب نہ کرتے تھے۔ وہ ہردم فکر و ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے۔ وہ دولت جمع کرنے کی بجائے اسے ہمیشہ خرچ کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔ یہ تھے حضور کے اخلاق اور یہ تھیں عادات۔ احکامِ شریعت سے سر مو تجاوز نہیں فرماتے تھے۔

پس اخلاق و عادات کا یہی ایک مرکزی نقطہ تھا جس کے گرد افعال و اعمال کے خطوط محیط تھے۔ اور یہی محور تھا جس کے گرد ذوقِ عمل کا چکر گھومتا تھا۔

جود و سخا

آپ کی سخاوت و کرم کا سلسلہ اس ابتدائی دور سے شروع ہوتا ہے جب آپ ابتدائی درس قرآن میں تھے

ع قیاس کن زِ گلستانِ من بہارِ مرا

بچپن سے لے کر بڑھاپے تک یعنی مہد سے لحد تک یہ عادت رہی کہ کوئی سوالی آپ کے آستان عالی سے خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔ اکثر جو کسی نے مانگا وہی اس کو دیا۔ گھوڑے اور وہ بھی اپنی سواری کے مع زین۔ مادھی مع بالکھڑا۔ بیل۔ بھینس حتیٰ کہ کاریں اور اس سے زیادہ اور کیا ہو اپنے بدن کے کپڑے تک اتار دئے

۱۹۳۸ء میں جب آپ پہلی بار حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوئے۔ (اس سے قبل آپ کی بیٹیاں تھیں۔ بیٹا نہیں تھا) ساتھ ہی فریضہ حج اور اللہ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیٹوں کی التجا۔ "جوڑا جیوی" دو بیٹوں کا فرزند ہو۔ اسی سال ۱۹۳۸ء اللہ کے کرم سے فخر پیارے اور ۱۹۳۹ء معین خان تولد ہوئے) روانگی سے قبل لاتعداد روپیہ غرباء مساکین میں بانٹا۔ سیکڑوں شادیاں کرائیں اور ہزارہا بندگان کی حاجت روائی فرمائی۔ شہر میں جس نے جو اور جس قدر مانگا آپ نے دیا۔ عرب پہنچ کر آپ کا ابر کرم اور جوش میں آیا۔ وہاں محتاج اور مساکین میں اور زیادہ روپیہ تقسیم فرمایا۔ واپسی پر بھی جدہ میں ایسے لوگ جمع ہوگئے جو بے خرچ تھے اور واپس اپنے گھروں کو آنا چاہتے تھے۔ ان کو جہاز کا کرایہ بلکہ ان کے گھر تک پہنچنے کا کرایہ لنگر سے دیا گیا۔ یہ سلسلہ صرف ۱۹۳۸ء کا نہیں بلکہ ہر بار آپ کا یہی وطیرہ رہا۔

اپنے درس کے علاوہ کتنے طلباء، یتیم، بیواؤں کے ماہوار وظائف

مقرر تھے۔ مقدمات میں گرفتہ لوگوں کو کرایہ و خرچہ لنگر سے دیا جاتا۔ مریضوں کے علاج کے مکمل اخراجات برداشت کئے جاتے۔ ہندوستانی مہاجروں نے جو مانگا سو پایا۔ حتی کہ ان کے جانوروں تک کے لئے چارہ و بھوسہ دیا گیا۔

اوقات کی ترتیب و پابندی

آپ تہجد کے بعد نماز فجر اول وقت پڑھتے۔ نماز فجر اور وظائف سے فارغ ہوکر آستانہ شریف میں عبادت خانہ میں تشریف لاتے۔ اگر کوئی حاجتمند ہوتا تو اس سے فارغ ہوکر نماز اشراق پڑھتے۔ بعدہٗ حرم تشریف لے جاتے۔ قدرے آرام کے بعد تقریباً نو بجے سردیوں میں گرم کمرہ میں اور گرمیوں میں حوض والے کمرہ میں اگر مہمان زیادہ ہوتے تو شیش محل کے درمیانی کمرہ میں چائے کا دور چلتا۔ آپ سبز چائے نوش فرماتے اور تمام مہمانان یا موجودہ افراد وزائرین کی تواضع ہوتی۔ حاجتمند اپنی درخواستیں اور معروضات پیش کرتے ادبی، علمی محافل ہوتیں۔ دوپہر کا کھانا مہمانان کے ساتھ۔ بعد میں قیلولہ فرماتے۔ نماز ظہر اول وقت اور نماز کے بعد دلائل الخیرات و تلاوت۔ نماز عصر کے بعد آستانہ اقدس میں۔ اسی طرح مریدوں اور حاجتمندوں کا جمگھٹا رہتا۔ پیارے فرزند معین خان تشریف لے آتے۔ یہ سلسلہ مغرب سے قبل تک رہتا۔ نماز مغرب کے بعد نوافل کا سلسلہ عشاء تک۔ عشاء کے بعد محفل شب طویل تر ہوتی جو حسب حال و ضرورت جاری رہتی۔ سبز چائے کے دور چلتے۔ دوستوں میں ادبی مجلس ہوتی اور خاصی طویل ہوتی۔ اس کے بعد رات کا مختصر کھانا تناول فرماتے اور آرام فرماتے۔ شہد کا استعمال ضرور ہوتا۔ نوالہ اکثر اوقات

آپ بیٹھے ہوئے اصحاب کے منہ میں دیتے ۔ ہر چیز دسترخوان سے اٹھا اٹھا کر
ان کے آگے رکھتے ۔ لسوڑے کا اچار پسند فرماتے ۔ پانی آپ ہمیشہ تونسہ شریف
کے کمہاروں کی بنی ہوئی لوٹیا میں پیتے ۔

آداب مجلس :- آپ ہمیشہ مزارات کی طرف منہ کر کے بیٹھتے عرس کے موقعہ پر آپ کے بائیں حضرات سجادہ نشینان
گدی نشینان و حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کی اولاد ہوتی ۔ اور حسب مراتب
نشست ہوتی ۔ آپ کے بائیں بھی اولاد شاہ محمد سلیمانؒ و دیگر پیر بھائی
سب اپنے اپنے مرتبہ اور ترتیب کے ساتھ ۔ مجلس میں چوبدار انتظام کے لئے
ہوتے اور وہ آنکھ کے اشارہ سے چلتے ۔ آپ کی نظر ہر
صاحب مجلس پر ہوتی ۔

قوال :- پہلے تونسہ شریف کے جو حمد و نعت سے مجلس کا آغاز کرتے ۔ مہار شریف ، مولانا فخرؒ کے قوال ، پاک پتن
شریف والے ، اجمیر شریف والے یوں ترتیب ہوتی ۔

مجلس میں اگر حضرت خواجہ قیصر میاں (اورنگ آباد شریف)
اور حضرت خواجہ محمود بخش (مہار شریف) ہوتے تو آپ اپنی گردن تک
اونچی نہ فرماتے ۔ ان حضرات کے سامنے دست بستہ بیٹھتے ۔ ادب انتہا
کو تھا ۔ اگر قوال کوئی لفظ غلط یا بے ترتیب استعمال کرتا تو پہلے آپ
سمجھاتے دوبارہ غلطی پر چپ کرا دیتے ۔ ہر وقت استغراق کا عالم ہوتا ۔
اسی طرح دیگر مجالس مثلاً ادبی محافل میں شعر و اشعار

تنقیدات بر اشعار، اردو، عربی، فارسی بڑے بڑے صاحب ادب
آپ کے حضور دم نہ مار سکتے۔ حضرت حیرت وارثی و دیگر عنبر وارثی
وغیرہ اپنے اپنے کلام سناتے۔

میلاد شریف کا اہتمام بڑی شدومد سے ہوتا۔ اور یہ سلسلہ
اکثر جاری رہتا۔ قیام فرماتے۔

حضرات چشتیہ کے ہر عرس کی تقریب کی خیرات بانٹی جاتی
لنگر سے طلبائے درس و دیگر غربا و مساکین کے کھانے کا اہتمام ہوتا جو جاری
جاری رہتا۔ آپ ہمیشہ دوزانو بیٹھتے۔

زیارات

۱۹۳۸ء میں حضور نے پہلا حج اور زیارت فرمائی
آخری حج ۱۹۶۴ء میں ادا فرمایا۔ درمیانی عرصہ میں
ہر سال نہ سہی تو ہر تیسرے سال عمرہ و زیارت سے سرفراز ہوتے رہے
علاوہ ازیں عراق میں نجف اشرف، کربلا معلٰی اور بغداد شریف بھی
تشریف لے گئے۔ اجمیر شریف، دہلی شریف، احمد آباد شریف
اورنگ آباد شریف ہر سال تشریف لے جاتے۔

عرس حضرت بابا گنج شکرؒ و حضرت قبلہ عالمؒ مہاروی قضا نہ
فرماتے۔ اسی طرح چشت شریف بھی زیارت کے لئے تشریف فرماتے۔

حضرت خواجہ کی شادی مبارک

۱۱ر مارچ ۱۹۲۶ء بمطابق ۲۶ر شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ نواب زمان خان
یزئی آف ڈیرہ اسمٰعیل خان کی دختر سے شادی ہوئی۔ ہندوستان
بھر کے نوابان، روٴسا مثلاً نواب آف لوہارو، نواب کنج پورہ، تمن داران
یرہ غازی خان، نوابانِ ملتان و مظفر گڑھ۔ ہندوستان بھر کے گدی نشینان
ر مہر علی شاہ اور آپ کے فرزند غلام محی الدین آف گولڑہ شریف، اجمیر شریف
ہلی شریف، اورنگ آباد شریف، احمد آباد، ہانسی شریف، پاک پتن شریف
ہار شریف، مکھڈ شریف، ملتان شریف، کوٹ مٹھن شریف، حاجی پور
شریف، سیال شریف، لیال شریف سب مدعو تھے۔

ہندوستان کے مشہور و معروف قوال بلائے گئے۔ جنھوں نے
اپنے فن کے جوہر دکھائے۔ ملتان سے خصوصی ٹرین دریا خاں تک۔
جہاں ڈیرہ غازی خان اور تحصیل سنگھڑ سے بھی ہزاروں غلاموں نے
شرکت کی۔

انتظام نواب احمد یار خان خاکوانی (حضرت خواجہ رحیم کے ماموں
اور احمد و وزیر (جو انتظامی معاملات میں یکتائے زمانہ تھے) کے ذمہ تھا۔
ٹرین سے اتر کر پل دریا اور ڈیرہ اسمٰعیل خان تک لاریوں اور کاروں کی
قطاریں ایسی تھیں کہ پہلی گاڑی ڈیرہ میں تھی تو ادھر ریل سے سواریاں اتر
رہی تھیں۔ یہاں لفظ شمار یا گنتی شرمندہ تھا۔

حضرت خواجہ رحیمؒ مٹھیاں بھر بھر کر روپے اور اشرفیاں لٹا رہے تھے۔ ایک د
کو ایک مٹھی ملی جس میں دس اشرفیاں اور بیالیس ۴۲ روپے تھے۔ ڈیرہ کو دلہن کی
طرح سجایا گیا تھا۔ ڈیرہ والے کہتے تھے کہ یہ سماں کبھی ڈیرہ اسمٰعیل خان والوں
نہیں دیکھا تھا۔

سہرا

زیب سر تو نے کیا ہے شہہ خوباں سہرا
بن گیا فرط طرب سے گل خنداں سہرا

آپ کے چہرے سے ہے نور برستا ہر دم
ہو رہا ہے فخرِ خداداد یہ نازاں سہرا

بزم شادی ہے بڑے شاہ نظام الدینؒ کی
جوشِ شادی سے بنا خسروِ خوباں سہرا

واہ وا پھولوں کی خوشبو سے معطر ہے دماغ
اس پہ کیا شبہ کہ ہے رشک گلستاں سہرا

باغِ عالم میں بزرگوں کا تقاضہ یہ ہے
بھیجیں فردوس سے اک شاہ سلیمانؒ سہرا

نام میرا بھی لکھا جائے گا مداحوں میں
بزمِ عالی میں جو دیکھیں گے سخن داں سہرا

قصیدہ

ہزار شکر کہ وہ ساعتِ سعید آئی

تمام خلق تھی جس کے لئے تمنائی

چمن میں سبزہ و گل کا عجیب عالم ہے

بہار دیکھنے خود رونقِ بہار آئی

چمن میں پھول ہیں پھولوں پہ گوہر شبنم

فلک نے تاروں بھری رات کی قسم کھائی

نہ دیکھی چشم فلک نے کسی زمانہ میں

شب برات میں جس شان سے برات آئی

ہزار شکر خدا کا کہ آج وہ دن ہے

گلاب و لالہ و نرگس ہوئے تماشائی

جناب حضرت محمودؒ کے بڑے فرزند

عیاں ہے جن کی جبیں سے ہی شان رعنائی

جمال یوسفی ہے اور جوان صالح ہیں

انہی کی شادی کی ہے آج بزم آرائی

جناب حضرت والا نظام الدینؒ صاحب

ہمیشہ فرحان و شادمان مثال آبائی

کروڑ مبارک کروڑ ملے سے

بلوچ کہتے ہیں جس کو ہے شکل سودائی

یہ عرض کرتا ہے خدمت میں اے تمہہ والا

بحالِ زارِ غریباں نظر بفرمائی

لکھوں میں شعر کسی کا جو برمحل آیا

ہوا ہوں اس کی لطافت پہ دل سے شیدائی

بیاد آر غریباں دشت پیمائی را

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی

بنامِ پاک بزرگاں آباؤ اجداد

بحالِ بندۂ مسکیں کرم بفرمائی

(محمد بخش حسب موج مدنی)
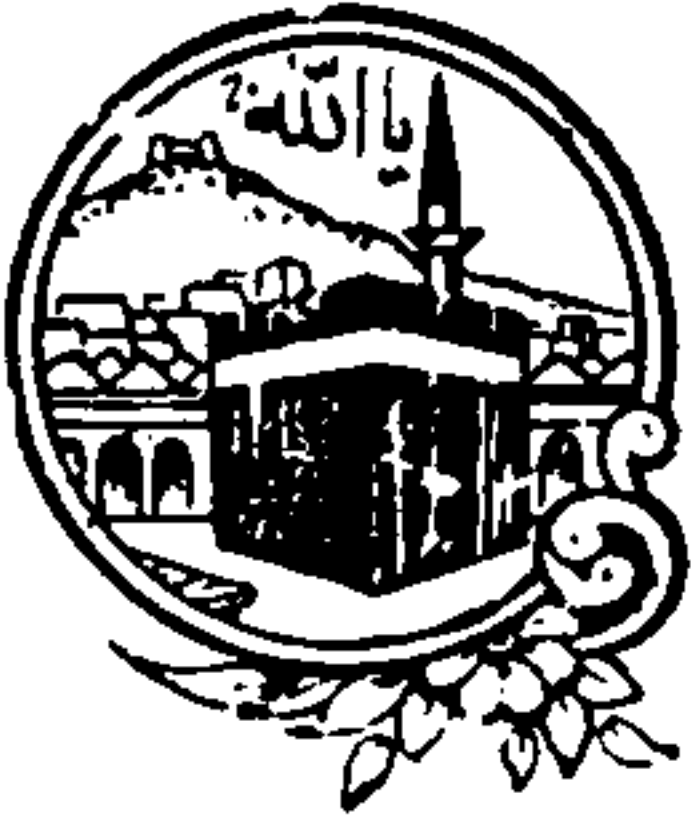
حضور خواجہ ملت کا پہلا حج

حضور رحیمؒ کے وصال کا صدمہ میرے پیرومرشد پر اس قدر ہوا کہ آپ اکثر بے ہوشی کے عالم میں ہوتے۔ بعض اوقات تو آپ پر دروازے بند کر دیئے جاتے۔ دنیا کی سوجھ بوجھ بالکل ختم ہو گئی۔ راتیں روضۂ اقدس کے اندر گزارتے۔ خود جھاڑو دیتے۔ یہ سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔

۱۹۳۸ء میں حج بیت اللہ کا اعلان فرمایا۔ عقیدت مند ہمراہی کے لئے اکھٹے ہوتے گئے۔ جو جس نے لنگر میں دیا یا نہ دیا۔ چار سو حجاج کا قافلہ بن گیا۔

منتظمین میں نواب در محمد خان خاکوانی اور نواب زادہ حمید اللہ خان علیزئی (ڈپٹی ایم جی) تھے۔ نوکروں کے دو گروپ تشکیل دیئے گئے۔ ایک گروپ صبح کا کھانا تیار کرتا اور دوسرا شام کا۔ اسی طرح رمضان شریف سفر میں گزرا۔ سحری وافطاری کا مکمل انتظام تھا۔ مولوی غلام علی بھی ہمراہ تھے۔ کھانا بانٹنے اور ہر قسم کا باقی انتظام ان کے ذمہ تھا۔

سمندری اثر (Sea Sickness) سوائے حضور کے سب پر ہوا۔ اکثر دوست کافی وقت تک بے ہوش رہتے۔ جہاز جدّہ کی بندرگاہ پر پہنچا تو مسرت وشادمانی کا عجب حال تھا۔ دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔

دوستوں نے کہا!

"آپ اور دیوانگی؟"

فرمایا:۔

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ۔ میرے خالق کا گھر اور میرے سرکار کی نگری قریب آ رہی ہے ۔ آدم و حوا کی ملاقات ۔ پیغمبروں کے چکر و طواف ۔ مجھے ان کی زیارت کا شرف حاصل ہو رہا ہے ۔ اب ہوش کی کیا مجال کہ میرے پاس رہے۔"

اللہ کے گھر تک جھومتے ہوئے پہنچے ۔ دعائیں قبول ہو چکی تھیں دل کی حسرتیں نکال کر جو خوب نکلیں مگر پھر بھی کہاں نکلیں ۔ اوپر دیکھتے نیچے دیکھتے ادھر ادھر بس سب مست جا رہے ہیں ۔ اور جو دل میں آتا ہے کہے جا رہے ہیں ۔ کبھی دروازہ سے لپٹے کبھی دیواروں سے ۔ کبھی حجر اسود کو چوما کبھی رکن یمانی کو ۔ کبھی میزاب رحمت کو ۔ کبھی مقام ابراہیم پر نوافل ۔ کعبہ کی طرف منہ کر کے زم زم پیا ۔ اس قدر پیا کہ تمام جسمانی کلفتیں، تکالیف، الجھنیں، تھکن، اداسیاں دور ہو گئیں ۔ اور پھر "سعی" ۔

اس کے بعد اس شہر کی طرف روانہ ہوئے جسے مدینۃ النبیؐ کہتے ہیں ۔ جہاں اللہ کا وہ محبوب جس نے خالق کا نام بلند کیا ۔ اس کا پیغام زمانہ تک پہنچایا ۔ پیغمبری کا حق ادا کیا ۔ نہ ایک لفظ زائد نہ ایک لفظ کم ۔ جو کہا اس پر عمل کر کے دکھایا ۔ قرآن کا عملی نمونہ پیش فرمایا ۔ حضرت عائشہؓ کے الفاظ میں حضورؐ کی سیرت کیا ہے، بس قرآن ۔ ایک قرآن الفاظ کے اندر موجود ہے اور دوسرا قرآن نوری جسم میں موجود ۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے ۔ اس لئے الفاظ بھی جوں کے توں اور اس پر عمل کرنے والے کا ایک ایک سانس ایک

لمحہ ایک ایک ادا بھی محفوظ ۔ وقت قرآن عزیز ناطق کو دلوں سے نکال سکا نہ قرآنِ
حق کو اور پھر جو ادا جو ضرورت ناقابل حل نفی فوراً جبرائیل پہنچاتا رہا ۔
جھجکتے جھجکتے قدم بڑھائے ۔ آنکھیں اس قدر گھبرائیں کہ رونا بھول گیا ۔
دل کو اپنا ہوش تھا نہ آنکھوں کو ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سنبھلنے یا سنبھالنے کی
فت ہی نہیں رہتی ۔ ہر شخص کا عالم جداگانہ تھا ۔ ہر ایک لذتوں کے سمندر میں
وطہ زن تھا ۔ سکتے میں ہچکیاں بندھ رہی تھیں ۔ آہیں امڈ رہی تھیں ۔ ضبط کے
ذمن ٹوٹ رہے تھے ۔ قرار لٹ رہا تھا اور قرار مل رہا تھا ۔ یہ بات اب تک
مجھ میں نہیں آئی کہ جبین نصیب ہوا ہے یا بے جبینی عطا کی گئی ہے ۔

اس موقعہ پر دو مرتبہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے ۔ ایک
رتبہ مولوی غلام علی ہمراہ تھے دوسری بار محمود خان کا نجو ۔

اس زمانہ میں سڑکیں زیادہ نہ تھیں ۔ لاریاں ریت میں دھنس جاتیں
تو لکڑی کے تختے بچھا کر ان پر ایک دوسرے کے لاریوں کے پہیئے چڑھائے جاتے یوں
وہ ریت کا سفر طے کرتیں ۔

آپ جتنی بار حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حاضری کو جاتے اتنی بار
جنت البقیع جاتے ۔ نماز تہجد سے پہلے دروازہ کھلتے ہی مسجد نبوی میں کسی
حد تک جھاڑو دیتے ۔ باب جبرائیل سے داخل ہوتے اور تنگ گلی میں پیروں کی
طرف درمیانی ستون کے پاس نیچے کو بیٹھتے ۔

آپ اکثر حج اور زیارت رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو ہر سال نہ سہی
تو تیسرے سال ضرور جاتے ۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ایک لاکھ روپے

سے زیادہ خیرات کرتے۔

۱۹۵۸ء میں حج کے لئے روانہ ہوئے۔ تونسہ شریف تا چوکی والہ راستہ صاف نہ تھا۔ گھوڑوں پر سوار چوکی والہ پہنچے۔ احمد خان خادم لنگر شریف کو بلایا فرمان ہوا۔

"حج پر جا رہا ہوں صرف پانچ روپے جیب میں ہیں۔ لنگر کو دیکھتے رہنا۔ اس وقت خرچ کے لئے کچھ نہیں مل سکتا۔"

یہ سب کہنے کی باتیں تھیں۔ لنگر چلتا رہا جس طرح حضور کی تونسہ میں موجودگی پر چلتا تھا۔

ایک سال حکومت کے پاس اناج کم ہو گیا۔ اور ذخیرہ اندوزی پر چھاپے پڑ رہے تھے۔ لنگر نظامیہ پر بھی پولیٹیکل اسسٹنٹ نے آ کر چھاپہ مارا۔ تمام کمروں کے دروازے کھول دئے گئے۔ لنگر میں جو کچھ موجود تھا دکھلایا۔ صاحب بہادر نہ مانا کہ اتنا بڑا لنگر! اس قدر خرچہ اور راشن کم خالی! بتلایا گیا کچھ دیر انتظار کریں کہ لنگر کس طرح چلتا ہے۔ کہیں سے آٹا کہیں سے چاول لدے ہوئے آ رہے ہیں۔ دیکھ کر حیران ہوا اور بندگانِ خدا کی متوکلانہ زندگی پر رشک کرنے لگا۔

اس زمانہ میں چینی، زردے کا رنگ اور مصالحہ نایاب تھے۔ مگر لنگر کے لئے جب بھی ضرورت پڑتی بوریاں بھر کر لاتے اور گھی ٹین کے ٹین اکٹھے ہو جاتے۔

سفرِ حج میں حضور کے ہمراہ والدہ حضرت خواجہ محمد امین صاحب مہاروی رح

ہیں ۔ پی آئی اے کی اطلاع پر کراچی پہنچے ۔ مگر دس دن تک روانہ ہو سکے ۔ نواب زادہ حمید اللہ نے پی آئی اے پر خرچہ کا دعویٰ کر دیا ۔ چونکہ ۸۰ آدمی دس دن سے پی آئی اے کے بلاوے پر کراچی میں بلا وجہ پریشان ہو رہے تھے ۔ پی آئی اے کا عملہ سخت پریشان ہوا ۔ یہ معاملہ کئی لاکھ کا تھا ۔ محمد اعظم خان خاکوانی بھی ہمراہ تھے ۔ موسن شاہ بکھڑی والا بھی حج کے لئے کراچی آیا ہوا تھا ۔ اسے ٹکٹ نہیں مل رہا تھا ۔ بیچارہ پریشان تھا ۔ کوشش میں تھا کہ کسی طرح ٹکٹ مل جائے ۔

آپ نے فرمایا :۔

" اگر موسن شاہ کو ٹکٹ دے دیں تو ہم دعویٰ واپس لیتے ہیں ۔"

پی آئی اے نے اس بات کو تسلیم کر لیا اور موسن شاہ بھی ہمراہ ہو گئے ۔

پھر ایک دفعہ حجاز مقدس کا بلاوا آیا ۔ عطائی صاحب مرحوم بھی ہمراہ تھے ۔ آپ کے ساتھ ۹ مسافر تھے ۔ واپسی پر جدہ میں شامی ہوائی کمپنی سے تاریخ لی ۔ جدہ سے دہران پہنچے ۔ مگر شامی جہاز نشستیں نہ رکھ آیا ۔ اور قریب ہی تاریخ پر حضور اعلیٰ کا عرس تھا ۔ اس میں آپ کی عدم شرکت تکلیف دہ ہو رہی تھی ۔ حضور انتہائی جوش میں آ گئے اور فرمایا :۔

"میں سلیمان ہوں ۔ میں سلیمان ہوں ۔ میں سلیمان ہوں ۔"

اسی روز برطانیہ کی ہوائی کمپنی کا جہاز آیا ۔ جس میں اتنی نشستیں خالی تھیں ۔ آپ تین بجے شام تونسہ شریف پہنچے ۔ پانچ صفر کی پہلی روز کی مجلس رکی ہوئی تھی ۔

آپ ایک دفعہ حجاز مقدس حج پر تھے ۔ منیٰ کا مقام اور حا
محمد بخش عربی قوال موجود تھا ۔ دوستوں نے اصرار کیا کہ آہستہ سے
مگر حضور کی آنکھ نہ کھلے ۔

"اج رات رہ پو سانگا خدائی ہے

متاں دل نہ ٹکروں جنڈری پرائی ہے"

حاجی محمد بخش عربی کہہ ہی رہا تھا کہ حضور نے فرمایا ۔ محمد بخش
کھل کر کہو ۔ بس پھر کیا تھا ۔ وہ سماں بندھا کہ ہر آنکھ سے اشک جاری
(۱۹۷۶ء میں' میں اور میرے ساتھی حج پر گئے ۔ سردار اسمٰعیل خا
حیدرانی ' سردار سیف اللہ خان حیدرانی اور محمد صدیق خان حیدرانی
شادن لنڈ ساتھ ہیں ۔ ساتھ ہی محمد بخش عربی قوال بھی ۔ اس سے مقام
وہی "اج رات رہ ..... الخ قوالی سنی حضور والا سا سماں یاد آگیا)

ایک دفعہ آپ حجاز اقدس اور ہمراہ حضرت محمد امین صاحب مہاروی
(آپ کے بھانجے) تھے ۔ قسمت کی بات کہ مدینہ شریف میں محمد امین پیار
کی طبیعت خراب ہو گئی ۔ اور اس قدر خراب کہ دماغی عارضہ لاحق ہو گیا
علاج کے لئے حضور پاکستان لائے ۔ لاہور میں ماہرین سے علاج کرایا
اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی ۔

حضورؒ کا آخری ظاہری حج

حضرت پیارے ابونصر فخرجہاںؒ معہ اہل پردہ ۱۹۶۴ء کے رمضان شریف میں برائے حج و زیارات تشریف لے گئے اور حضور اکثر یاد فرماتے ۔ ہر مجلس میں دعاؤں کا فرمان ہوتا اور ذکر واذکار فخرجہاں کا ہوتا ۔ تاریں، خطوط کا تبادلہ ہوتا رہتا ۔ مگر دوری گوارا نہ تھی ۔

۷ اپریل ۱۹۶۴ء منگل کی شام حضور فرید آباد ہمراہ حضرت معین خانصاحب تشریف فرما ہوئے ۔ (میں حضور کا ادنیٰ غلام ان دنوں بیمار تھا اور اپنے زرعی علاقہ فرید آباد میں قیام پذیر تھا) قدم بوس ہوا ۔ میری حالت زار دیکھ کر فرمایا :-

"تم علاج کیوں نہیں کراتے ؟"

عرض کیا :-

"حضور کا حکم ہے تو حاضر ہوں ۔"

فرمایا :-

"علاج کے لئے کہاں جاؤ گے ؟"

میں نے عرض کیا :-

"لاہور"

فرمایا :- "ملتان کیوں نہیں ؟"

عرض کیا :- "اگر حکم ملتان کا ہے تو حاضر ورنہ تعلقات ... لاہور میں زیادہ ہیں"

فرمان ہوا :- "کل بدھ ہے تم نہیں جا سکتے ۔ پرسوں روانہ ہو جاؤ ۔ میں حج

پر جا رہا ہوں "

پیارے معین خان نے فرمایا " کہ سردار شیر احمد خان صاحب ملھیزئی کے مکان پر ملتان مل کر جانا "

۹ر اپریل ۱۹۶۴ء بروز جمعرات علی الصبح فرید آباد سے ملتان روانہ ہوا۔ اس روز تکلیف زیادہ تھی۔ سردار شیر احمد خان کے مکان پر پہنچا۔ معین خانصاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے تعویذ گلے میں ڈالنے اور پینے کے لئے عطا فرمایا۔ اسی روز لاہور پہنچا۔

ڈاکٹر محمد افضل صاحب پروفیسر اناٹومی میو ہسپتال لاہور سے ملا۔ وہ میرے پرانے مہربان استاد تھے۔ میری حالت دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔ البرٹ وکٹر میں داخلہ کرا دیا۔ میری حالت تو تعویذوں سے درست ہونے لگی تھی۔ چار پانچ روز بعد ڈاکٹر صاحب بھی حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ میری حالت حضور کے گوش گذار فرما دینا۔ چونکہ وہ مطمئن ہو چکے تھے۔

سات دن تک تعویذ پینے کے لئے تھے۔ ۱۸۔ اپریل ۱۹۶۴ء کو سارے ٹیسٹ پورے ہو گئے۔ بتلایا کوئی تکلیف ہی نہیں۔ مجھے ہسپتال سے فارغ کر دیا گیا۔ میں نے اپنی صحت اور حضور کے حج مبارک کا تار بھیجا۔ (لاہور بھیجنا اپنے آپ کو چھپانے کا بہانہ تھا ورنہ علاج خود فرما چکے تھے)

۲۳ رمئی ۱۹۶۴ء دسویں محرم پیارے فخر جہاں واپس تشریف لائے۔

۴ رجون ۱۹۶۴ء کو حضور کراچی تشریف لائے۔ ہمراہیان اور خدام کو حکم ہوا تم گھر جاؤ۔ میں آ جاؤں گا۔

آپ کراچی سے احمد پور شرقیہ تشریف لائے ۔ عبدالمجید خاکوانی فوت ہو چکے تھے ۔ ان کی فاتحہ خوانی کو رکے پھر ملتان روانہ ہوئے ۔ اسی شام ملتان میں سیاہ آندھی آئی ۔ دن رات میں تبدیل ہوگیا ۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا ۔

۶ رجون ۱۹۶۴ء ہفتہ اور اتوار کی درمیانی شب ایک بج کر چالیس منٹ پر سردار شیر احمد خان ملغزئی کے مکان پر حضور تشریف لائے ۔ تمام عقیدت مندان اور حضرت خان صاحب منتظر تھے ۔ آپ نے عبدالمجید خان خاکوانی سکنہ احمد پور شرقیہ کا قصہ خود فرمایا ۔ کسی کو اطلاع نہ دینا تاکہ میری وجہ سے کوئی تکلیف نہ اٹھائے ۔

حضرت پیارے فخر جہاںؒ مع اہل پردہ اور حضور کا تشریف لے جانا دراصل سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے نصر صاحب کے مانگنے کا بہانہ تھا ۔ پیارے فخر جہاںؒ نے عرصہ ہی سے اپنے نام سے پہلے ابو نصر تحریر فرمالیا تھا ۔

۴ رجنوری ۱۹۶۵ء ، ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ ، ۱۲ ربوہ سمت ۲۰۲۴ بروز پیر مبارک بادی کے شادمانے اور میرے مرشد کی دعاؤں کا ثمرہ فتح کی شکل میں آیا ۔ (نصر صاحب پیدا ہوئے)

عطائے خلافت

مرشدم حضور نظامؒ کا سال پیدائش ۱۹۰۸ء ہے ۔ آپ علوم ظاہری سے فارغ ہوئے تو آپ کے والد حضور رحیمؒ نے تعلیم روحانی سے مستفید فرمایا ۔ آپ کو جودتِ طبع اپنے پدر بزرگوار سے ورثہ میں ملی تھی ۔

حضور رحیمؒ حبب حسب موقعہ کسی مصنف کے کلام سے مثال دیتے اور تقاضائے عمر فراموش ہو جاتے تو حضرت نظام الدینؒ والا جاہ کی طرف دیکھتے اور ارشاد ہوتا حالانکہ مجلس میں اہل علم اور اساتذہ حضرت نظامؒ موجود ہوتے۔ مگر میرے پیرو مرشد کا حافظہ عقدہ کشائی فرماتا۔ اور حضور رحیمؒ مسکرا دیتے۔

آپ کی تعلیم مولوی احمد صاحب سے شروع ہوئی۔ اور مولوی علی گوہر صاحب سے تکمیل کو پہنچی۔ طرز تحریر، طرزِ گفتگو، حسنِ اخلاق اپنے والدِ بزرگوار سے ورثہ میں پایا۔

حضرت رحیمؒ قادر پور تیار تھے کہ آستانہ متبرکہ میں حاضر ہو کر تبرکات منگوائے۔ کلاہِ حضرتِ اعلیٰ میرے پیرو مرشد کے سر پر رکھی اور خلافت عطا فرمائی۔ اس وقت تمام علماء، فضلاء اور درویش آستانہ پر موجود تھے۔ اگرچہ بیعت کی اجازت حاصل ہو گئی تھی مگر میری سرکار نے اپنے والد کی موجودگی میں یہی مناسب سمجھا کہ تمام لوگ والد صاحب سے اپنے دل کو روشن کریں۔

دوسرے فرزند صاحبزادہ نصیر الدین صاحب دسمبر ۱۹۱۲ء میں تولد ہوئے۔ تیسرے حضرت خواجہ قطب الدین صاحب ہیں۔

زندگی کا حقیقی مشن:۔ مرشدم کی زندگی عفت، زہد، تقویٰ اطاعت، عبادت، جوع، فاقہ مسکنت، قناعت، مروت، فتوت، دیانت، صیانت، امانت، مہر تہجد، خضوع، خشوع، تواضع، تحمل، عفو، اغماض، اشفاق

ایثار، اطعام، اکرام، احسان، اغراض، اخلاص، صدق، صبر، سکوت، علم، رضا، حیا، جود، سخا، خوف، ریاضت، مجاہدہ، مراقبہ، موافقت، مرافقت، مداومت، توحید، تہذیب، تجرید، تفوید، تعزید، وقار، مدارات، عنایات، رعایات، شفقت، قناعت، لطف، کرم، تشکر، فکر، ذکر، حرمت، ادب، اعتصام، احترام، طلب، رغبت، غیرت، عبرت، بصیرت، حکمت، ہمت، معرفت، حقیقت، خدمت، تسلیم، تفویض، توکل، یقین، فنا، استقامت، اور حسنِ اخلاق۔

حقیقی مشن تبلیغ اسلام، اشاعتِ اسلام، درس اسلام اور تحفظ اسلام تھا۔ مختلف قسم کے لبادے اوڑھ کر اسلام کے نام پر نئے نئے فتنے بپا کھڑے کرنے والے سادہ لوح مسلمانوں کو عیسائیت، شدھی، مرزائیت وغیرہ کے سبز باغ دکھا کر حلقہ دام میں لانے والوں کے خلاف جنگ جاری رکھی۔

اسلام کے خلاف تو ابتدا ہی سے جنگ شروع ہو گئی تھی۔ یہودیوں کی سازشیں، شیطان کا اسلام پر حملہ اور پھر مرزائیت کا زور غریب و سادہ لوح مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسا رہے تھے۔ میری سرکار نے اس خطرناک حملہ کا پوری جرأت اور طاقت کے ساتھ مقابلہ کیا۔

انگریز فرنگی ہندوستان میں آیا تو اس کو سب سے زیادہ کھٹکا اسلام کا تھا۔ حکم دیا جو انگریزی پڑھے سینکڑوں تنخواہ اور جو اسلامی درس

میں ہو وہ در در کے ٹکڑے مانگ کر گزارہ کرے ۔ (انگریز اسلام و تعلیم اسلام کی بیخ کنی کا طریقہ یہی سمجھے)۔ اسلام سلامتی ہے اور اس کا ضامن اللہ تعالیٰ خود ہے ۔ انگریزوں نے سینکڑوں سال حکومت کی مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے

خانقاہوں سے علم کے چشمے پھوٹتے رہے ۔ تونسہ شریف میں حضرتِ اعلیٰ شاہ سلیمانؒ کا درس ایک یونیورسٹی کے پائے کا درس تھا آپ کے بعد حضرت رحیم محمودؒ نے مکھڈی بنگلہ میں جہاں حضرت مولانا علی گوہر اور احمد جراح وغیرہ بڑے اساتذہ تھے ۔ یہ سب مرشدم کے بھی اساتذہ تھے ۔ حضور رحیمؒ نے ۱۲½ مربع رقبہ اس اسلامی مدرسہ کے اخراجات کے لئے وقف کر دیا ۔ اب یہ مدرسہ مسجد محمودیہ کے ساتھ وسیع و عریض عمارت میں منتقل ہو گیا ہے ۔ اور اس کے نگرانِ اعلیٰ مولانا خان محمد خان ہیں ۔ ہر دور میں خود سجادگان بھی درس دیتے رہے ۔

کراچی میں مشائخ کانفرنس

۲۴ ر نومبر سنہ ۱۹۶۲ء کو کراچی میں مشائخ کانفرنس کی صدارت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے کی تھی ۔ اور مرشدم کو دعا کے لئے کہا گیا ۔

آپ نے محمد ایوب خان سے کہا کہ اگر تم اسلام اور قانون اسلام کی ترویج، اشاعت و نفاذ لاؤ گے تو تمہاری نجات اسی میں ہے ۔ یہ عہدہ و مرتبہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت ہوا ۔ مخلوقِ خدا کی خدمت

حضرت خواجہ غلام نظام الدینؒ کل پاکستان مشائخ کانفرنس میں دیگر مشائخ کرام کے ہمراہ

[illegible]

ور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرو۔ تمہارے افعال و
عمال اسلام کے مطابق ہوں گے تو قوم خود بخود وہی کرنے لگے گی۔

ملوکیت کا دور جب شروع ہوا تو معاشرہ کو گذشتہ تمام
ادوار کی تمام خرابیاں اور اچھائیاں ورثہ میں ملیں۔ شخصی حکومت اگرچہ خلافت
کہی جاتی رہی۔ مگر اس کی ساخت علی منہاج النبوت سے کوئی مماثلت ہی نہیں
تھی۔ صحیح علوم و فنون، سائنس اور حکمت میں مسلمانوں نے ترقی کی مگر
تقویٰ و پرہیزگاری کے جو چشمے قرون اولیٰ میں جاری ہوئے وہ گدلے
ہوتے گئے۔ علماء اور صوفیا کرام کا گروہ جس نے تزکیہ و تطہیر نفس کا
فرض اپنے ذمہ لیا تھا وہ بھی آپس کے جھگڑوں میں الجھ کر رہ گئے۔
اپنے فرائض جہاد اور تبلیغ کو اپنے اپنے مقصد اور مطلب اور لالچ کے
مطابق جائز بناتے گئے۔ اور غافل ہوتے گئے۔ حضرت حسن بصری اور
جنید بغدادی کے تربیت یافتہ جانے کہاں کھو گئے۔

ملوکیت کے دور میں علماء، فقہا، محدثین، متقلمین اور صوفیاء
کے گروہوں پر امراء اور خود ساختہ حاکموں نے اپنے اقتدار کے نشہ میں
ہر قسم کا تشدد بھی روا رکھا تاکہ ہماری حاکمیت پر ایمان لاؤ۔ قید و بند
کی صعوبتیں اور سر بازار ذلیل اور سولیاں بھی دی گئیں۔ مگر ان کے عزم و
استقلال میں فرق نہ آیا۔ اور نہ کوششیں مدھم ہوئیں۔

حضرت شیخ معین الدین اجمیریؒ جیسے بزرگوں نے اسلام
کی تبلیغ کے لئے کوششیں تیز تر کر دیں۔ مسلمانوں کو یکجا کیا جس کا

مفہوم تھا کہ مسلمان متحد ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور آپس کی
پھوٹ سے بچیں۔ اگر ہماری بے راہروی کا یہی حال رہا تو ڈر ہے کہ نئی نسلیں
اسلام سے بددل ہو کر بے دین ہو جائیں گی۔ اگر انگریزی تعلیم یافتہ لوگ
پچھلے سو سال میں بے دینی کی طرف مائل ہوئے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ
ہم نے اسلام کو موجودہ زمانے کے حالات پر چسپاں کر کے نہ دکھایا۔

سلطنت کی مثال ایک گھر کی طرح ہے۔ سربراہِ سلطنت ا
گھر کی بڑے کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ گھر کا بڑا جیسا ہوگا وہ گھر اسی طرز ا
نوعیت کا ہوگا۔ اگر گھر کا بڑا حقہ، سگریٹ، شراب وغیرہ پیئے گا تو اولاد
اسی عادت میں مبتلا ہوگی۔

اگر گھر کا بڑا پرہیزگار، نیک، صوم و صلوٰۃ کا پابند اور اسلام کی تلقین
کرنے والا ہوگا تو سارا گھر، کنبہ ان نیک عادات کو اپنائے گا اور اسلامی شعا
پر ہوگا۔

یہ گھڑی، وقت، زمانہ آپ کی آزمائش کا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے آپ کے کندھوں پر بہت بھاری بوجھ رکھ دیا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ
آپ کو مخلوق خدا، خدا اور رسولؐ خدا کے قوانین فرائین کو بہ احسن طریق
سے نبھانے کی توفیق دے۔

آپ نے ایسا کیا تو ہم لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے ورنہ شاید
کوئی ہاں میں ہاں ملانے والا آپ کا ساتھ دے گا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو غیر مسلم ہندو باشندگان نے ہندوستان چلے جانا تھا۔ اور مسلم باشندگان خصوصاً پنجاب ہندوستان سے پاکستان آنا تھا۔ (یہ بٹوارہ پنجاب کے لئے تھا۔ مشرقی پنجاب کا مسلم طبقہ پاکستان جاتے اور مغربی پنجاب کا ہندو ہندوستان جاتے)۔

یہ ایک مشکل کام تھا۔ اور اس میں دقت یہ تھی کہ سکھوں نے جو مغربی پنجاب میں تھے نے مسلم طبقہ مغربی پنجاب سے ۱۹۴۶ء میں جھگڑا مول لے بیٹھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غنڈہ عناصر نے دونوں ممالک میں اقلیتی فرقہ کے لوگوں کی کشت وخون اور لوٹ کھسوٹ شروع کردی۔

حکومتِ پاکستان نے مرشدم حضرت خواجہ محمد غلام نظام الدینؒ کو قیام امن اور خدمتِ خلق کے لئے اختیاراتِ مجسٹریٹی تحصیل تونسہ شریف استعمال کرنے کی پیشکش کی جو آپ نے بخیالِ خدمتِ خلق منظور فرمائی تو حکومت نے اعزازی مجسٹریٹ درجہ اول، علاقہ مجسٹریٹ اور تھانہ جات تونسہ شریف ونیترہ، وہوا مقرر فرمایا۔ سرکاری مثلوں کی ترتیب وتدوین اور ان پر احکامات کارروائی تحریر کرنے کے لئے فقیر محمد خان ولد حاجی احمددین سکنہ کوٹ قیصرانی "ریڈر" تعینات ہوئے۔

قیامِ امن کی عملی کارروائی کے لئے ملٹری کے کچھ سپاہی بمعہ اسلحہ معتقد کی تحویل میں دے گئے۔ تحفظ جان و مال کا یقین پا کر تحصیل تونسہ شریف

رہنے والے تمام ہندو پناہ گزین قصبہ تونسہ میں اکٹھے ہو گئے۔ اور قصبہ تونسہ کھچا کھچ بھر گیا۔ ان کے خورد و نوش کا انتظام لنگر میں تھا۔ ان کو کچا بستہ اور کھانے کا سارا سامان جو وہ مانگتے یا ضرورت پڑتی دے دیا جاتا۔ وہ خود پکاتے اور خود تقسیم کرتے۔

ایک دن افواہ گرم ہوئی کہ پہاڑی لوگ قصبہ تونسہ شریف میں رہنے والے ہندو پناہ گزینوں کی لوٹ کھسوٹ اور کشت و خون کرنا چاہتے ہیں یہ بات حضور تک پہنچی تو آپ نے جملہ علمائے دین موجود الوقت کو طلب فرمایا۔ مشورہ کیا۔ بحث ہوئی۔ ایسے حالات میں علمائے دین کا فتویٰ چاہا۔ صدر مدرس مدرسہ محمودیہ مفتیٔ اعظم مولوی خان محمد خان بزدار اور دیگر علماء نے فتویٰ دیا کہ شریعت محمدی ایسے حالات میں غیر مسلم پناہ گزینوں پر کسی قسم کی دست درازی یا دخل اندازی کی روادار نہیں۔ ہندو، سکھ، بدھ، عیسائی سب مخلوق خدا ہیں۔ انھیں بغیر کسی خاص عذر یا امر شرعی کے ہلاک کرنا وہی گناہ ہے جو کسی مسلمان کا ہے۔

چنانچہ حضور نے حکم فرمایا کہ غیر مسلم پناہ گزینوں کا بال بیکا نہ ہونے پائے اگر کسی نے زیادتی کی تو میں با اختیارات مجسٹریٹ گولی کا حکم دے دوں گا۔ اس بات کی مشتہری عام کرا دی گئی۔ پہاڑی لوگوں کو بھی علم ہو گیا۔ اس پر وہ اپنے مذموم ارادوں سے باز رہے۔ آخر کار ہندوستان گورنمنٹ کے ٹرک پناہ گزینوں کو ہندوستان لے گئے۔

ان ایام میں موضع مکول کلاں میں ڈکیتی کی ایک واردات ہوئی

آٹھ ملزمان چالان ہو کر پیش ہوئے۔ ملزمان میں آٹھ آدمی ایسے تھے جو حضور کے ملازمین کے رشتہ دار تھے۔ وہ ان کی ضمانت و رہائی کے سفارشی ہوئے۔ باقی پانچ ملزمان مخالف عنصر سے تعلق رکھتے تھے اور کوشش کی کہ ان پانچ ملزمان کی ضمانت نہ لی جائے۔ مگر آپ نے جملہ ملزمان کو ضمانت پر رہا کر دیا یہ فرماتے ہوئے کہ عدالتی کام میں ذاتی رنجشوں یا تعلقات کو بروئے کار لا کر خدا کو کیا جواب دوں گا۔

کئی سال بعد آپ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے عرس میں شمولیت کے لئے اجمیر شریف جا رہے تھے تو آپ کا گذر ایک ایسے شہر سے ہوا جہاں تحصیل تونسہ سے گئے ہوئے غیر مسلم سکونت پذیر ہو چکے تھے جونہی آپ کی آمد کا پتہ چلا تو درشن حاصل کرنے کے لئے ایک بہت بڑے جلوس کی شکل میں جمع ہو گئے۔ اتفاق سے ان دنوں وہاں جلوس پر پابندی اور کرفیو نافذ تھا۔ ہندوؤں نے قانون کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ کے لئے جلوس نکالا اور اپنے حکام سے کہہ دیا کہ آپ ہی وہ واحد شخصیت ہیں جن کی بدولت ہم جان و مال بچا کر ہندوستان پہنچے۔

درشن کنندہ ہندوؤں نے دس ہزار روپیہ کی تھیلی بطور نذرانہ پیش کی۔ ایک قدیم ہندو خادم کی بیوہ حاضر ہوئی۔ اپنی غریبی اور تنگدستی کا اظہار کیا یہ سن کر آپ نے سالم تھیلی اس ہندو بیوہ عورت کو عطا کر دی۔

موضع بندی (تحصیل تونسہ شریف) کے محمد خان تنگوانی مدرس کو ایک ہندو بیوہ گوپالی دیوی سے محبت ہو گئی۔ وہ بھی محمد خان کو بے انتہا

چاہتی تھی۔ دونوں طرف سے آگ برابر لگی ہوئی۔ یہ ۱۹۳۹ء کا قصہ ہے۔ محمد خان ان دنوں ہیرو میں تعینات تھے۔ اور گوپالی بھی ہیرو کی باشندہ تھی۔ میں ان دنوں علی گڑھ سے فارغ ہوکر ہیرو آیا ہوا تھا۔ اِدھر محمد خان اُدھر گوپالی نے امداد کے لئے اپنی اپنی روداد سنائی۔

میں نے ایک ہندو عورت کا مسلمان ہونا ثواب سمجھ کر امداد کا وعدہ کرلیا۔ گوپالی کو ڈیرہ غازیخان احمد خان سابق خادم لنگر کے گھر لے آیا۔ محمد خان بھی ڈیرہ غازیخان پہنچ گئے۔ دوسرے روز گوپالی نے عدالت میں اپنا بیان قلمبند کرایا کہ میں کسی دباؤ کے بغیر اپنی رضا و رغبت سے اسلام قبول کرتی ہوں۔

عدالت سے حکم نامہ لے کر دوسرے روز ان دونوں کا نکاح کرا دیا۔ گوپالی کا اسلامی نام غلام فاطمہ رکھا گیا۔ غلام فاطمہ کے ہندو (آنجہانی) خاوند سے ایک لڑکی اور لڑکا ۹/۸ سال کی عمر کے تھے۔ لڑکے کی چٹیا کٹواتے کا مقدمہ دائر کر دیا گیا۔ جس میں سردار محمد اجمل خان ملغانی کو بھی شریک جرم گردانا گیا۔

محمد خان، مرشدم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حالات سناتے اور امداد کا طالب ہوا۔ حضور نے امداد کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مقدمے کے تمام اخراجات اور ان کی پیروی کے لئے ڈیرہ غازیخان کے وکیلوں کو حکم صادر فرمایا۔

بچے چونکہ نابالغ تھے اس لئے ہندوؤں کے حوالے کر دیئے گئے۔

یہ مقدمہ عرصہ تک چلتا رہا۔ حضور کی اعانت سے مقدمہ محمد خان اور غلام فاطمہ کے حق میں ہوا۔ غلام فاطمہ کے لبطن سے محمد خان کے ہاں دو بیٹے گل محمد اور در محمد اور ایک لڑکی پیغلام فاطمہ کے بطن سے محمد خان

خواب حقیقت بن گیا

ایک دفعہ میں نے حضور کی خدمت میں عرض کی۔ جی چاہتا ہے
مجھے باغ کے لئے کوئی اچھا سا رقبہ مل جائے۔

آپ نے فرمایا۔ مل جائے گا۔

جولائی ۱۹۶۰ء میں رات کو خواب میں ایک قطعہ زمین دیکھتا
ہوں جو باغ کے لئے مجھے مل رہا ہے۔ بیدار ہو کر اٹھ بیٹھا۔ میری گھر والی
کی آنکھ بھی کھل گئی۔ پوچھا کیا ہوا۔ میں نے خواب کے متعلق بتلایا۔
کہا ذہنی خیالات ہیں۔ سو جاؤ۔ سو گیا مگر چین سے نیند نہ آئی۔ سوچا
تاج محمد قانونگو سے مشورہ لوں گا کہ اس علاقے میں ایسا کوئی رقبہ ہے؟
جو خواب میں دیکھا ہے)۔

اتفاق سے تاج محمد قانونگو خود آگئے۔ ان سے ذکر کیا تو
انھوں نے کہا کہ جمعرات شام چاہ احمد شاہ والا آجاؤ۔ میں اس علاقہ کا
پٹواری ساتھ لاؤں گا اس سے معلوم کریں گے۔ حسب پروگرام میں پہنچا
تو تاج محمد قانونگو معہ پٹواری انتظار میں تھے۔ ان کو ہمراہ لے کر اس جگہ
پہنچے جہاں اب میرا رقبہ ہے اور فرید آباد کے نام سے موسوم ہے۔ محل وقوع
دکھلایا۔ معلوم ہوا یہ رقبہ بحالیات کا ہے۔

ڈپٹی کمشنر صاحب کو درخواست دی۔ انھوں نے افسر مال
سے وضاحت طلب کی۔ افسر مال نے وہ رقبہ ایک مہاجر کے نام ادھر

اور پھر اس مہاجر سے مجھے دلوایا۔ جو تقریباً ۷۷ کنال تھا۔ اس طرح
میں رقبہ کا مالک بن گیا۔

سنجر سیداں کے ایک سید صاحب نے اس پر شفع دائر کر دیا
حضور کو علم ہوا تو فرمایا:۔ غلام فرید! کیا یہ شفع شرعی ہے؟

میں نے عرض کیا کہ میں اس اصطلاح سے واقف نہیں۔

فرمایا۔ یہ شفع کب دائر ہوا؟

عرض کیا۔ سال کے آخری روز۔

آپ نے فرمایا یہ غیر شرعی ہے۔ شرعی تب ہوتا ہے کہ علم ہوتے
ہی دعویٰ دائر کر دو۔

آپ نے خان صاحب محمد غلام معین الدین کو اس غرض سے سنجر سیداں
بھیجا۔ مگر شاہ صاحب نے دعویٰ واپس لینے سے انکار کر دیا۔ حضور کو
انتہائی افسوس ہوا۔ فرمایا۔ ناکام ہو گئے۔

کچھ عرصہ بعد وہ دعویٰ عدم پیروی کی وجہ سے خارج ہو گیا۔ مگر
نے سیشن کورٹ پھر ہائی کورٹ اپیل کی۔ پھر بھی خارج ہوا۔

حضور کی شرائط بعیت

سب سے پہلی شرط پابندی نماز۔
آپ کا فرمان تھا نماز نہ پڑھی تو
بعیت ختم۔ مردوں کے لئے ہر نماز کے بعد ایک تسبیح درود شریف اور ایک یاکریم
اور عورتوں کیلئے درود شریف اور یاستار۔ مردوں کے لئے شرعی داڑھی
کا فرمان۔ بندہ نے حضور کے وصال کے بعد داڑھی نہیں منڈھوائی۔

ہے ہے یار بروچل

ہے! ہے!! یار بروچل

ہک تِل ترس نہ کیتا

کر کے سخت نمانڑی — اپنڑے نال نہ نیتا

ہجر پیالہ ازلوں — میں مٹھڑی لو پیتا

جیں ڈینہہ سجن سدھائے — ڈکھ آیا سکھ بیتا

سوّل کللڑا کوجھا — لوں لوں رگ رگ سیتا

اصلوں مخفی وسارئیں — لا کر پرم[1] پلیتا[2]

روہ فرید لتاڑاں

شالا کھادِم چیتا

۱۔ پرم ۔ محبت ۔ عشق

۲۔ وہ بتی جسے بارود میں لبا کر آگ دکھا کر توپ چلائی جاتی ہے

پنل چھوڑ کے پیچ سدھایوں
دلڑی نمانی ہے زار نزار
پاسں پاسں نصیب اماڑے ناکوئی ٹوبھے ناکوئی تاڈے[۱]
ناراہ ڈِسدم کرہوں[۲] قطار
درد گھنیرے ڈکھ ہزاراں سُول تتی کوں تار متاراں
برہوں بچھیندا روز آزار
سٹ کرشاہی تھیاں بانڈی ٹھیک سوہیاں ریت غماندی
کیجھو[۳] کرسم لوگ وِ یار
سیجھ نہ بھادم پئی ترٹھاواں تارے گن گن رات نبھاواں
نہ کوئی ساتھی نہ غمخوار
ماپیو ویری مُول نہ بھانڑے سیخیں ڈیوم برڑے بانڑے
سنگیاں سرتیاں کرم وچار
جیں تن لگری سوئی تن جانڑے غیر فرید نہ رمز پچھانڑے
جانم سونڑاں دلبر یار

[۱] تاڈے :- ریگستان میں جہاں ٹھکانہ ہوتا ہے ۔
[۲] کرہوں قطار :- اونٹوں کی قطار
[۳] کیجھو :- باوجودیکہ
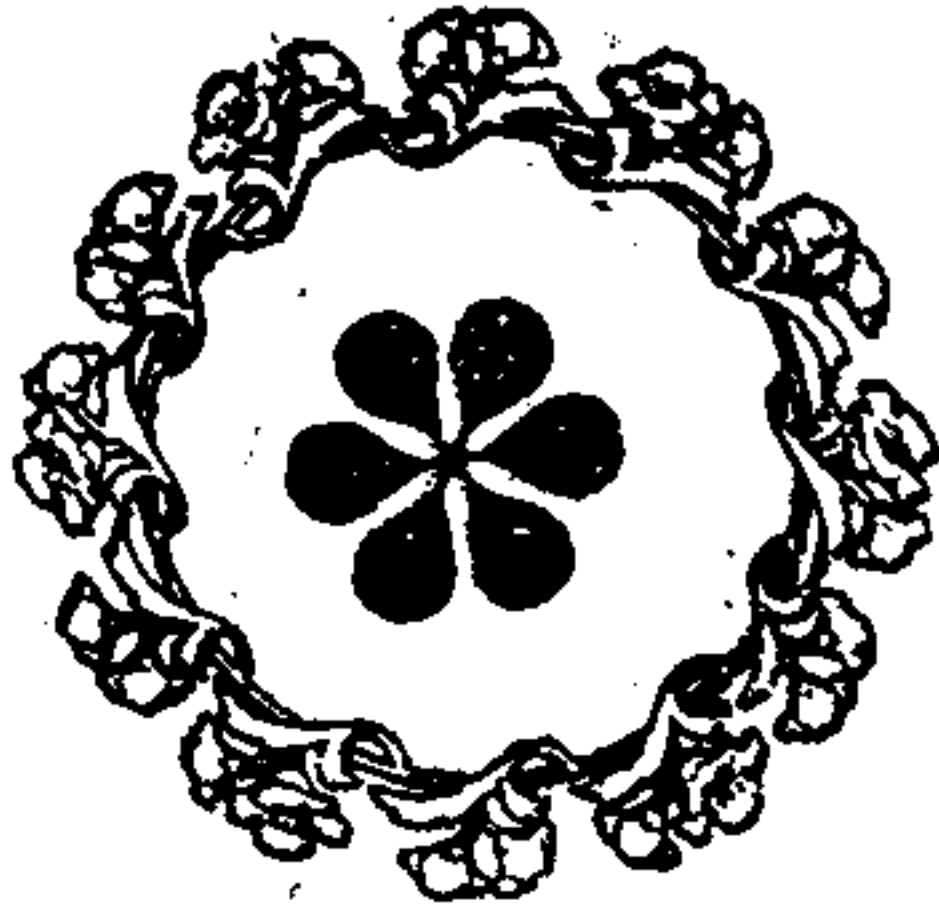
میکوں کلھڑا چھوڑ تے

ویندیں کیندے سانگ

قطرہ محض ککیس نہ آیو	لایو ہجر دی سانگ
تھل مارو دا پینڈا سارا	تھیسم ہک بلہانگ
جے نیں ناسیں دے وچ ساہم	ہوسم تیڈڑی تانگ
جاوݨ لا دی بربوں شام	کنیں ڈکھاں دی بانگ
چھوٹے وقت کنوا دے ویلھے	لگ رہم تیڈا دانگ
میں ہاں کیرھے باغ دی مولی	کئی رل موئے میں وانگ
گھمر گھیر فرید تیر دے	نہ تر ڈیہم نہ ٹانگ

ککیس :- ترس -

ٹانگ :- پایاب دریا

ڈکھڑیں کارݨ جاۓ ہَم
سُولیں سانگ سماۓ ہَم
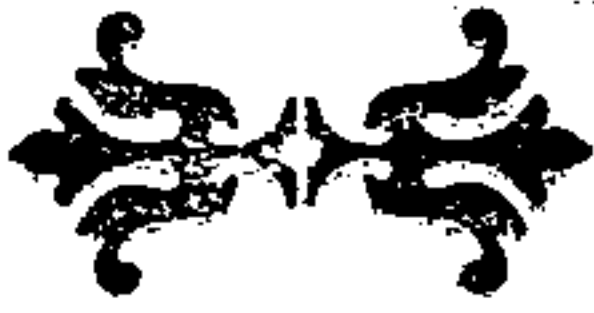
دردانڈیشے سکڑے سَوڑے — بیا نہ بھیݨ تے بھاۓ ہَم
گہلی کملی شنجڑی دُھردی — ہِک غم دی سدھراۓ ہم
جاوݨ لادی پنڈ بلادی — چُم سراکھیاں چاۓ ہَم
راحت ویندیں وِداع نہ کیتم — مَیٔ ہم پر مستراۓ ہَم
سختی تے بدبختی تتڑی — حال وَنڈاؤ ہماۓ ہم
پیڑ پرانی سکڑی امڑی — مونجھ مونجھاری داۓ ہم
بے ٹھاہی دی چولی چُنڑی — پاۓ ہم باٹھم کاۓ ہم
سر تے چھتڑے چوٹیاں متھڑے — تیں سنگ یاری لاۓ ہم
ہوہو بھکڑی شہرخواری — جاتی فخر وڈاۓ ہم

کیویں یار فرید وساراں
جیں کیتے اِتھ آۓ ہم

آپل اج کل سونہاں سائیں — ناں تاں مفتی خون تھیسائیں
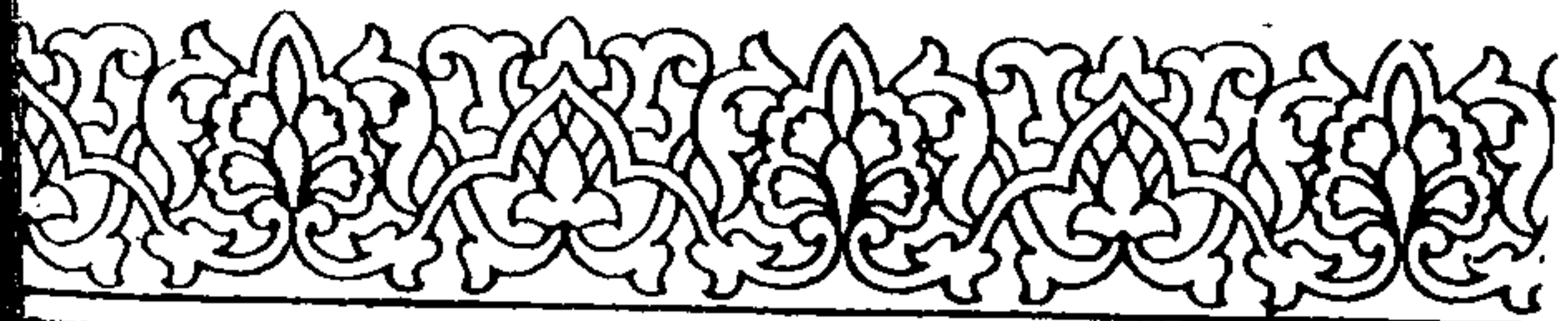
توں بن مول نہ سہندیاں واہیں — سن ڈل ناں تاں گالہہ اکھائیں

پر بہت دہاراں روہ گھنیرے — جتھ لانگھے جتھ تھیوم وہیرے

بے شک دردمنداں دے ڈیرے — جتھ نخلڑا جتھ منجھڑیاں جاہیں

ہک پل عیش نہ پایم گھر وچ — گذری ساری عمر سفر وچ

پوندے موسو پور اندر وچ — یا رب یار دے دیس وسائیں

جاں ڈیکھاں جھڑ مینہ کن ڈٹن کوں — کر کر رو واں یاد سجن کوں

اکھیاں بلکن مونہہ ڈیکھن کوں — گل لاون کوں پھٹکن باہیں

واٹ نہاراں کانگ اڈاواں — نیڈت جو سی دے کن کھاواں

سو چنج ہاراں فالاں پاواں — اوسی میڈا یار کڈاہیں

میں بدناں کہیں بھیم بھرم دا — توں ہیں صاحب لاج شرم دا

زور فرید کوں تیڈڑے دم دا — مکڑی سانول توڑ نبھائیں

آپل مارو مارڑو — تھل وچہ کردیاں دھاہاں

ماراں ہکلاں کوکڑاں — کرکر لمبڑیاں باہاں !

بھل گیاں ریہاں رتڑماں — جیں ڈیتہ ٹگڑیاں پیتاں

بچھڑیئے خویش قبیلڑے — پرہک تیئوں چاہاں

کیویں جیوے جالڑے — سنجڑی ہیر سلیٹی !

رانجھن تخت ہزارڑے — سکیاں لایاں کاہاں

ماپیو ویرو سا ریم — راول ڈتڑم رولا !

یاداں لیرے میلڑے — چولی چنڑی لاہاں

جاہی چوٹ فریدلوں — لایو لاڈکھلایو

مول نہ وسرم تیڈڑیاں — سانول ناز نگاہاں

اے ریت سکھی ہئی کیں کنوں !
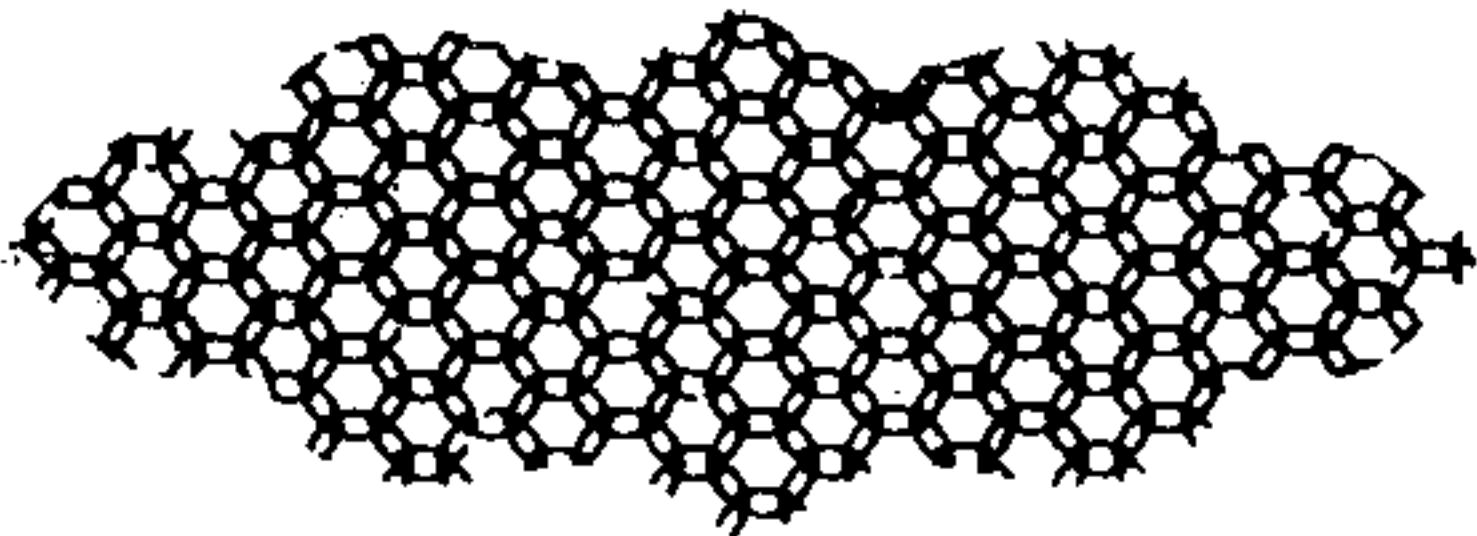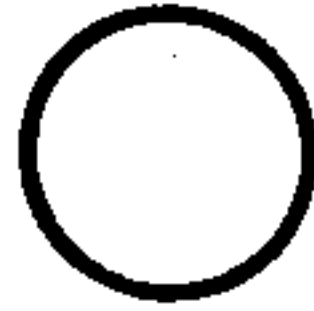
ڈھولا یک چھپ بہندیں میں کنوں

جڑ تیغ برہوں دی مار گیوں — کھس صبر آرام قرار گیوں

کیوں جھوک لڈا لنگھ یار گیوں — کوئی پچھن والا ہم تیں کنوں

ڈیہاں ڈو ویندے ڈکھڑے پاوندیاں — رت رو رو رات نبھاوندیاں

کر ویندے ڈوہ ڈگ سوہ وندیاں — ونج حال گھنو ہمسائیں کنوں

جیندے نال محبت جکڑی ہے — لگی شہر ملامت پھکڑی ہے

دل مہڑوں مٹھڑوں تکڑی ہے — نسے ڈر دے مہنسیں کنوں

اے روہی یار ملاوڑی ہے — نالا ہووے ہردم ساوڑی ہے

ونج بیسوں لسڑی گاوڑی ہے — رگھن اپنے سوہنے سئیں کنوں

غم درد فراق دی رولڑیاں — گیاں ناز نواز دیاں ٹولڑیاں

تھئی گاہی کملی کھولڑیاں — دھک بار رجھلاں جیں تیں کنوں

دل جھر جنگل دی باندی ہے — جتھ جھوک میڈے متراندی ہے

بو صدق وفا دی آندی ہے — انہیں سادیں سوہنیں لیئیں کنوں

کجھ یاد بہانی توں نہیں — کوئی سنگتی باجھوں ٹول نہیں

تڑ یار دکھن دا موں نہیں — ہیں نینہ دی ہاری نیں کنوں

بن یار فرید نہ جیواں میں — کیوں اکھیں اوکھی تھیواں میں

لو زہر پیالہ پیواں میں — چھڈ پوساں مولیس سئیں کنوں

کافی

تتی رو رو واٹ نہاراں

کڈی سانول موڑ مہاراں

جیں کارن سوسختی جھاگی
پھراں ڈُوہاگی دیس براگی

جنیدیں ڈیکھاں سانول ساگی
تھیواں باغ بہاراں

یار بروچل وسیم سولڑا
جنیدے سانگے مانہیم تھلڑا

خان سیلڑا نہ کر کلہڑا
توں سنگ چادرے چاراں

جیں ڈینہ یاراساں توں نکھڑے
مینڈی روپ ڈکھاں پکھڑے

ڈسدے سرخی دے رنگ نکھڑے
وگھریاں کجل دیاں دھاراں

منڑ منڑ منتاں پیر منا واں
ملاں گول تعویذ لکھاواں

سڈ سڈ جوسی بھالاں پاواں
کردی سونڑ ہزاراں

بندڑے نال نہ کرسیں مندڑا
توڑے کوجھا کملا گندڑا ۔

ٹک سوہنی صحن سوہندڑا
لوں لوں توں جند واراں

چھوڑ فرید نہ یار دا دامن
جنیں جی کیتا جڑ کر کامن

ڈوہاں جہاناں ساڈا ضامن
کیویں دلوں وساراں ۔

ل ۔ جادو

کافی

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں — میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈا یار وی توں — میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ، قبلہ، مسجد منبر — مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکواتاں — صوم صلوٰۃ اذان وی توں
میڈی زہد عبادت طاعت تقویٰ — علم وی توں عرفان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں — میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلوناں — من موہن جانان وی توں
میڈا مرشد ہادی پیر طریقت — شیخ حقائق دان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا — تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا شرم وی توں — میڈا بھرم وی توں میڈی شان وی توں
میڈا ڈکھ سکھ رووݨ کھلݨ وی توں — میڈا درد وی توں درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں — میڈے سولیں دا سامان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں — میڈا بخت تے نام نشان وی توں
میڈا ڈیکھݨ بھالݨ جاچݨ جوچݨ — سمجھݨ جاݨ سنجاݨ وی توں
میڈے ٹھڈڑے ساہ تے مونجھ منجھاری — ہنجوں دے طوفان وی توں
میڈے تلک تلولے مینگھاں مانگھاں — ناز نہوڑے تان وی توں

کافی

میڈی مہندی کجل مساگ دی توں
میڈی سرخی بیڑا پان دی توں

میڈی وحشت جوش جنون دی توں
میڈا گریہ آہ فغان دی توں

میڈا شعر عروض قوافی توں
میڈی بحر دی توں اوزان دی توں

میڈا اوّل آخر، اندر، باہر
ظاہر تے پنہان دی توں

میڈا فردا تے دیروز دی توں؛
الیوم دی توں الآن دی توں

میڈا بادل برکھا کھمّاں گاجاں
بارش تے باران دی توں

میڈا ملک ملہیر تے مارو تھلڑا
روہی چولستان دی توں

جے یار فرید قبول کرے؛
سرکار دی توں سلطان دی توں

ناتاں کہتر کمتر احقر ادنےٰ
لاشے لا امکان دی توں

کافی

اج فناں فراق ڈسیندی ہے

متاں یار کنوں نکھڑیندی ہے

سختیاں وددھیاں ڈکھ بھئے بھولے
رنج الم غم سوز سمولے

چِرکھا ڈوکھڑی روں روں لولے
تَتَد ڈِنگا دل بیندی ہے

سیندھاں کجڑیاں سیندماں جھکڑیاں
کھلے اجڑیے سرخیاں نکھڑیاں

یاساں مکیاں آساں نِکھڑیاں
لوں لوں وَیْڑ ولیندی ہے

توں نہالیاں داڑ ڈسیچن
ہار رکھڑلاں دے خار ڈسیچن

صحن حویلیاں بار ڈسیچن
سبھ شے مونجھ ودھیندی ہے

بھاگ گیا بدبختی جاگی
بانہہ چوڑیلی بھیوم ڈوہاگی

جیندیں ڈیکھاں ساتول ساگی
جندڑی مرمر ویندی ہے

ٹوٹے گنگڑ کڑیاں مدور
ٹکڑے بینے بولے بینسر

کمڑلے بھئے نانگ برابر
چوہنب کلی چک پیندی ہے

نظر نہ آوے رانجھن ماہی
کیتس بے کس تے بیواہی

مونجھ مونجھاری گل دی پھاہی
صبر آرام ونجیندی ہے

درد کنوں منہ ساوا پیلا
چولا کالا بوچھڑ نیلا

توں بن ساڈا کوجھا حیلہ
ہر کوئی سخت الیندی ہے

سونڑ شگون سبھے تھئے بھڑے
وصل وصال دے سانگے ترٹڑے۔

نین نبھائے رو رو ہڑے !
دلڑی کیس کریندی ہے

ہیتر بہار خزان ڈسیجے
جھوک سبھو ویران ڈسیجے

نہ کوئی علم نہ بانڑ ڈسیجے
روہی ڈینڑ ڈریندی ہے

یار فرید نہ کھڑ مکلایا !
بادی بار ہجر سر آیا

سک سانڑیاں تے نانگھاں تایا !
قسمت رو دھے ڈیندی ہے

گیوں رول رادل وچ کُن کپر دے

رو دھے ڈِتونی بچپلی عمر دے

یتن با جھ جیویں اصلوں نہ جیواں — تیڈے اکھیں دے سامنے پورِیواں

مارو مریلا توں بن نہ تھیواں — بجھ ڈِینہ ہجر دے اوکھے گزردے

ماراں مروڑاں دھکڑے تے دھوڑے — بھیجاں سوغاتاں تیڈے وچھوڑے

ڈکھڑے ڈِینہو ڈِینہ ڈِیڈھے نے ڈوڑے — ہے ہے نہ جیندے جیڑا نہ مردے

گئے وقت ویلھے یارو بھلیرے — ڈکھڑیں ڈکھی تے کیتے دہیرے

شالا ڈِیہاڑے تھیوم کھلیرے — بارڑے گزاروں سجنیں دے گھر دے

گھولی تسیڈی گولی تسیڈی — ڈے کن تے سنڑیں ڈکھ بیڑمیڈی

یا نی اساڈا تھئی رت اسیڈی — رڈی دے ٹکڑے ہاں دے جگر دے

مُنڈھ لا دی نبدڑی ڈکھڑیں دی بدھڑی — دردیں دی ماری سولیں دی ڈدھڑی

ہک توں تتی دی ول کل نہ لدھڑی — بئے سول سدے جو تھے بہر دے

رہ گیوم غماں وچ وسرے نندڑ جھیپے — دھاں دھاں کریندے آئے بدھیپے

بئے بے والی ڈتڑے رنڈ بیپے — آئے بار سرتیں باری قہر دے

جوگی براگی تھی کر ڈھونڈھیساں — کفنی ڈکھاں دی پا گل سو ہیساں

ایویں فریدا عمراں نبھیساں — جے تیں نہ تھیساں داخل تبرّ دے

خرم رسیدہ امشب کہ نگار خواہی آمد
سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد
ہمہ آہوان صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
باامید ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد
بالبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نمانم بہ چہ کار خواہی آمد
کشنے کہ عشق دارد نگذار دت بدلیساں
بہ جنازہ گر نہ آئی بمزار خواہی آمد

آپ نے فرمایا۔ غلام فرید! قرآن پاک کس استاد سے پڑھے ہو؟

عرض کیا۔ حافظ رحیم بخش تیمرانی سے اور قرأت حافظ عالیجاہ پانی پتی سے۔

فرمان ہوا۔ بچوں کو قرآن پاک حفظ کراؤ۔

میری بدنصیبی ایسا نہ ہوسکا۔ میرے بیٹے انعام فرید اور احمد صرف پندرہ پارے حفظ کر کے چھوڑ گئے۔ احتشام فرید اور علیم احمد صرف آٹھ سپارے حفظ کر کے چھوڑ گئے۔ اس وقت میرا نواسہ محمد صابر حافظ قرآن ہے اور چار سال سے مصلیٰ پڑھا رہا ہے میری پوتی صادق فرید کی صاحبزادی نے کم سنی میں ہی قرآن مجید حفظ کر لیا ہے۔ البتہ گھر کی ہر عورت ناظرہ قرآن پڑھ چکی ہے اور صوم و صلوٰۃ کا سلسلہ جاری ہے۔

ایک روز نواب در محمد خان خاکوانی ملتانی کے بنگلہ پر ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ آپ یزید کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟
آپ نے جواباً فرمایا۔ حضرت حسینؓ کے قاتل۔ میری زبان اس نام لینے کی بجائے حسینؓ! حسینؓ!! ہی کیوں نہ کہے۔

ڈاکٹر پیر بخش ایم۔ بی۔ بی۔ ایس نے کریم داد سدوز
کے دوائی دی۔ اس روز قدرے بخار بڑھ گیا ہو۔ حاشیہ نشیناں (جو سب بھگ
بھے) نے سدوزئی صاحب کو کہا کہ ڈاکٹر نے زہر دیا ہے۔ کریم داد بندوق اٹھا
مطب میں آئے اور ڈاکٹر صاحب پر فائر کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب زخمی ہو گئے۔ انھ
ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ اللہ کے کرم سے ڈاکٹر صاحب بچ گئے۔

حضور نے اس خادم سے فرمایا کہ شرعاً فیصلہ کرا دو۔ ڈاکٹر
میرے ہم زلف ہیں۔ کریم داد بھی اس وقت موجود تھا۔

حضور نے ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز غازیگھا
کے کشتیوں کے پل سے گزر رہے تھے۔ کار کے آگے پٹھانوں کا ایک قافلہ اونٹو
سمیت چل رہا تھا۔ ڈرائیور اللہ بخش نے ہارن دیا تو اونٹ بدکے اور ایک
اونٹ دریا میں گر گیا۔ ملاحوں نے اونٹ نکال باہر کیا۔ اونٹ صحیح سلامت تھا
پٹھان عورتیں بچے ہمیں گالیاں دینے لگے۔ میں نے پشتو میں ان سے کہا
جب تمہارا نقصان ہی نہیں ہُوا گالیاں کیوں دیتے ہو؟

واقعہ سنانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب بچ گئے ہیں تو
فیصلہ کیوں نہیں کرا دیتے؟

میں نے مصالحت کی کوشش کی۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی تسلیم کر لیا
مگر کریم داد خان فیصلہ پر قائم نہ رہا۔ سزایاب ہُوا۔

کار کے حوالے سے بات یاد آئی۔ حضور ڈیرہ غازی خان

تشریف لائے۔ "مہمہ" (بلوچستان) میں شکار کا پروگرام تھا۔ مجھے بھی ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ حضور کے پاس شیر احمد خان ملطرنی کی کار راکٹ تھی۔ میرا ڈرائیور اسے چلا رہا تھا۔ میرے ساتھ میری کار میں سردار اللہ داد خان جعفر تھے۔ فورٹ منرو جا پہنچے۔

فورٹ منرو سے آگے میں نے بے وقوفی کی کہ گاڑی "فری" کردی۔ پھر تو اترائی پر گاڑی کو ہیوی گیر میں نہ ڈال سکا اور نہ بریک لگائی جا سکتی تھی اور گاڑی انتہائی تیزی کے ساتھ اترائی کی طرف جا رہی تھی۔ آگے ایک خطرناک موڑ تھا۔ میں نے گاڑی کی ایک سائیڈ پہاڑ سے ٹکرا دی۔ خدا کی قدرت پہاڑ کا وہ حصہ ریت کی طرح نرم تھا۔ گاڑی رک گئی۔ ریت سے علیحدہ کیا۔ ہیوی گیر میں ڈال کر بخیریت موڑ کاٹا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ آگے روانہ ہوئے۔

رکنی کی سڑک خراب اور شکستہ تھی۔ کھڈوں میں رودکوہی کا پانی تھا۔ ایک کھڈ کو پار کرتے ہوئے میری کار کی "ڈائرنگ" اور "پلگ" پانی سے بھیگ گئے اور گاڑی بند ہو گئی۔

حضور غربی کنارہ پر دیکھ رہے تھے۔ آپ نے وہاں کے لوگوں کو حکم دیا کہ گاڑی کو کھینچ کر لے آؤ۔ اس دوران گاڑی ٹھیک ہو گئی۔ میں نے بہت کہا کہ اب گاڑی چل سکتی ہے۔ کھینچنے کی ضرورت نہیں۔ مگر انھوں نے کہا ہمیں پیر کا حکم ہے۔ ہم تو گاڑی کو کھینچ کر ہی لے جائیں گے۔ القصہ انھوں نے ویسا ہی کیا۔

"رکنی" ہوٹل پہنچے۔ حضور انتظار میں تھے۔ فرمایا۔

"محمد پناہ ڈرائیور گاڑی چلاتا تھا۔ وہ بریک لگاتا تو میں اپنے گھٹنے اپنے ہاتھوں میں بھینچ لیتا۔ گویا میں بھی بریک لگا رہا ہوں۔"

میں نے راستے والا قصہ سنا کر عرض کیا کہ وہ بریک تو ہمیں بھی لے آئی۔

رکنی کے بعد حضور نے فرمایا کہ میری گاڑی تم چلاؤ۔ ڈرائیور محمد پناہ کو حکم دیا کہ تم اپنی گاڑی آگے رکھو۔

سردار حاجی غلام احمد خان آف رکنی کے ہاں دوپہر کا کھانا کھایا۔ آرام کیا ظہر کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔ عصر کی نماز راستہ میں پڑھی۔ سڑک کے ایک طرف جائے نماز بچھائی گئی۔ اذان ہوئی۔ پتھروں سے نکل کر مخلوق نماز کے لئے پہنچی۔ حالانکہ حد نظر تک کوئی آبادی دکھائی نہ دیتی تھی۔ میرا ایمان ہے فرشتے انسانوں کی شکل میں نماز میں شامل ہوئے۔

نماز سے فارغ ہو کر آگے روانہ ہوئے۔ (سفر میں آپ کا معمول تھا کہ کوئی قصہ چھیڑ دیتے یا ساتھی کو حکم ہوتا کہ قصہ سناؤ)

ایک درویش ایک شہر میں پہنچا۔ رونق، آبادی، چہل پہل، باغات، عالی شان مکانات۔ ہزاروں سال بعد وہی درویش وہاں آیا۔ تو بھیڑ، پتھر، اینٹیں، ٹھیکریاں اور کچھ نہیں۔ پھر ہزاروں سال بعد وہ فقیر وہاں آیا تو ویسی ہی آبادی وہی رونق۔

بتلاؤ وہ درویش کون تھا اور شہر کون سا ؟
"درویش حضرت خضر علیہ السلام اور شہر ملتان"
اب نہ وہ "مہمہ" نہ باغ نہ مکانات ۔ خالی دیواریں وہ بھی شکستہ ملتان کی طرح ۔

شکار بہت اچھا رہا ۔ مگر ایک باز کا جس نے شکار کا بہت لطف دکھلایا، نوکر کی غلطی سے پر ٹوٹ گیا ۔ باز سخت تکلیف میں تھا حضور نے اسے ذبح فرمایا ۔

گھوڑے تو نسہ شریف سے براستہ تمن بزدار بھجوائے گئے تھے ۔

ایک روز میں نے حضور کو اپنے بچپن کا خواب سنایا کہ جنگل میں جارہا ہوں ایک جن چھرا ہاتھ میں لے کر حملہ آور ہوتا ہے ۔ میں بچاؤ کے لیئے ہاتھ آگے کرتا ہوں ۔ وہ کلائی پر وار کرتا ہے تو نبض والی رگیں باہر نکل آتی ہیں ۔ میں رونے لگتا ہوں ۔ حضور اعلیٰ حضرت شاہ محمد سلیمانؒ نمودار ہوتے ہیں ۔ میری کلائی پر ہاتھ پھیر کر فرماتے ہیں " مت رو" وہ رگیں اپنی جگہ صحیح ہو جاتی ہیں ۔

میری سرکار نے فرمایا :۔

" حضور اعلیٰ نے تمہیں طبیب بنایا ہے ۔"

ایک دن باتوں باتوں میں فرمایا۔ خواجہ گل محمدؒ کی زبان کا
کیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ حضرت خواجہ صاحب موصوف کا کئی بار فرمان ہوا
کہ مجھے ملو۔ آپ کے فالج کا حملہ ہوگیا۔ میں حسب فرمان حاضر ہوا۔ آپ بالا
منزل پر تھے۔ میں قدم بوس ہوا۔ فرمایا۔ میں چل پھر اور اٹھ نہیں سکتا
فرمایا۔ میری زبان منہ میں لے کر چومو۔ اس کے بعد بہت ساری دعائیں دیں

حضرت خواجہ گل محمدؒ میری پھوپھی کے بیٹے تھے۔ میرے ساتھ بہت
محبت اور کرم نوازی فرماتے۔

میری سرکار نے فرمایا۔ پھر خیرن کے لئے حضرت خواجہ خیر محمدؒ
کیا چھوڑا؟

آپ نے فرمایا کہ مجید خان اور حمید خان کی شادی کرا دی
جائے۔ دونوں میرے بیٹے اور وہ (میری بھانجیاں) میری بیٹیاں ہیں۔
گڈا گڈی کی شادی ہوگی۔ چاول اور دنبے لنگر کے ہیں۔ کس سے کیا
پوچھنا۔ عرض کیا۔ حضور کی مرضی۔

میری بدنصیبی! ایسا نہ ہو سکا۔ مگر حضرت خان صاحب نے یہ تمنّا
پوری فرمائی۔ سب کچھ ہوگیا۔

حضرت رحیمؒ اور جان محمد خان حیدرانی سکنہ شادن لنڈ
حضور رحیمؒ کے سچے عاشق اور جانثار مریدوں میں سے تھے۔

ایک روز جان محمد خان نے حضور سے عرض کی کہ میرا جنازہ آپ پڑھیں گے۔
آپ نے فرمایا۔ زندگی کا کیا بھروسہ۔ پہلے کون جاتا ہے۔ ہاں یہ میرا وعدہ ہے

کہ میں یا میری اولاد میں سے آپ کا جنازہ پڑھے گا۔

ایک روز مرشدم شکار کے لئے روانہ ہوئے بچادھ (مغرب) سے ہوتے ہوئے گھوڑوں کا رخ شادن لُنڈ کی طرف پھیر دیا۔ جب حضور شادن لُنڈ پہنچے تو ایک جنازہ آرہا تھا۔ آپ نے نماز جنازہ پڑھی۔ فرمایا۔ جان محمد خان! وعدہ پورا ہوگیا۔

ایک روز گرمی کا موسم، رات کے دس گیارہ بجے ہوں گے۔ ایک صاحب حضور کا فرمان لائے "کہ اسی وقت کار کی ٹینکی پٹرول سے بھرا کر اسی وقت بھیج دو مگر کسی سے ذکر نہ کرنا"

میں نے اسی وقت کار بھجوادی۔ مجھے کسی نے تبلایا کہ حضور کوٹ چھٹہ والی سڑک پر سے تشریف لے جا رہے تھے۔

دوپہر ایک دو بجے کے قریب حضور تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا۔ گھر میں جو کچھ بچا ہوا ہے اٹھالاؤ۔ پس خوردہ جو کچھ تھا اٹھالایا۔ سامنے رکھا۔ اور ساتھ ساتھ کھانا تیار ہوتا گیا۔ اور واقعہ سنایا۔

"سید غلام میراں شاہ فوت ہو گئے تھے ان کا جنازہ پڑھنے گیا"

سید غلام میراں شاہ قمبر شاہ والے آپ کے انتہائی عقیدت مند اور دوست تھے مرتے وقت وصیت کی کہ میرا جنازہ حضرت غلام نظام الدینؒ پڑھائیں خواہ ہفتہ بھر جنازہ کیوں نہ رکھنا پڑے۔ سید صاحب کی وفات پر آدمی اطلاع کی غرض سے ٹیلیفون یا تار کے لئے روانہ ہوئے۔ وہ ابھی جام پور پہنچے ہی تھے کہ آپ قمبر شاہ پہنچ گئے۔ آپ نے جنازہ پڑھایا اور واپس ہوئے۔

حضور رحیمؒ کے عرس مبارک پر حاضری کے لئے گیا۔ ڈرائیور ا
نہ تھا۔ وہ عارضی لے گیا تھا۔ وہ کار کو کسی ناپسندیدہ جگہ لے گیا۔ مجھے اس کا کچھ علم
نہ تھا۔ حضور کو پتہ چلا تو ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ اور کبھی اس کار پہ سوار نہ
ہوئے۔

ایک دفعہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن کے لئے "ذیل ہیرو"
"ذیل مکول" اور "ذیل مہوئی" کے لئے آپ نے سردار فیض محمد خان تنگوانی کو
بطور امیدوار نامزد فرمایا۔ حضور حج کے لئے روانہ ہوئے۔ ابھی کراچی میں
تھے کہ سردار صاحب نے تار بھیجا کہ مجھے اس الجھن سے معاف فرمائیں۔

حضور نے مجھے حکم دیا کہ اس نشست کیلئے اپنے کاغذات جمع کرا دیں۔
حکم کی تعمیل ہوئی۔ حج سے واپسی پہ میں نے حضور کی خدمت میں درخواست پیش کی
کہ سادات سنجر سیدان کو معاونت کیلئے حکم فرمائیں۔ آپ نے درخواست پہ تحریر فرمایا۔

"دل نہ کھاسوں ڈیکھے اللہ ایہے بھٹ میلے"

حضور کے کرم سے میں کامیاب ہُوا۔ سوکڑ سے خان محمد طغانی، منگروٹھہ
سے منظور احمد خاں کرٹانی کو کامیابی ہوئی۔ ہماری تحصیل تونسہ سے خاصی پارٹی ہو گئی بلکہ
چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل کے لئے یہ پارٹی ترازو کو پورا کرنے والی تھی۔ یعنی جس
طرف گئی وہ پلڑا بھاری ہوگا۔

حضور نے چیئرمین کے لئے سردار نواب زادہ محمود خان لغاری
کی امداد فرمائی۔ جس روز چیئرمین کا انتخاب تھا حضور نے ملتان سے تشریف لانا تھا
ہم لوگ گیدڑ والا کے مقام پہ انتظار کرنے لگے۔ دیر ہو گئی۔ حاجی فتح محمد خان

ے کہنے سے دل میں خیال آیا کہ کہیں دریا پر کشتیوں والی پل میں گڑبڑ نہ ہو اور کار
آ سکتی ہو۔ لہذا میں نے کار پل پر بھیج دی۔

ادھر حضور تشریف لائے۔ پل مرمت کے لئے اکھڑا ہوا تھا۔
کار مشرقی کنارے پر چھوڑ کر پیدل پل پار کیا۔

محمد رمضان آف کالا باغ حضور کا غلام تھا۔ کہا آپ کی کرامت
ہے غلام فرید اپنی کار بھیج دے۔ آپ نے فرمایا۔ کالا باغی میں کوئی کراماتی
ہوں؟

تھوڑی دیر بعد کار پہنچ گئی تو محمد رمضان نے کہا۔ مان گئے۔
آپ واقعی کراماتی ہیں۔

آپ ڈیرہ غازیخان تشریف فرما ہوئے۔ ہمیں کامیابی ہوئی۔
نواب زادہ محمود خان لغاری کو حضور نے روائتی پگ بندھائی۔

سردار فیض محمد خان کھوسہ ایڈوکیٹ کو حضور نے ڈسٹرکٹ بورڈ
کی نشست بلا مقابلہ دلائی مگر افسوس سردار صاحب نے ووٹ ہماری مخالفت
میں دیا۔ جس سے آپ کو انتہائی دکھ ہوا

میرے پاس ایک تانگہ گھوڑا تھا۔ گھوڑا چلت کا بہت ہی اچھا
تھا۔ دلکی دل لبھانے والی تھی۔ حضور کو اس کی چال بہت پسند تھی۔ میرے
ایک دوست نے پوچھے بغیر وہ تانگہ گھوڑا بیچ دیا اور کار خریدلی۔ ایک روز
حضور نے پوچھا تانگہ گھوڑا کہاں ہے؟ عرض کیا فلاں دوست نے بیچ دیا۔ فرمایا
میں گھوڑا بھیج دوں؟ عرض کیا وہ کام نہیں ہو سکتے۔ کار جو موجود ہے۔

ایک روز آپ ملتان چھاونی ریلوے سٹیشن سے ایک تانگ
پر سوار ہوئے ۔ گھوڑا بہت نحیف اور کمزور تھا ۔ آپ نے کوچوان سے فرمایا
اس کی خدمت کیوں نہیں کرتے ۔ بولا ۔غریب عیالدار ہوں اتنے پیسے ہی نہیں
بچتے کہ اس کی زیادہ خدمت کر سکوں ۔

آپ نے ایک ہزار روپے کوچوان کو دے کر فرمایا ۔ محمود نگر جا کر
گھوڑا لے آؤ اور اسے وہیں پہنچا دو ۔ دو ماہ بعد یہ گھوڑا بھی واپس لے آنا
دونوں تمہارے ہوں گے ۔

ایک روز حضور نے پوچھا ۔ غلام فرید کتنے بیٹے ہیں ؟
میں نے عرض کیا ۔ آٹھ ۔ (اس وقت اتنے تھے)

آپ نے فرمایا ۔ آہا ہا ۔ میرے نو بیٹے ہوتے ۔ کوئی گھوڑ وال ہو
کوئی کوٹانہ کوئی درکھان اور کوئی لانگری اور کوئی زمینوں کی دیکھ بھال کرتا ۔

ڈیرہ اسمٰعیل خان سے نواب نصراللہ خان علیزئی نے تار دیا کہ
بس کے ذریعے تونسہ شریف پہنچ رہا ہوں ۔ حضور نے حضرت فخر معین سے فرمایا
تمہارے ماموں بس سے آ رہے ہیں ۔ کار لے جائیں ۔

محکم دین ڈرائیور اور حضرت خان صاحب کار پر روانہ ہوئے پتح خان
کے قریب نواب صاحب کو بس سے اتارا اور کار پر بیٹھ کر روانہ ہوئے ۔ ٹبی میترانی
کے قریب خان صاحب نے کار خود چلانا شروع کر دی ۔ تیز رفتاری کی وجہ سے
بے قابو ہو کر قلابازیاں کھاتی گئی ۔ خدا کی قدرت کہ سب محفوظ
صرف خان صاحب کا ایک جوتا گم ہوا جو بعد میں مل گیا ۔

۲۸ ر مئی ۱۹۶۲ء کو خان صاحب وہی کار چلا رہے تھے۔
[illegible]خر یار بھی ہمراہ تھے۔ پل جٹ گاڑی واہ پر سے کار نیچے گر پڑی۔ خان صاحب
[illegible]ی ران پر خاصا زخم آیا۔ باقی سب محفوظ رہے۔ البتہ کار کو خاصا نقصان
پہنچا۔

حضور کی بائیں ہتھیلی پر پھوڑا نکل آیا۔ السدڈنہ جراح
ملتانی کو بغرض علاج بلایا گیا۔ مگر تکلیف، درد، ورم انتہا پر پہنچ گئے۔
[illegible]آپ کے شوگر تھی) زبردست بخار اور نیند عنقا۔ تونسہ شریف ہسپتال
کے ڈاکٹر نے چیرا دیا۔ جس سے تکلیف کی شدت میں اور اضافہ ہو گیا۔
ملتان جاکر ڈاکٹر عون محمد خان کو بلایا گیا۔ انھوں نے بے حسی کے ٹیکے
لگا کر انتہائی مہارت کے ساتھ گلے سڑے ماؤف حصوں کو کاٹ دیا۔

حضور نے فی البدیہہ چند اشعار گوہر بار تحریر فرمائے اور شہزادگان
کو حکم دیا کہ داداجان حضور رحیمؒ کے مزار مبارک پر جاکر عرض کرو۔ حکم کی تعمیل
کی گئی۔ درد میں افاقہ ہو گیا۔

آج بھی یہ اشعار اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں۔

از محمدؐ تا بہ محمود الانام
لطف جملہ باد بر بندہ نظام
از جناب ذات رحمٰن الرحیم
فضل شان بادہ ہمیشہ بر انیم

یعنی ابن عبد نظامؒ ابن رحیمؒ
زیرِ ظل شاہ سلیمانؒ و کریمؒ
آں نظامؒ ابنِ رحیمؒ ابنِ کریمؒ
باد بروے فضلِ رحمٰن و رحیم
از جناب حضرتِ خواجہ رحیمؒ
تا بذاتِ پاک رحمٰن و رحیمؒ
فضلِ جملہ باد بر بندہ نظامؒ
این دعا مقبول گشتہ والسّلام

ایک رات حضور ڈیرہ غازی خان تشریف لائے ۔ آپ پاکپتن
جا رہے تھے ۔ اس زمانے میں سٹیمر چلتا تھا ۔ میرا بیٹا عبدالمجید اس وقت
دورۂ بے ہوشی میں تھا ۔ دورہ شدت کا تھا ۔ آپ اس کے منہ پر ہاتھ
پھیرتے رہے اور پڑھتے رہے ۔ خدا کا کرم وہ دورہ ختم ہو گیا ۔ اس دن
سے آج تک دورہ پھر نہیں پڑا ۔ حالانکہ پہلے اکثر دورے پڑتے رہتے تھے
اس بات کو تقریباً ۳۴ سال بیت چکے ہیں ۔

صبح حضور سٹیمر پر روانہ ہوئے ۔ سٹیمر کنارے سے
دور تھا ۔ کار نہ چڑھائی جا سکتی تھی ۔ شرقی کنارے پر پوری بس کرایہ پر لے لی
حضور نے ساتھیوں کے علاوہ دیگر لوگوں کو بھی بلا کرایہ بس میں سوار کر لیا
ملتان سے آپ دوسری کار میں پاک پتن شریف روانہ ہوئے ۔

والدم بزرگوار کے فالج گرا۔ فالج کا اثر جسم کے دایئں طرف
ہوا۔ چھ سات روز بعد حضور تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا۔ یار محمد خان! کوئی
فکر نہ کرو۔ انشاءاللہ جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ آپ نے مفلوجہ حصہ پر اپنا
ہاتھ مبارک پھیرا۔ اور ملتان روانہ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد والدم بزرگوار نے
فرمایا۔ کہ "لنظاسنڑ" ہاتھ پھیرے اور میرا ہاتھ نہ اٹھے؟ ہاتھ اٹھالیا۔
پھر ٹانگ کو حرکت دینا شروع کیا۔ دوسرے روز چارپائی سے اترے پھر
خود بیٹھ گئے۔ القصہ تیسرے روز چلنا پھرنا شروع کر دیا۔

محترم بزرگ الحاج فتح محمد خان ملغانی کی ران پر پھوڑا
نکل آیا۔ مورجھنگی کے فقیر سلطان محمود نے اپریشن کیا۔ اور سوکڑ میں رد کر
تن دہی سے معالجہ میں مصروف رہے۔

اثنائے بیماری میں حضور رحیمؒ کو انتظار تھی۔ آپ ہر روز ایک
آدمی خیریت معلوم کرنے سوکڑ بھیجتے۔ زخم مندمل ہو گیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد پھر
تکلیف شروع ہو گئی۔ حاجی صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ
نے غلام علی شاہ تحصیلدار اور برخوردار خان ذیلدار سوکڑ کے ہمراہ اسسٹنٹ
سرجن تونسہ کے ہاں بھیجا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اپریشن کرنا پڑے گا اور
تین ماہ کا عرصہ ٹھیک ہونے میں لگے گا۔

یہ ماجرہ جب حضور نے سنا تو حاجی صاحب سے فرمایا فتح محمد!
کل صبح نماز کے بعد یاد دلانا۔ ہم اپنے طبیب سے حکم لیں گے۔

صبح نماز کے بعد حضور نے حاجی صاحب کا ہاتھ پکڑا اور مزار شریف

میں لے گئے۔ فتح محمد خان حضور اعلیٰؒ کے پاس رکنے لگے۔ آپ نے فرمایا اپنے قریبی پر زیادہ حجت ہوتی ہے۔ لہذا حضور کریم خواجہ اللہ بخشؒ کے مزار اقدس پر پہنچے حضور نے گڑگڑا کر اپنے مرید کی شفایابی کی دعا مانگی۔

حاجی صاحب کہتے ہیں۔ میں تو روتا رہا اور اپنی سُدھ بدھ کھو چکا تھا واپس آئے۔ ایک جراح سے پٹی کرانے کا حکم ہوا۔ دوسرے روز سے افاقہ محسوس ہونے لگا۔ ایک ہفتے میں زخم بالکل ٹھیک ہو گیا۔

خواجہ غلام مصطفیٰؒ کا وصال مہار شریف میں ہوا۔ میرے حضور نے فرمایا۔ میری کار کی باڈی کاٹ کر مرحوم کا جسد مبارک رکھا جائے۔ خواجہ حافظ سدید الدینؒ مہار شریف میں مقیم تھے۔ انھوں نے اپنی کھلی چھت والی جیپ جسد مبارک رکھنے کے لئے پیش کی۔ جس پر آپ کو تونسہ شریف لایا گیا۔

خواجہ حافظ سدید الدینؒ ۱۹۵۰ء میں پنجاب اسمبلی کے امیدوار تھے۔ دوسری طرف سے سردار امیر محمد خان قیصرانی سرکاری امیدوار تھے۔ سردار صاحب کو ہارتے دیکھا تو بمقام کالو والا، ڈپٹی کمشنر، ایس پی و دیگر عملہ، پولنگ سٹیشن پر جا پہنچا۔ مرشدم بھی پہنچ گئے۔ سب لوگ یعنی ووٹران سرکاری آدمیوں کو چھوڑ کر حضور کے ہاں آ گئے۔ اس پر سردار صاحب کو گنتی کے چند ووٹ ملے اور وہ ہار گئے۔ اور حافظ سدید الدین کامیاب ہوئے۔

ون یونٹ ٹوٹنے کے بعد ایوب خان کے دور صدارت میں بھی حافظ صاحب، مرشدم کے تعاون سے پنجاب اسمبلی کے دوبارہ ممبر منتخب ہو گئے۔

۱۱؍ اپریل ۱۹۶۰ء مطابق ۱۴؍ شوال ۱۳۷۹ھ حضرت سدید الدین کا بھائی پھیرو کے مقام پر وصال ہوا۔ آپ کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا جانشین اور سجادہ سرفراز خان عرف میاں جنوں ہوگا۔ کچھ اختیارات اپنی رفیقہ حیات کے لئے بھی فرمایا۔ میاں جنوں آپ کا لے پالک یعنی متبنیٰ تھا۔ ۱۴؍ اپریل کو فتنہ برپا ہوا۔ سجادگان چشتیہ میں سے بعض حضرات وصیت کے مطابق میاں جنوں کے حق میں تھے۔ مرشدم نے کسی کی پرواہ کئے بغیر حسب دستور مرحوم کے حقیقی بھائی حضرت خواجہ خان محمد کے سر پر دستار مبارک رکھ کر اس فتنہ کو ختم کر دیا۔ تمام حضرات نے تائید کی اور مخالفین میں سے کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ حضرت خواجہ خان محمد سجادہ نشین ہوئے۔

آپ ہر منگل اور جمعہ کے روز اسی طرح چاند کی سات، چودہ[۱۴] اور انتیس[۲۹] تاریخ کو خواہ کیسا ہی موسم کیوں نہ ہو روزہ رکھتے تھے۔ افطاری مرتبان کی کھنی اور سحری میں صرف سبز چائے استعمال فرماتے۔ غذا انتہائی سادہ ہوتی۔ قریب بیٹھے ہوئے کے منہ میں نوالے دیتے تھے۔ دسترخوان پر کبھی اکیلے نہ بیٹھتے۔ شہد کا استعمال ضرور فرماتے۔

غالبؔ کے آپ مداح تھے۔ دیوانِ غالب حفظ تھا۔ اس کا سمجھنا، سمجھانا ایک درس کے طور پر ہوتا تھا۔ غالبؔ کے اشعار پر بحث اکثر ادبی محافل میں ہوتی۔ غالبؔ کے چیدہ چیدہ اشعار اکثر وردِ زبان ہوتے۔

حق جادہ گر از طرز بیانِ محمدؐ است
آرے کلام حق بہ زبانِ محمدؐ است

ترجمہ :۔ حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے طرز بیان سے جلوہ گر ہے۔ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زبان مبارک پر جاری ہے۔

آئینہ دار پرتو مہر است ماہ تاب
شانِ حق آشکار از شانِ محمدؐ است

ترجمہ :۔ جیسے چاند، سورج، کے پرتو کا آئینہ دار ہے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان سے حق تعالیٰ کی شان کا اظہار ہوتا ہے۔

ہر کس قسم بداں چہ عزیز است میخورد
سوگندِ کردگار بہ جانِ محمدؐ است

ترجمہ :۔ ہر کوئی اسی کی قسم اٹھاتا ہے جسے وہ محبوب رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی قسم اٹھائی ہے۔

ایک روز دو آدمی آپ سے ملے۔ فرمایا۔ میں نے پہچانا نہیں۔
ایک نے عرض کیا۔ میں دیوان صاحب کا دھوبی ہوں۔ پاک پتن شریف سے آیا ہوں۔
آپ نے فرمایا۔ غلط! دیوان صاحب کے دھوبی تو حضرت بابا گنج شکرؒ ہیں۔
اور قصہ بیان فرمایا:۔

ایک صاحب دہلی سے حضور دیوان صاحب کی تعریف و توصیف سن کر پاک پتن شریف پہنچے۔ رات کا وقت تھا۔ حضور دیوان صاحب کا پتہ کرتے کرتے ایک محفل راگ و سرود میں پہنچے۔ وہاں دیوان صاحب موجود تھے۔ اس اجنبی کو بڑا افسوس ہوا کہ میں کس عقیدت سے حاضر ہوا تھا اور دل میں کیا کیا سوچ کر آیا اور یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔

رات کو خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک نہر کے کنارے حضرت بابا گنج شکرؒ کپڑے دھو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضور مجھے دیجئے میں کپڑے دھو دوں۔ حضور باباؒ نے فرمایا۔ نہیں بیٹا۔ یہ بچوں کے چھینٹے ہیں۔ خود دھوؤں گا۔

خواب سے بیدار ہو کر افسوس کیا کہ میں نے دل میں کیا کیا غلط اندازے ٹھان لئے تھے۔ صبح گلے میں کپڑا ڈال حضور دیوان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دیکھتے ہی فرمایا۔ "نہر مڑ جیڑا ویکھ کے" میں نادم ہوا۔

حضور دیوان صاحب کے دھوبی خود حضور گنج شکرؒ ہیں تم نہیں ہو سکتے۔

ایک روز یار محمد کھوسہ ساکنہ یارو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ میرا بیٹا حج کے لئے پیدل گیا۔ اثنائے سفر ایک آبادی کے قریب

پہنچا۔ پیاسا تھا۔ پانی پیا۔ کئی اور ساتھی بھی تھے۔ ایک مقامی بدّو سے جھگڑا ہو گیا
میرے بیٹے نے بدّو کو شدید زخمی کر دیا اور وہ فوت ہو گیا۔ آپ مہربانی فرمائیں
سعودی عرب کے بادشاہ کے نام چٹھی عطا فرمائیں کہ وہ مدعی کو خون بہا پر راضی
کیا جائے اور اس طرح شاید میرے بیٹے کی جان بچ جائے۔

آپ نے شاہ سعود کے نام چٹھی تحریر فرمائی کہ شرعی حدود
کے اندر رہتے ہوئے دوسری پارٹی کو خون بہا پر راضی کیا جائے۔

حکومت نے پوری کوشش کی۔ خود حکومت ہی کثیر معاوضہ دینے
پر رضامند ہو گئی۔ افسوس کہ بدّو قصاص پر قائم رہے۔

ہندو پاکستان علیحدہ ہوئے۔ مسلمانوں کی حکومت بنی
اور ریاستوں میں ہلچل مچ گئی۔ کشمیر کے راجہ کا پروگرام کشمیر کو ہندوستان
کے ساتھ ملانے کا تھا اور حیدر آباد دکن کا پاکستان سے۔ دقت یہ تھی
حیدر آباد دکن کا کوئی کونہ پاکستان سے نہ ملتا تھا۔ حیدر آباد کا جھگڑا مدت
تک چلتا رہا۔ قاسم رضوی نے تو حکومت ہندوستان کو کافی پریشان کر رکھا
تھا۔ اہلیان حیدر آباد پاکستان آنے کے خواہشمند تھے۔

قائداعظم کی وفات کے روز ہندوستانی فوج نے حیدر آباد
پر قبضہ کر کے وہاں کی مقتدر ہستیوں کو گرفتار کر لیا۔ جن میں حضرت خواجۂ
خواجگان نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے سجادہ نشین حضرت قیصر میاں بھی
شامل تھے۔

مرشدم کو حضرت قیصر میاں سے بے انتہا محبت تھی۔ آپ

کو معلوم ہوا تو ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کو خط لکھا کہ حضرت قیصر میاں صاحب پُر امن شہری ہیں ۔ غلط فہمی میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا ہے ۔ میں (حضرت محمد غلام نظام الدین تونسوی) ضمانت دیتا ہوں کہ حضرت سے کوئی ایسی بات سرزد ہوئی نہ ہوگی ۔

خط ملتے ہی حضرت قیصر میاں کو رہا کر دیا گیا ۔

پاکستان بننے کے خاصہ عرصہ بعد ہندو فوجی افسر تونسہ شریف حاضر ہوئے ۔ حضور کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اور ہاتھ باندھ کر عرض کی اور پنڈت جواہر لعل نہرو کی طرف سے بصد نیاز عرض کی کہ وزیر اعظم ہندوستان آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے ضلع کے ہندوؤں سے جو مخلصانہ سلوک فرمایا نیز حضرت قیصر میاں اور آپ سے معذرت خواہ ہیں ۔

نواب زادہ محمد صادق خان کھاکوانی کے کسی عدالتی قضیہ سے تکلیف پہنچی ۔ حضور کو معلوم ہوا ۔ ان دنوں ملتان کے کمشنر سردار عطا محمد خان لغاری تھے ۔ حضور نے انہیں ٹیلیفون کیا کہ جب تک نوابزادہ محمد صادق خان کھاکوانی کی خیریت کی اطلاع نہیں ملے گی میں کھانا نہیں کھاؤں گا ۔

لغاری صاحب نے اسی وقت کیس منگوا کر معاملہ طے کر دیا ۔ اور حضورؒ کو اطلاع دی ۔ تب آپ نے کھانا کھایا ۔

سردار عاشق محمد خان مزاری کے خلاف اپنے عزیزان سردار اورنگ زیب خان مزاری اور سردار نجم الدین خان مزاری وغیرہ مخالف پارٹی تھے ۔ دوسری طرف سے سردار رحیم یار خان مزاری سربراہ تمن دار

اور سردار محمد حسین خان مزاری، عزیز خان مزاری، عاشق خان مزاری
طرف دار اور حامی تھے۔

پہلی پارٹی یعنی سردار اورنگ زیب مزاری وغیرہ نے جرگہ میں
سردار عاشق محمد خان مزاری کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا کہ قواعد جرگہ کی
سے سردار عاشق محمد خان مزاری وارث جانشین نہیں بن سکتا۔ مقدمہ طوالت
اختیار کر گیا اور شہادت وغیرہ تک نوبت آ پہنچی۔

حضور یہ قصہ سن کر دونوں پارٹیوں کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ
تم لوگ مسلمان ہو۔ شریعت کے مطابق مقدمہ طے کرو۔ جرگہ رواجی شے
شریعت اور رواج برابر نہیں ہو سکتے۔ حتیٰ کہ دونوں پارٹیوں کو رضا مند فرما
اور سردار عاشق خان مزاری کے خلاف مقدمہ واپس لے لیا گیا۔

صدر محمد ایوب خان اور محترمہ فاطمہ جناح کا الیکشن ہونے
والا تھا۔ حضور ڈیرہ غازیخان تشریف فرما ہوئے۔ کمپنی باغ میں محترمہ کے
حق میں جلسہ تھا۔ میری سرکار نے بھی محترمہ فاطمہ جناح کے حق میں تقریر
فرمائی۔ جمعہ کا روز تھا۔

آپ کا صدر ایوب کے خلاف ہونا بھی ایک قصہ ہے۔ کراچی
میں جب حضور نے صدر ایوب سے شریعت کے اجرا کے متعلق کہا تو صدر صاحب
نے وعدہ تو کر لیا مگر ایفائے وعدہ نہ ہوا۔

حضور کا پروگرام افغانستان جانے کا ہوا تاکہ چشت شریف
جا کر حاضری دیں نیز غازی امان اللہ مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھیں۔ صدر ایوب

کے حکم سے آپ کا پاسپورٹ ضبط کر لیا گیا اور افغانستان جانے کی اجازت نہ ملی۔

کچھ عرصہ بعد ایوب خان کو احساس ہوا کہ حضور کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ لہذا امیر محمد خان آف کالا باغ کو تلافی کے لئے بھیجا۔ نواب کالا باغ پندرہ دن تک ملاقات کی اجازت کے لئے "کراڑی والا" بنگلہ پر مقیم رہا مگر حضور نے ملاقات سے انکار کر دیا۔

۱۶ر جنوری ۱۹۶۲ء سردار حافظ غلام حسن خان لغاری حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ الیکشن میں امداد کے طالب ہوئے۔ حضور نے فرمایا انشاء اللہ! مگر داڑھی نہ منڈھوانا۔

حافظ صاحب اپنی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اور بہت مضبوط پوزیشن بنالی۔ مگر ان کی قوم کے سردار محمد خان لغاری نے دھوکہ سے ان کی درخواست ضائع کرا دی۔

حضور کو جب مشائخ کانفرنس کے لئے صدر ایوب نے خط لکھا اور حاجی محمود خان کانجو خط لے کر حضور کی خدمت میں پہنچا اور خط پڑھ کر سنایا۔ حضور طیش میں آ گئے۔ فرمایا۔ کانجو! اسی خط پر لکھو۔

بروایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلنداست آشیانہ

اور یہی خط واپس صدر ایوب کو بھیج دو۔

بعینہٖ جب غیاث الدین تغلق بنگالہ کی فتح سے فارغ ہُوا تو ایک خط حضرت
نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کج کلاہی دہلوی کے حضور روانہ کیا جس میں اس
نے لکھا تھا کہ میں جب دہلی پہنچوں تو آپ کو دہلی میں نہ دیکھوں۔
آپ نے اسی خط پر یہ لکھ کر اسے واپس بھجوا دیا کہ
"ہنوز دلی دوُر است"

میں ایک روز نواب درمحمد خان خاکوانی کے بنگلہ کے باہر کھڑا تھا
مولانا احمد سعید صاحب کاظمی ایک صاحب کے ساتھ بنگلہ کی جانب آرہے تھے
وہ صاحب مولانا صاحب سے کہہ رہے تھے " یہ پیر لوگ تو یونہی دکان چمکانے کے
لئے ہیں۔ ان کا علم سے کیا واسطہ؟"
مولانا صاحب نے فرمایا۔ " انھیں ایسا ویسا پیر مت سمجھو۔ یہ علم و
عرفان کے سمندر ہیں۔"
اس نے مولانا صاحب کی بات سُن تو لی مگر شاید مطمئن نہ ہُوا۔
لہذا اس نے حضور سے ایک مسئلہ دریافت فرمایا۔ حضور نے اس کے اسباب و
علل، نشیب و فراز، جواز، اثبات و نفی، زمانہ، وقت حتیٰ کہ ہر پہلو پر سیر حاصل
گفتگو فرمائی۔ وہ صاحب سنتے رہے اور علامہ سعید کاظمی کی طرف بار بار دیکھتے
رہے۔

رخصت ہوئے میں بھی چپکے سے ساتھ ہو لیا۔ دروازے کے باہر
انھوں نے حضرت کاظمی سے کہا۔ "میں تو صرف پیر سمجھا تھا۔ آپ تو علم کے بحرِ
بیکراں ہیں۔"

۲۰ ۴/۶۵ حاجی نزائی خان نامی کرٹی ممنزری نے حضور کی دعوت کی۔ اتفاق سے میں بھی کسی ضروری کام کے سلسلے میں حضور کے پاس حاضر ہوا۔ غلام محمد کوہاٹی بھی میرے ہمراہ تھے۔ سب لوگ کھانے پر بیٹھے پھر پٹھانوں کی مہمان نوازی ؟ حاجی جمعہ خان (حاجی نزائی خان کے برادر خورد) نے کہا۔ دیکھنا ڈاکٹر زیادہ کھاتا ہے۔ پھر کیا تھا۔ میرے سامنے اس قدر روٹیاں رکھی گئیں کہ میں آگے والے شخص کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو حضور نے فرمایا۔ کہ تم لوگوں نے نماز کہاں پڑھی ؟ میں اور غلام محمد کوہاٹی دونو خاموش۔ حضور نے غصے سے فرمایا۔ مسلمان کہلاتے ہو اور نماز نہیں پڑھتے۔ ہمیں ندامت ہوئی۔

ہمارے میزبانوں نے کہا ہمیں پہلے معلوم ہوتا کہ آپ نے نماز نہیں پڑھی تو آپ کو کھانا نہ دیتے۔

ہمارے ہاں پٹھانوں کا رواج ہے کہ نماز نہ پڑھنے والوں کو کھانا نہیں دیتے۔

میرے بیٹے اکبر فرید ایڈووکیٹ سے حضور نے فرمایا کہ تم مرید کیوں نہیں ہوتے۔ اس نے جواباً کہا کہ مجھے خواجہ گل محمد خان صاحبؒ سے پیدائش کے وقت مرید کرایا گیا تھا۔ آپ نے حکم دیا۔ دوبارہ ہو جاؤ۔

دلی قربت کی وجہ سے حضرت معین خان صاحب نے اپنی مریدی میں لینے کی اجازت چاہی۔ حضور نے مدینہ منورہ جا کر بیعت ہونے کا حکم دیا۔ قافلہ کا داخلہ برائے حج بھجوایا گیا۔ مگر قرعہ اندازی میں نام

نہ آنے کی وجہ سے سلسلہ بیعت کئی سالوں تک ملتوی رہا۔

۱۹۶۸ء میں حضرت فخر جہاںؒ، حضرت معین خان معہ اہل خانہ سمندری راستہ سے حجاز مقدس روانہ ہوئے۔ خادم، والدہ اکبر فرید، اکبر فرید سردار محمد اسماعیل خان حیدرانی اور ان کے رفقاء بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہوئے۔

ہم سب لوگ پاسپورٹ و دیگر لوازماتِ سفر کے بغیر کراچی پہنچے۔ حضرت خان صاحب اور میرے پیرو مرشد کے کرم سے حاجی احمد بخش نے پاسپورٹ، صحت سرٹیفکیٹ، ویزا، ٹکٹ تک ہر کام ایک ہفتہ کے اندر کر دیئے۔

حضرت غلام محمود صاحبؒ اور ان کی والدہ ماجدہ، نواب زادہ حمید اللہ غلزئی، سردار صالح محمد خان معہ اہل خان، حضرت مولوی قمر دین مکھڈی معہ اہل خانہ پہلے ہی مکہ مکرمہ پہنچے ہوئے تھے۔ ہم بھی اسی مکان میں جا ٹھہرے۔

ایک روز حضرت مولوی قمر دین مکھڈی طوافِ زیارت کی بھیڑ میں بے ہوش ہو گئے۔ جلدی سے دوستوں نے انھیں بھیڑ سے نکال لیا ورنہ پیروں تلے کچلے جانے کا خدشہ تھا۔

منیٰ میں حضرت غلام محمود کی والدہ کو دمہ کا دورہ پڑا۔ پہلے تو پریشانی لاحق ہوئی۔ مگر میرے پاس ابتدائی طبی امداد کے واسطے کچھ دوائیں موجود تھیں۔ میں نے دوائیں استعمال کرائیں۔ اللہ کے فضل سے آرام ہوا۔
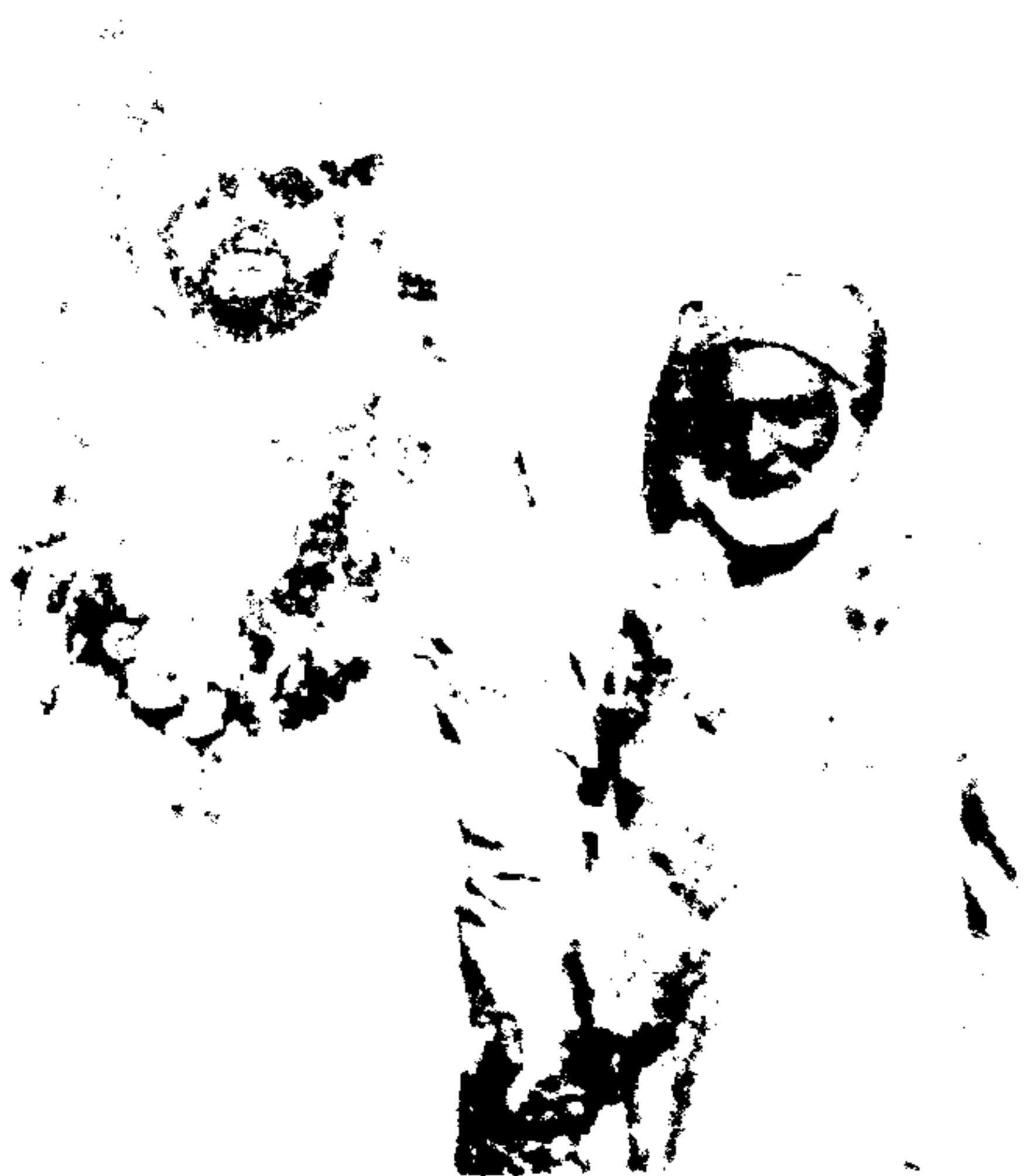
سمندری جہاز جس میں حضرت فخر پارؒے اور حضرت معین خان صاحب سوار تھے چیچک کا ایک کیس ہوگیا۔ جہاز قرنطینہ میں روک دیا گیا۔ ان مسافروں کا حج نہ ہوسکا۔

حج گزرنے کے بعد آپ عمرہ ادا کرنے تشریف لائے۔ اکبر فرید تو ہوائی جہاز کا مسافر تھا مگر سیٹ کی عدم دستیابی کی وجہ سے رک گیا۔ وہی ہوا جو حضور نے فرمایا تھا۔ جالی مبارک کو پکڑ کر معین خان صاحب نے اکبر فرید کو اپنا مرید بنالیا۔

باغ علی زرگر ساکنہ ڈونہ کو ایک قتل کے مقدمہ میں سزائے موت سنائی گئی۔ ہائی کورٹ میں اپیل خارج ہوگئی۔ حتیٰ کہ تاریخ و وقت پھانسی طے ہوگیا۔ اس کے والدین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے لئے ملتجی ہوئے۔ آپ نے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ کافی دیر دست بدعا رہے۔ اور فرمایا۔ جاؤ تسلی رکھو۔

خدا کی قدرت کہ پھانسی کے وقت سے کچھ دیر قبل صدر ایوب خان نے صدر بننے کی خوشی میں سزائے موت کے قیدیوں کو سزائے عمر قید میں تبدیل کردیا۔ اس طرح باغ علی زرگر بھی پھانسی سے بچ گیا۔ اب وہ قید کاٹ کر ڈونہ میں زندہ موجود ہے۔

آپ ملتان تشریف فرما تھے۔ ایک غریب طالب علم حاضر ہوا۔ عرض کی کہ فیس نہ ہونے کی وجہ سے کالج سے نام خارج کیا جارہا ہے آپ نے حافظ زین العابدین کی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا صرف پانچ نقد

روپیہ ہے اور گاڑی میں تیل بھی ڈلوانا ہے ۔حکم ہوا دے دو ۔ طالب علم ر
لے کر چلا گیا ۔

تھوڑی دیر بعد ایک پٹھان نے ہزار روپے نذر کئے ۔ یہ تو ایک
معمولی واقعہ ہے ۔ حضور تو اکثر اسی سلسلے میں رہتے ۔ جس نے گھوڑا ما
دے دیا ۔ اونٹ ، بیل ، موٹر حتیٰ کہ کپڑے تک دے دیتے ۔

جان محمد خان تنگوانی سکنہ بیرو شرقی کے ایک لڑکے او
لڑکی نے ایف ۔ ایس ۔ سی پاس کر لیا ۔ نمبرات کم ہونے کی بنا پر میڈیکل کالج می
داخلہ نہیں ہو سکتا تھا ۔

جان محمد خان نے حضور کی خدمت میں امداد کے لئے عرض کی ۔ آپ
نے اپنی پہاڑی زمین کا کچھ حصّہ جان محمد خان تنگوانی کے نام کر دیا ۔ اس طرح ان
بچوں کو پہاڑی کوٹہ سے داخلہ مل گیا ۔

جناب عبداللہ خان سابق ہیڈ ماسٹر تونسہ شریف کے والد مولوی
محمد یار خان اپنے علم و فضل میں یکتائے زمانہ تھے ۔ تحصیل تونسہ کے اکثر اساتذہ آپ
کے شاگرد تھے ۔ حافظہ بلا کا تھا ۔

ایک رات محفل سخن گرم تھی ۔ حضور ایک شعر پر رک گئے ۔ فرمایا ''آگے
سب خاموش ۔ آپ نے ایک قوال کو حکم دیا کہ مولوی صاحب سے جا کر کہیں '' آگے
قوال پہنچا ۔ دروازہ کھٹکھٹایا ۔ مولوی صاحب باہر آئے ۔ پوچھ
کیسے آئے ۔ قوال نے کہا حضور پوچھتے ہیں '' آگے ۔''

مولوی صاحب نے کاغذ پر شعر کا اگلا مصرع تحریر کر دیا ۔

قوال واپس آیا۔ آپ کو کاغذ دیا۔ آپ نے پڑھ کر فرمایا۔ آہا ہا!
مولوی صاحب زندہ باد۔

ایک دفعہ تونسہ شریف میں زبردست آندھی آئی۔ مکانوں
کی چھتیں اڑ گئیں۔ شیش محل کے اوپر لوہے کی چادروں سے محیط ایک کمرہ بنا
ہوا تھا۔ جس کی چھت بھی لوہے کی چادروں کی تھی۔ خاصہ زمانہ گزرنے سے
شاید اس کی کیلیں ڈھیلی پڑ گئی تھیں اور وہ چھت اڑ کر حضور اعلیٰ حضرت شاہ محمد سلیمانؒ
کے روضہ اقدس کی ایک ہشت پہلو والی گنبدی پر آ پڑی۔ جس سے وہ ٹوٹ
گئی۔ حضور کو بہت افسوس ہوا۔ آپ نے وہ پوری منزل اتروا دی۔

گرمیوں میں آپ اکثر مری میں رہتے۔ گھوڑا گلی میں ایک
سوداگر کی کوٹھی مستقل طور پر کرایہ پر لے رکھی تھی۔ ہر قسم کا فرنیچر،
قالین، کھانے کے برتن اور دیگر ضروری سامان اور باورچی وغیرہ وہاں
ہوتے۔ مری میں اس کوٹھی کے قریب ایک ہوٹل تھا۔ آپ کبھی کبھار دوستوں
کے ہمراہ اس ہوٹل میں چائے نوش فرماتے۔

آپ سبز چائے نوش فرماتے۔ "چین" سے منگوائی جاتی۔ مولانا
ابوالکلام آزاد نے سبز چائے کی تعریف کتاب میں لکھی۔ حضور فرماتے۔ کاش!
ابوالکلام ہماری چائے پی کر دیکھتا۔

ہوٹل میں ایک انگریز چائے پی رہا تھا۔ اس نے چائے میں برف
ڈال رکھی تھی۔ حضور نے بھی اپنی چائے میں برف ڈال دی۔ انگریز یہ دیکھ کر
بہت خوش ہوا اور کھڑے ہو کر شکریہ ادا کیا۔

آپ فرماتے ۔ میرے عرس میں زیادہ تردد نہ کرنا ۔ ہم کو
کے ساتھ شریک ہو جائیں گے ۔ ہاں ! سبز چائے فاتحہ میں دینا ۔
جو آیا اللہ کی راہ میں دے دیا ۔ میرے ایک دوست نے کہا
تھا ۔

"اے خوش آں منعم کہ چوں درویش زلیست"

آپ زبردست حافظہ کے مالک تھے ۔ کسی سفر میں تشریف
لے جاتے اور اختتام سفر پر حال احوال چلتا ۔ یہ آپ کا طریقہ تھا ۔
فرماتے ۔ فلاں جگہ پر اتنے بج کر اتنے منٹ پر پہنچے اور اتنے بج کر
اتنے منٹ پر چلے ۔ مجلس میں کسی کے متعلق تذکرہ ہوتا تو آپ ضرور راوی کا
ذکر فرماتے کہ میرا راوی فلاں ہے ۔
عالمانہ سلسلہ کی باتوں میں مولوی احمد اللہ ، مولوی علی گوہر صاحب
اور میاں احمد جراح کا نام انتہائی عقیدت سے لیتے ۔
ایک دفعہ علمائے دیوبند نے ایک فتویٰ مشتہر کیا ۔ مولوی علی گوہر صاحب
کا جواب آیا تو آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب کے بعد اب کسی سند کی ضرورت نہیں ۔
مدینہ منورہ میں حضور کی رہائش مولانا ضیاء الدین قادری
کے ہاں ہوتی تھی ۔ مولانا صاحب سیالکوٹ کے قریب گاؤں علی پور سیدان کے
رہنے والے تھے ۔ آپ کے والد قادیانی تھے ۔ اس بنا پر مولانا صاحب نے
گھربار کو خیرباد کہہ دیا تھا ۔ بزرگان عظام ہندوپاکستان کی خانقاہوں سے ہوتے ہوئے
تونسہ شریف بھی آئے ۔ وہاں سے سندھ میں کراچی پھر بغداد شریف پہنچے ۔

پیرانِ پیر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے دراقدس پر قیام کیا۔ چالیس سال وہاں رہے۔ پھر مدینہ منورہ آئے۔ شادی کی اور فرزند (فضل الرحمٰن) عطا ہوا۔ حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن کا انتقال ۱۹۸۳ء میں ایک سو پندرہ ۱۱۵ برس کی عمر میں ہوا۔ آپ جنت البقیع میں دفن ہیں۔

ایک دفعہ مولانا صاحب کو کئی روز کا فاقہ ہوا۔ کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ ایک بدو آیا اور آٹا اور شہد دے کر چلا گیا کہ کھانا تیار کریں۔ دیکھا تو آٹے میں اشرفیاں تھی۔ کھانا تیار کیا۔ اور بدو کا انتظار کرنے لگے لیکن بدو نہ آیا۔ ایک دوست کو ماجرا سنایا۔ اس صاحب نے کہا کہ آٹے میں کچھ اور بھی ملا۔ بتلایا۔ اشرفیاں تھیں۔ اس صاحب نے کہا۔ مولانا صاحب! یہ مدنی سرکار کا قاصد تھا۔ جو اپنے مہمانوں کو بھوکا نہیں رکھتے۔ کھاؤ۔ کسی کا انتظار نہ کرو

ایک روز میں مولانا صاحب کے ہمراہ حرم نبوی گیا۔ حرم کے باہر مخلوق خدا سوئی ہوئی تھی۔ مولانا نے فرمایا۔ غلام فرید ہمیں دکھائی نہیں دیتا ورنہ ان میں کتنے اولیاء سو رہے ہیں۔

مدینہ منورہ میں نیک ترین شخص کے متعلق دریافت کیا جاتا تو مولانا ضیاء الدینؒ کا نام لیا جاتا۔

حضور رحیمؒ فرماتے تھے۔ مدینہ منورہ میں ہمارے وکیل موجود ہیں۔ یعنی مولانا ضیاء الدین صاحبؒ۔ آپ سیّد احمد رضا خان بریلویؒ کے خلیفہ اوّل تھے۔ آپ کو بریلویؒ صاحب سے اور انھیں آپ سے دلی محبت تھی۔ آپ موجودہ طرز، طریق سعودی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم

نے انھیں یہاں کی حکومت ظاہرہ تو سپرد فرمائی ہے مگر آزمائش ہو رہی ہے اور
بیچارے اپنی آزمائش میں ناکام ہو رہے ہیں ۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے ۔ میں مرجاؤ
گا ۔ ان لوگوں کا جو واسطہ سرکارِ دوجہاں سے ہے وہ ناقابل برداشت ہے
اور ان کی بربادی کا موجب ہے ۔ آپ کا مکان حرم نبوی کے قریب تر بڑ
ڈاکخ ... کے پیچھے واقع ہے ۔

۱۹۵۷ء میں حجرہ مبارک پر غلاف تھا ۔ یہ طرز نہ تھا جو
اب ہے ۔ اس زمانہ میں روضہ اقدس کے اندر حجرہ مبارک فرش سے بمشکل چار
پانچ فٹ تک اونچا تھا اور سبز غلاف ترکوں کے زمانے کا جس پر اللہ محمد
سونے کی تاروں سے لکھا ہوا تھا بچھا ہوتا تھا ۔ پیروں کی طرف سے جالی مبارک سے
نگاہ آر پار صاف دکھائی دیتی تھی ۔

پھر ایک زمانہ بعد ۱۹۶۹ء میں ہم وہاں پہنچے تو حجرہ مبارک کے ساتھ
ساتھ ملا ہوا پلائی وُڈ کی چادریں چاروں اطراف فرش سے لے کر اوپر تک جہاں
تک نگاہیں پڑتی تھیں جڑا ہوا تھا ۔ پھر کچھ عرصہ بعد ۱۹۷۰ء میں پلائی ووڈ کی
چادروں پر غلاف ڈال دیا گیا ۔ اب حجرہ اقدس کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا ۔

اسی طرح سلام والی جگہ پر حضور کے اسم مبارک "یا محمدؐ" (پیتل کے
فرمہ کا ڈھلا ہوا ترکوں کے وقت کا تھا) کچھ عرصہ بعد دیکھا تو "یا" کا نچلا حصّہ
مُڑا ہوا تھا ۔ پھر کچھ عرصہ بعد "یا" کو ختم کر کے نیا فرمہ ڈھلا ہوا لگایا گیا ۔

مرشدم ہر مرتبہ طواف ضرور کیا کرتے ۔ جیب ریالوں سے بھری
ہوئی ہوتی ۔ اور مٹھیاں بھر بھر دیتے رہتے ۔

جب تک بیر عثمانی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کنواں) اچھی حالت میں تھا
پ اسی کا پانی پیتے تھے۔ برف تو چند سال ہوئے بننے لگی۔ پہلے تو مدینہ کی ٹھنڈی
راحیوں کا پانی برف سے بھی افضل تھا۔

میرے دوست نے ایک قصہ سنایا جو انھوں نے خود اپنی
نکھوں سے دیکھا تھا۔ اس نے کہا، کہ میں کئی مرتبہ بدر خصوصاً بدر کی وہ
جگہ جہاں جنگ ہوئی تھی راتیں گزاریں۔ رات بھر گھوڑوں کے ہنہناتے اور
نتھنوں کے پھنکارنے۔ ٹاپوں کی آواز۔ لگام کی جھنکار سنائی دیتی تھی۔ اس
کی تائید کئی اور دوستوں نے بھی کی۔

اسی طرح میرے ایک محسن جناب مولوی محمد یار فریدی نے تبلایا کہ
ایک دفعہ عید الفطر ہم لوگوں نے مدین میں جا کر گزاری۔ وہاں ہم رات بھر
حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنتے رہے۔ وہاں کے
لوگوں نے بھی کہا کہ یہ آواز ہمیشہ اسی طرح سنائی دیتی ہے۔

مرشدم کو حضرت سید حیرت وارثی سے انتہائی محبت و
دوستی تھی۔ آپ حضور کریمؒ کے عرس مبارک پر ضرور آیا کرتے تھے۔
آپ ہمیشہ پیلا احرام اوڑھا کرتے تھے۔ پلیٹھ کبھی ٹکا کر نہ بیٹھتے۔ اپنے
روایاتِ وارثی پر مکمل طور پر قائم تھے۔ آپ کے اشعار اور نظمیں خاص
طور پر نظم "تو لنہ کی گلیاں" اب بھی پڑھی جاتی ہیں۔

ریاست بہاول پور میں دریائے ستلج کے کنارے
میرے ایک پیر بھائی کی زمینداری تھی۔ باغات تھے۔ جن سے کئی ہزار

من اناج خرمن ہوتا تھا ۔ دریا کا رخ میرے پیر بھائی کی زمین کی طرف ہوا اور تمام زمین دریا برد ہوگئی ۔ انتہائی پریشانی کے عالم میں حضور سے التجا کی کہ اجڑے دیار میں قدم رنجا فرمائیں ۔ پھر بہار آجائے گی ۔ میری سرکار وہاں پہنچی اور اسی سال سے آبادی شروع ہوئی اب تو پہلے سے زیادہ پیداوار ہونے لگی ۔

۱۹۶۲ء میں فضل الرحمٰن مدنی (حضرت مولانا ضیاء الدین قادری کے فرزند ارجمند) تونسہ شریف آئے ۔ محمودی مسجد میں نماز جمعہ کا خطبہ اور امامت فرمائی ۔ آپ کے ہمراہ شاہ احمد نورانی بھی تھے ۔ میں بھی ان دنوں تونسہ شریف میں تھا ۔ مدنی صاحب نے مشورہ دیا کہ میں مدینہ منورہ میں مطب کروں ۔ اس کے لئے انھوں نے حکومتِ سعودیہ سے اجازت دلوانے کا وعدہ کیا ۔

میں نے مرشدم سے اجازت چاہی ۔ حضور نے فرمایا ۔ مدینہ منورہ میں زیادہ عرصہ تک قیام کی وجہ سے انسان کے اندر وہ آداب اور حدود نہیں رہتے ۔ انسان کاہل اور سست ہوجاتا ہے ۔ نمازیں بھی اس جذبہ سے نہیں ہوتیں ۔ حرم نبوی میں نمازیں قضا کر لیتا ہے ۔ کسی دوسری مسجد میں پڑھ لیتا ہے اور بے ادب ہوجاتا ہے ۔ سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ محبت سے دیارِ حبیب ؐ آؤ اور جاؤ ۔ اس طرح آنے اور جانے میں مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے ۔

رحیم یار خان سے کچھ فاصلے پر ایک صاحب فیروز خان نامی رہتے تھے ۔ جن کا کام ڈاکے ڈالنا اور چوریاں کرنا تھا ۔ کسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسے ان افعال بد سے چھٹکارا دلایا اور وہ توبہ تائب ہوا ۔

فیروز خان مختلف خانقاہوں سے ہوتا ہوا حضرت داتا گنج بخش
کے مزار پر حاضر ہوا۔ کافی عرصہ وہیں رہا۔ ایک رات خواب میں حکم ہوا تونسہ شریف
جاؤ۔ وہ تونسہ شریف حاضر ہوا۔

میری سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ فرمایا "فیروز خان آ
گئے" یہ سن کر فیروز خان پر رقت طاری ہو گئی۔ کہ حضور سب کچھ جانتے
ہیں۔ مرید ہو کر سند خلافت حاصل کی۔

ع اٹھ گئی آنکھ تو کوسوں کوئی ہوشیار نہ تھا۔

رحیم یار خان واپس جا کر اپنی جگہ کا نام "آخری آرامگاہ" رکھا۔
خاصے لوگوں کو مرید کیا۔ یہ سب لوگ سیاہ ملبوسات میں اور رنگین ڈنڈا
ہاتھ میں لئے ہوتے ہیں۔

ایک روز حضور کی خدمت میں حاضر تھا کہ میرا بازو پکڑ کر حوض
والے کمرہ میں لے گئے۔ فرمایا۔

"غلام فرید! کیا میں شادی کر لوں"؟

میں نے عرض کیا۔ "حضور ہم غلاموں کیلئے تو عین خوشی ہے۔"

"فخر رح معین کیا محسوس کریں گے" استفسار فرمایا۔

"وہ بھی خوش ہوں گے"؟ میں نے عرض کیا؟

"کس طرح؟" حکم ہوا۔

"حضور کی خوشی میں سب خوش ہوں گے۔" میں نے عرض کیا۔

"پھر تو میں یہاں نہیں رہوں گا۔" ارشاد ہوا۔

"جہاں بھی رہیں خوش رہیں ۔ ہم غلاموں کو تو حضور کی خوشی مطلوب ہے"

میں نے عرض کیا ۔

چند روز بعد حضور کا وصال ہو گیا ۔ اب سمجھا کہ شادی کیا تھی ؟

در پردہ یہ عروس ، عرس کا اظہار تھا ۔

اگست ۱۹۴۳ء میں نواب حبیب اللہ خان علیزئی مری میں علیل تھے ۔ حضور عیادت کے لئے مری تشریف لے گئے ۔ دو روز تک راولپنڈی میں قیام رہا ۔ عاشقوں کا جمگھٹا ۔ حکیم پیر فتح شاہ صاحب ، پیر عبداللطیف شاہ سجادہ نشین خانقاہ نوگزہ ، بغدادی صاحب گولڑہ شریف حضرت خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے لخت جگر خواجہ غلام محی الدین صاحب شمع نور کے گرد پھر کر اخلاص و محبت کا ثبوت دیا ۔

حضور نے بمعیت عالی جناب حضرت خواجہ محمود بخش صاحب سجادہ نشین مہار شریف دام اقبالہ و جناب صاحبزادہ عبدالقادر منگھیروی و جناب صاحبزادہ غلام مصطفٰے صاحب تونسوی و مولوی قمرالدین مکھڈی و مولوی غلام علی صاحب و دیگر معزز احباب و غلامان کے ساتھ مختلف مشہور مقامات کی سیر فرمائی ۔ ٹیکسلا سے ہوتے ہوئے حسن ابدال اور واہ کے چشمے اور سیمنٹ کی فیکٹری کا معائنہ فرمایا ۔ جناب پیر احمد خان صاحب کی دعوت پر لساں شریف تشریف لے گئے ۔ ہزاروں مریدوں نے آپ کا خیر مقدم کیا ۔ اسی طرح غلاموں کی تمنا پر آپ میراں شریف اور مکھڈ شریف تشریف لے گئے ۔ آپ کی محبت نے ہر جگہ لوگوں کو گرویدہ کیا اور آپ کے خلق

اور علمی گفتگو سے حاضرین نے ہر مقام پر لطف اٹھایا اور بہت سے لوگوں نے آپ سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔

سبز چائے

ابوالکلام آزاد مرحوم نے بڑے فخر کے ساتھ سبز چائے کا ذکر کتاب "غبارِ خاطر" میں تحریر کیا ہے۔

میری سرکار نے فرمایا۔ کاش! ابوالکلام آزاد میری چائے پی کر دیکھتے۔ اور پھر میں پوچھتا کیا حال ہے آپ کی گلِ نسرین کا؟

آپ کی سبز چائے کا عجب انداز تھا۔ ہمیشہ گرونر کی چائے دانی اور گرونر کی پیالی میں سبز چائے نوش فرماتے۔ پینے کے بعد پیالی کو سبز چائے کے پانی سے اندر باہر دھوکر تھوڑی سی کر کے پی لیتے۔ چائے نوش فرمانے کے بعد تقریباً دو گھنٹے بعد تک کوئی اور شے از قسم خورد و نوش استعمال نہ فرماتے۔

برسات کے موسم میں چائے میں لیموں نچوڑ کر پیتے۔ یہ سلسلہ ماہ "کاتک" تک جاری رہتا۔

سفر میں آپ سونے کی انگوٹھی اور قمیص کے گلے پر سونے کے بٹن استعمال فرماتے۔ گرمی کے موسم میں لو کے زمانے میں موٹے کپڑے کی قمیص استعمال فرماتے۔ برسات میں ململ۔ گھوڑے کی سواری میں برجس استعمال فرماتے۔ کار کی سواری میں ایک بلیتس امام اور تین ساتھی ضرور ہوتے تاکہ سفر میں بھی نماز جماعت میں فرق نہ آئے۔ حتیٰ کہ اپنے آخری سفر تک بھی نماز باجماعت پڑھی۔
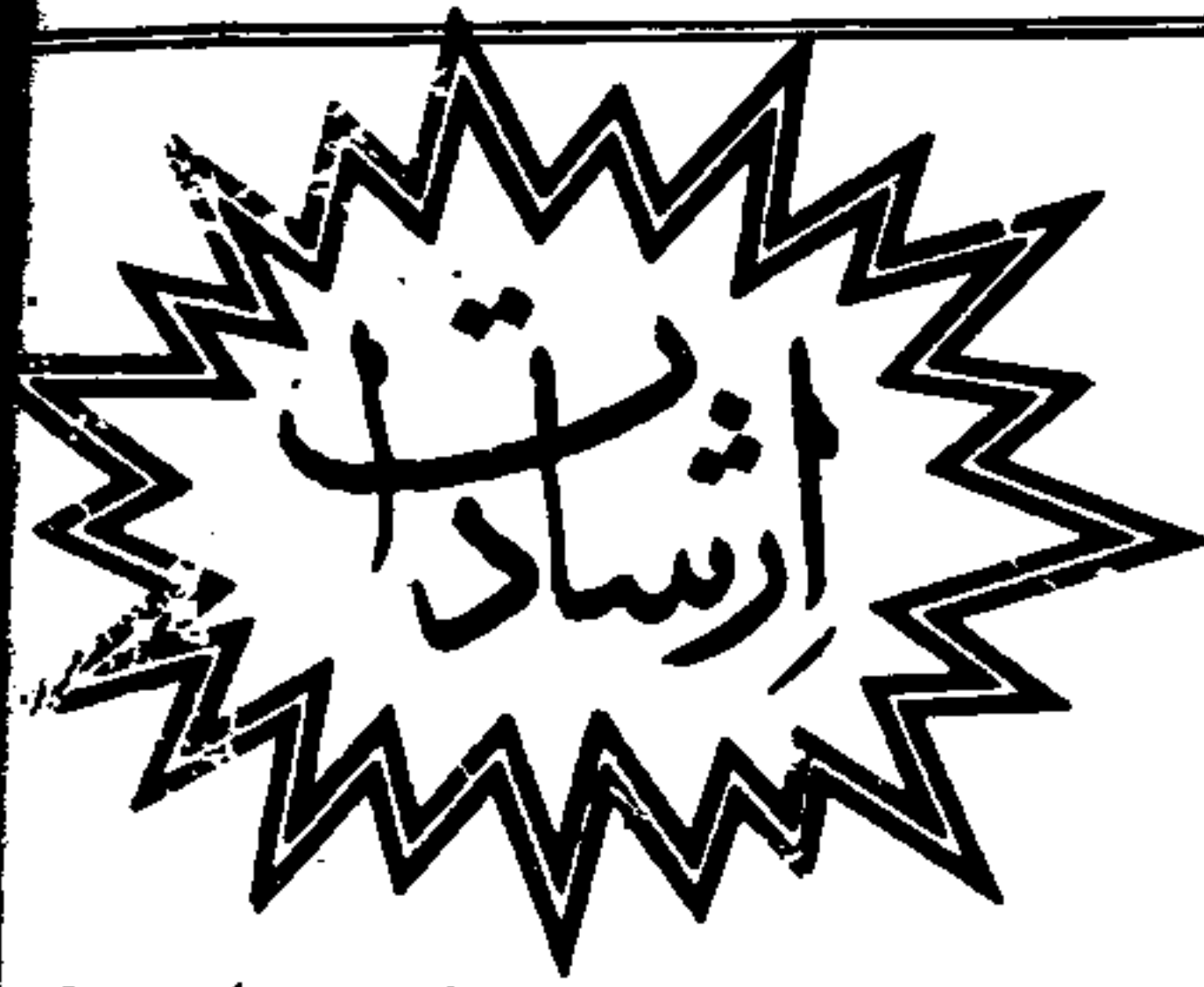
○ اس وقت سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ پیغمبر خداؐ کے اسوۂ حسنہ
کی پیروی کی جائے۔

○ پرلے درجے کی بدنصیبی ہوگی کہ اصحاب رسولؐ کی طرف
میلی آنکھ اٹھا کر دیکھے۔

○ اصطلاحِ پنجتن اپنی جگہ درست ہے۔ اگر اس کو پنجتن
کہا جائے تو دل کی دنیا آباد اور بارونق ہو جاتی ہے۔

○ حضرت امیر معاویہؓ مسلمانوں کے ماموں ہیں۔ ماموں کی
شان میں چہ میگوئی کرنا بدخصلت انسان کا کام ہے۔

○ اہل بیت سے محبت اور ساداتِ کرام سے عزت و احترام سے
پیش آنا کھرے مومن کی علامت ہے۔

○ نماز باجماعت ادا کرنے سے رزق میں بے حد برکت ہوتی ہے۔

○ جو شخص مخلوق خدا کی حاجتیں پوری نہیں کرتا وہ میرے
مریدوں میں شامل نہیں۔

○ خوش خلقی اعلیٰ نعمت ہے۔

○ بداخلاق انسان مردود فی الطریقت ہوتا ہے۔

○ مذہب اور سیاست ایک ہیں۔ طریقت بھی مذہب سے جدا نہیں۔

○ علمائے دین سے محبت رکھنا دینداری کی نشانی ہے۔

○ حیا و ایمان مومن کی شان ہے۔ بے غیرت دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

○ مال و دولت سے محبت کرنا جوانمردی کے خلاف ہے۔

○ تندرست دماغ آدمی دنیا پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

○ حیرت کی بات ہے کہ اب کلمۂ حق کہنے میں علماء ایسے ہچکچاتے ہیں جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

○ درود شریف پڑھنے سے دل کو ٹھنڈک اور اطمینان ہوتا ہے۔

○ روزہ رکھنے سے نفس کی نحوست دور ہوتی ہے۔ اور غربت کے ماروں کے فقر و فاقہ کا صحیح احساس ہوتا ہے۔

○ عملی کمزوری تو قابل معافی ہو سکتی ہے مگر بداعتقادی خدا کی پناہ! یہ تو ایمان جیسی دولت سے کورا کر دیتی ہے۔

○ سچا مذہب اور ناجی راستہ وہ ہے جس پر ہمارے مشائخ نے چل کر زندگی گزاری۔

○ حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کے اسم گرامی کے چومنے سے اخروی فائدے تو ہیں ہی۔ دنیا میں بھی آنکھیں ہر مصیبت سے محفوظ رہتی ہیں۔

○ فخر موجودات، مختار کائنات کے میلاد شریف سے لامحدود برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ میں تو ہر مشکل وقت میں میلاد مبارک کی منت مانتا ہوں اور قیام میں

کیف وسرور حاصل ہوتا ہے۔

حضور رحیمؒ فرماتے ہیں "کسی نے ہم سے پانی نہ مانگا۔ دل میں تمنا رہی۔

سردار احمد یار خان قیصرانی آپ کے حضور حاضر ہوا کرتے تھے آپ نے فرمایا۔ احمد یار خان: آپ لنگر کا کھانا کیوں نہیں کھاتے؟

احمد یار خان نے عرض کی۔ میں اکثر بے وقت تونسہ شریف حاضر ہوتا ہوں۔ وہ وقت کھانا مانگنے کا نہیں ہوتا۔

حضور نے فرمایا۔ جس وقت بھی آپ آئیں کھانا منگوا لیا کریں۔

سردار احمد یار خان ایک رات گرمی کے موسم میں قریباً ایک بجے کا وقت ہوگا دربان سے کہا کہ میرے کھانے کے متعلق اطلاع دیں۔

دربان نے کہا۔ یہ کوئی وقت ہے؟ اور میں کیسے کھٹکا کروں؟

احمد یار خان نے کہا۔ تم دروازہ تو کھٹکھٹاؤ۔

دربان نے ایسا کیا۔ حضور باہر تشریف لائے۔ پوچھا کیا ہے؟

دربان نے عرض کی۔ احمد یار خان قیصرانی کھانا مانگ رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد حضور خود کھانا اور پانی کی صراحی اٹھا لائے۔ آپ کے کپڑے پانی گرنے سے گیلے ہو رہے تھے۔ دربان نے احمد یار خان کو کھانا لے جا کر دیا۔

دوسرے روز دربان کی دربار میں طلبی ہوئی۔ خیال کیا اب خیر نہیں۔ شاید رات کی گستاخی پر سزا بھگتنا ہوگی۔ گھبرایا ہوا خدمت میں حاضر ہوا۔

وہاں پہنچا تو قصہ ہی جدا تھا۔ ایک پوشاک اور مبلغ دو صد روپے عطا ہوئے۔ ارشاد ہوا۔ تمہاری مہربانی سے میری دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔

ڈاکٹر گل محمد کے والد مبارک خان بی۔ ایم۔ پی پوسٹ ملتانی میں منگن قلاتی نامی ڈاکو کے ڈاکہ میں جون ۱۹۴۶ء میں مارے گئے۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۲ء میں میڈیکل کالج میں داخلہ کی درخواست دی اور دعا کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ صبح کو جانے کی اجازت مانگی مگر نہ ملی۔ چونکہ بدھ کا روز تھا اور بدھ کو حضور سفر سے منع فرماتے۔ جمعرات صبح کو تونسہ شریف سے ڈیرہ غازیخان اور پھر فورٹ منرو کمشنر صاحب سے درخواست دستخط کرانے پہنچا۔ فورٹ منرو سے ٹرک پر لاہور روانہ ہوا خدا کے فضل اور آپ کے کرم سے سب رکاوٹیں دور ہوئیں۔ ۳۱/۸/۶۲ انٹرویو کے بلاوے کی اطلاع پہنچی۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ مل گیا۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے بعد آنکھوں کی ڈگری ڈی۔ او۔ ایم۔ ایس پاس کر لینے کے بعد اب ڈیرہ غازیخان میں آنکھوں کے علاج کے لئے پرائیویٹ کلینک کھول رکھا ہے۔

○ مرشدم نے کئی بار اشارہ فرمایا کہ اب میری زندگی کے آخری ایام ہیں۔ بعض وقت تو دنوں کا تعین بھی فرما دیا۔ مجلس میں بیٹھے ہوتے تو فخر پیارے کو اپنی جگہ پر بٹھا کر آپ چل دیتے۔

حج کا فرمان

سنہ ۱۹۵۷ء میں میرے محترم بزرگ حاجی فتح محمد خان ملغانی سکنہ سوکڑ حج بیت اللہ کے لئے تشریف فرما ہوئے ۔ میں نے خط لکھا اور التجا کی کہ میری طلبی کے لئے سرکار مدینہؐ سے درخواست کریں ۔ آپ نے جواباً تحریر فرمایا کہ سرکار دوجہاںؐ سے حاضری کی اجازت لے لی ہے ۔

میں جب بھی حضور کو خواب میں دیکھتا تو زیارت کے لئے حاضر ہوا کرتا ۔ ان دنوں میں محمود نگر حضور کی حاضری کے لئے حاضر ہوا ۔ حضرت خواجہ قطب الدین صاحب بھی آپ کے ہاں تشریف فرما تھے ۔ بسلسلہ کلام حج کے موضوع پر چل رہا تھا ۔ آپ نے فرمایا ۔ غلام فرید! تم حج پر کیوں نہیں جاتے ؟ کیا تمہارے ارکانِ حج پورے نہیں ؟

آپ سوال فرماتے رہے اور ہر چیز گنواتے رہے ۔ میں جواب دیتا گیا ۔ فرمان ہوا ۔ حج کے لئے تیار ہو جاؤ ۔

میں نے اپنے دل میں یہ بات ٹھان رکھی تھی کہ حضور کے ہمراہ حج پر جاؤں گا ۔ اس وقت ہاں تو کر بیٹھا مگر نیت صاف نہ تھی ۔

کچھ روز بعد آپ تونسہ شریف تشریف فرما ہوئے ۔ حاضر ہوا ۔ فرمان ہوا ۔ فخر معین بھی حج کے لئے تیار ہو رہے ہیں ۔ میں نے تمہیں کہا مگر خیال آیا کہ انہیں بھی جانا چاہیئے ۔

فارم پر ہوئے۔ دستخط کئے۔ مبلغ ۱۷۰۰ سترہ سو روپے

خرچہ معہ زر مبادلہ کا حکم صادر ہوا۔ ۱۶ ۶/۵۷ کو تونسہ شریف کے لئے

طلبی ہوئی۔ سب سے پہلے حضور اعلیٰ حضرت شاہ محمد سلیمانؒ کے آستانۂ

اقدس پر گلے میں کپڑا ڈال، ننگے سر سارا قصہ وماجرا سناتے رہے اور

ہم لوگ روتے رہے۔

فرمایا۔ انشاء اللہ ۷ محرم کو واپسی ہوگی۔

(حالانکہ ہماری ٹکٹوں پر واپسی کی تاریخ کا تعین نہیں ہوا تھا)

پھر حضور کریمؒ بعدہٗ آستانہ حضرت رحیم محمد محمودؒ

پر حاضر ہوئے۔ اور وہی سلسلۂ کلام۔

۲۲ ۶/۵۷۔ ملتان نوابزادہ محمد خان خاکوانی کے بنگلہ پر

پہنچنے کا حکم ہوا۔ ۲۳ ۶/۵۷ خیبر میل سے نشستیں مخصوص تھیں

ملتان میں میرے والد بزرگوار نے میرا ہاتھ حضور کے

ہاتھ میں دے کر "سپردم باتو" فرمایا۔

حضور نے فرمایا۔ یار محمد خان آپ کی امانت انشاء اللہ

آپ کے ہاتھ میں لا کر دی جائے گی۔

ملتان سے حضور خود، فخر جہاں پیارے، معین خان سلمہٗ

حضرت خواجہ غلام نبی صاحب مہارویؒ۔ نواب در محمد خان خاکوانی،

حضرت مولانا خان محمد خان بزدار اول مدرس مدرسہ محمودیہ، نواب صاحب

کا ایک نوکر، حافظ زین العابدین صاحب، عبدالرشید خان ولد

عبدالرؤف خان پہلوان خان پٹھان، شریف صاحب (ملازم فخر صاحب) اور یہ خادم ۔ علاوہ ازیں دیگر حضرات مہاروی، ملتانی، تونسوی پہنچانے کے لئے ہمراہ تھے ۔

۲۴/۶/۵۷ ۔ کراچی نواب زادہ حمیداللہ علیزئی (ڈی ۔ ایم۔ جی) کے بنگلہ پر جاکر رہائش پذیر ہوئے ۔ بعد میں دعوتیں ہوتی رہیں ۔ اور مختلف جگہوں پر کراچی میں ۔

کراچی میں انفلوئنزا کی وبا انتہا کو پہنچ چکی تھی ۔ سب سے پہلے مولوی خان محمد صاحب اس میں مبتلا ہوکر صاحبِ فراش ہوئے ۔ (اور مجھے وہی وسوسہ کہ ہم وبائی مریضوں کو آگے نہ جانے دیں اور پھر کبھی حضور کے ہمراہ حج پر جائیں گے) مگر یہ گنتی بیکار ثابت ہوئی ۔

ایک روز کراچی میں حضور نے پوچھا ۔ غلام فرید! سنا ہے تم شادی کر رہے ہو ۔

میں نے عرض کیا ۔ نہیں حضور ۔

۲۹/۶/۵۷ ۔ ساڑھے سات بجے صبح ہوائی جہاز میں سوار ہوئے ۔ اور حضور نے سب کو خدا حافظ کہا ۔ جب تک جہاز روانہ نہ ہوا آپ ایرپورٹ پر دعا کرتے رہے ۔

میں احرام سے تھا ۔ (دراصل مولوی خان محمد صاحب انفلوئنزا سے سخت بیمار ہو گئے تھے) صبح روانگی تھی ۔ میں رات بھر ان کی خدمت، علاج معالجہ کے لئے جاگتا رہا ۔ صبح کی نماز سے پہلے سوچا کہ کیوں نہ احرام کی تیاری کرلوں؟

پہنایا۔ وضو کیا۔ نیت احرام کی نوافل پڑھیں۔ صبح کی نماز میں تشویک ہوا ور تھوڑی دیر بعد ایئر پورٹ پہنچا) پھر سب ساتھیوں نے جہاز میں احرام باندھا۔ دوپہر جدہ پہنچے۔

سر شہاب الدین سفیر حجاز مقدس آ کر ملے۔ گرمی زوروں پر تھی۔ دن گزارا۔ ہمارے معلم سیّد ذکریا صاحب تھے۔ ان کے ایجنٹ نے سبھی کاغذات مکمل کرا کے شام جدہ سے مکہ مکرمہ روانہ کیا۔ ذوالحجہ کا چاند راستے (مابین جدہ و مکہ مکرمہ) میں دیکھا۔

ہم سب ساتھیوں کا احرام "قران" کا تھا۔ جو بعد از حج اتارنا پڑتا ہے۔ کعبۃ اللہ میں نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کی۔ طواف کیا۔ میں جب مقام ابراہیم پر نوافل کے لئے بیٹھا تو دیکھتا ہوں کہ میرے حضور طواف میں ہیں۔ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اپنی بدنیتی اور پریشانی سے توبہ کی۔

مکہ مکرمہ میں رہائش باب ابراہیم کے اوپر مدرسہ آصفیہ صولتیہ میں تھی۔ تیس ہزار ریال کرایہ تھا۔ اس مدرسہ کا صحن حرم کعبہ پر پھیلا ہوا تھا۔ ہم اوپر نماز پڑھا کرتے تھے اور دیگر نمازی حضرات ہمارے نیچے۔ جمعہ کے روز خاصی تعداد میں نمازی اس منزل پر آ جاتے تھے۔ چونکہ گرمی کا موسم، جون کا مہینہ اور سب سے بڑھ کر مکہ شریف کی گرمی۔

ہمیں حکم ملا تھا کہ طواف رات کے وقت کیا کرو۔ اور نمازیں

اپنی جگہ پر۔ نیچے اترنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ البتہ عشاء کی نماز ہم لوگ نیچے کر پڑھتے۔ نیز طواف وسعی بھی کرتے۔

۳۰ ۲/۵۷ ۔ حضرت فخر پیارے انفلوئنزا میں مبتلا ہو گئے اور ۱ ۲/۵۷ کو خان صاحب بھی صاحب فراش ہو گئے۔ انتہائی تکلیف او بے ہوشی ۔ میں نے بھی انجکشن اور دوائیاں شروع کیں ۔ تین دن تک غشی طاری، بخار اور درد کی شدت رہی ۔ اس کا کرم ہوا۔

سردار شیر احمد ملھزئی بھی بمعہ بچوں کے اور نواب غلام نقشبند خان کی گھر والی (سردار صاحب کی ہمشیرہ) بھی ساتھ تھیں ۔ انھیں کچھ تکلیف بڑھ گئی تھی ۔ سردار صاحب نے کافی رقم خرچ کی ۔ اللہ کے کرم سے وہ بھی صحتیاب ہو گئیں ۔

ہماری ڈیوٹی خاصی مصروفیت والی تھی ۔ سارا مکہ شریف انفلوئنزا میں مبتلا تھا ۔ اور اپنے ساتھی بھی ۔ ایک اٹھتا تھا تو دوسرا پڑ رہتا۔ اللہ کا کرنا کہ میں اس سے مامون رہا ۔ ہماری ہم قافلہ تاج بی بی نامی عورت اور اس کا بھانجا جو ساہیوال کے رہنے والے تھے کو خاصی تکلیف رہی ۔

اس دوران ہمارے ساتھ غلام محمد کوہاٹی، محمد دین ہاشمی اور وہاڑی کے ایک بنک مینیجر (نام یاد نہیں) آملے ۔ ادھر مدینہ منورہ سے مولانا فضل الرحمٰن معاونت کے لئے پہنچ گئے ۔

۶ ۲/۵۷ کو منیٰ پہنچے ۔ منیٰ میں ایک زیر تعمیر ہوٹل فندق تلج فی لف ۱۰۰ ریال روزانہ رہائش اور کھانا طے ہوا ۔ اس سے کافی سہولت ہو گئی ۔

نوٹ بجلی صرف کعبہ میں میسر تھی۔ بجلی کے پنکھے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حرم کعبہ میں چار مصلے تھے سب سے بڑا مصلیٰ "حنفیہ" تھا۔ اذان کا انتظام بھی اسی مصلیٰ پر تھا۔ دوسرا "مالکیہ" تیسرا "شافعیہ" اور چوتھا "حنبلیہ" تھا۔ اب ان کا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔

ان دنوں سعی والا حصہ زیر تعمیر تھا۔ اور حرم کعبہ کی تعمیر کے لئے کچھ چھتوں کی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی۔ گرد و نواح کی عمارتیں توڑ کر حرم کی توسیع کی جا رہی تھی۔ حرمِ کعبہ اور مروہ کا درمیانی حصہ سب ٹوٹا ہوا تھا

ایک روز منی میں محمد دین ہاشمی آئس کریم لانے چلے۔ تلاشِ بسیار کے باوجود کہیں نہ ملی۔ محمد دین ہاشمی نے کہا۔ میں نے ایک مرتبہ فلاں عمارت میں آئس کریم کھائی تھی۔ لاتا ہوں۔ پہنچا اور بولا "کریم بارد" وہ عمارت شاید خفیہ پولیس کی تھی۔ دھر لئے گئے اور بڑی مشکل سے چھٹکارا حاصل ہوا۔

۷ ۔ ۵۷ ۔ عرفات پہنچے۔ خیر بانی کا انتظام اچھا تھا۔ عرفات کے مقام پر ہمارا ایک بہت بڑا شامیانہ جس کے درمیان میں موٹی لٹھ تھی۔ چورس شامیانہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت شدید آندھی آئی۔ اور شامیانہ لٹھ سمیت گر گیا۔ کبوتروں کی طرح جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد سب نکلے۔ خیر خیریت دریافت کی۔

سب محفوظ رہے۔

غروب آفتاب کے بعد مزدلفہ روانہ ہوئے۔ مزدلفہ میں عبادت میں رات گزاری۔ نماز فجر کے وقت توپ چلی۔ نماز فجر کے بعد منیٰ روانہ ہوئے۔ لاری کی رفتار ½ فرلانگ فی گھنٹہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ غضب کی گرمی اور گاڑیاں آگ اگل رہی تھیں۔ گاڑیاں رک جائیں تو ہوا نہ لگے۔ انتہائی تکلیف اور مصیبت سے دوپہر بعد اپنے ہوٹل پہنچے۔ ہم اپنے کمروں میں پہنچے ہی تھے کہ فخر جہاں بے ہوش ہوگئے۔ گرمی کی شدت برداشت نہ کر سکے۔ ٹھنڈا پانی ڈالا۔ دستی پنکھے ہلائے۔ پیروں کے تلوے مسلے۔ شربت بہار اور دوائیاں منہ میں ڈالیں۔ نصف گھنٹہ بعد ہوش میں آئے۔ وہ لمحہ ناقابلِ برداشت تھا۔

تینوں شیطان ہمارے ہوٹل کی حدود کے اندر تھے۔ جب رش کم دیکھتے تو رمی کر لیتے۔ قربانیاں دیں۔ سر منڈوا کر احرام اتارے۔ (احرام قران یعنی دس روز کا مذاق نہ تھا۔ وہ قبول فرمائے) پھر طواف زیارت کے لئے گئے۔ مناسک منیٰ سے فارغ ہو کر مکہ شریف اپنے مکان پر پہنچے۔

۱۳ — ۷/۵۷ طوافِ وداع کیا۔ اور جدہ روانہ ہوئے۔ رات بھر جدہ میں مٹی پر لیٹے گزاری۔

۱۴ — ۷/۵۷ مدینہ منورہ ہوائی جہاز پر روانہ ہوئے۔ حاضری میں پہنچے۔ ہوائی جہاز سے اترتے ہی لاری میں سوار دور سے مینار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اقدس دکھائی دیا۔ پھر کیا تھا خوشی اور مسرت

سے آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے ۔ زبان سے درود و سلام کا سلسلہ اور "آیا شہر مدینہ صدقے ۔" ہر شخص اپنی اپنی طبع ولگن سے جذبات کا اظہار کر رہا تھا ۔ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی ۔ بس آنکھیں سرکارِ دو جہاںؐ کے روضۂ اقدس پر ۔

لاریوں کے اڈہ پر لاری سے اترے ۔ سامان حمال اٹھائے اور مدینہ طیبہ کے بازاروں میں ۔ ہر طرف صدائیں "اھلاً وسھلاً مرحبا" اپنے بدن کا ہوش نہ تھا ۔ مدینہ منورہ کی گلیاں ۔

سامان مولانا ضیاءالدین کے مکان پر رکھوایا ۔ اور بھاگے حرم نبوی ۔ کیا کیا اسرار دکھائی دے رہے تھے اور اور کیا کیا دیکھا ۔ ریاض الجنہ میں تحت المسجد نوافل ادا کئے ۔ سلام پڑھا ۔ پھر کیا ہوا معلوم نہیں ہے ۔

ان دنوں مسجد نبوی کی توسیع ہو رہی تھی ۔ سعودی حصہ (سفید) نامکمل تھا ۔ حکم تھا کہ ضرورت کی چیزیں مدینہ منورہ سے خریدیں ۔ اس زمانہ میں مدینہ منورہ کے باسی غریب تھے ۔ کہیں بڑی عمارت نہ تھی ۔ بجلی سوائے حرم نبوی کے اور کہیں نہ تھی ۔ عمارتوں کے اکثر حصے ٹوٹے پھوٹے ۔ کچے مکان ۔ مختصر بازار ۔ محبت والے لوگ ۔

مولانا ضیاءالدین کے مکان پر رات کو چھت پر سوتے اور علی الصبح اٹھتے ۔ دوڑ لگاتے ۔ فجر کی نماز کبھی کبھار حضرت امیر حمزہؓ کے مزار اقدس کے قریب والی مسجد میں ادا کرتے ۔ تازہ کھجوریں کھاتے اور واپس آتے ۔ راستہ میں کوئی عمارت نہ ہوتی تھی ۔ صرف چند نشانات مثلاً

حضورؐ نے جنگ احد کے موقع پر یہاں زرہ زیب تن فرمائی وغیرہ

حرم نبوی میں ہمارے پیش امام حضرت خواجہ غلام نبی صاحب بہاری

ہوتے ۔

۳۰ ـ ۵۷ ـ مدینہ منورہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم الوداعی
سلام غلام حیدر الحیدری پنجابی نے پڑھایا ۔ شدت جذبات میں نہیں معلوم کیا
کیا گزری ۔ اس طرح جنت البقیع سلام پڑھا اور روز پڑھتے جاتے

مدینہ منورہ سے واپسی ہوائی جہاز اور ہوائی جہاز جس میں شاید
جانور لادے جاتے ہوں گے ۔ اس قدر تکلیف دہ ۔ کبھی اوپر کبھی نیچے ۔ اکثر
دوستوں کو قے شروع ہو گئی ۔ خدا خدا کر کے جدہ پہنچے ۔

اس زمانہ میں حکومت پاکستان نے ہمیں سفری چیک (ٹریولنگ چیک)
دئے تھے ۔ ایک ہزار روپے کے بدلے ہمیں تیرہ سو ۱۳۰۰ ریال ملے ۔ سو روپے
والا سرخ نوٹ جو اس زمانہ موٹی ابھری ہوئی روشنائی سے لکھا ہوتا تھا ۔
بازار سے کھلے کرائی تو گیارہ سو ریال ملے تھے ۔

حج کے دوران میں نے داڑھی رکھ لی تھی ۔ مگر جدہ پہنچ کر صاف کرا
لی ۔ ۸ ـ ۲ ـ ۵۷ کراچی پہنچے ۔ حضور ایئرپورٹ پر موجود ۔ کئی روز حضور کے ساتھ کراچی
رہے ۔ حضور نے فرمایا ۔ غلام فرید ! تم دوسری شادی کر رہے ہو ۔ (چونکہ مدینہ منورہ
میں شادی کی بشارت ہوئی تھی) میں نے عرض کیا ۔ جی ۔

آپ نے فرمایا ۔ داڑھی کیوں منڈوا دی ؟

عرض کیا ۔ خارش ہوتی تھی ۔

۶ ۸/۵۷ - تونسہ شریف پہنچے ۔ ۷ محرم کا دن تھا ۔
(روانگی کے وقت حضور اعلیٰ کے سامنے آپ نے فرمایا تھا کہ ۷ محرم کو واپسی ہوگی)

دوران حج ڈیرہ غازیخان اور تونسہ شریف میں یہ افواہ پھیل گئی کہ غلام فرید فوت ہوگیا ہے ۔ حضور سے بھی بعض لوگوں نے پوچھا ۔ آپ سخت ناراض ہوئے ۔ بعض لوگ میرے والد صاحب کے پاس گئے ۔ انھوں نے فرمایا ۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے ؛ جس کا ضامن اللہ ہو ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پیارا نظام حج ہو ۔ اُسے کچھ نہیں ہوسکتا ۔

اس سفر میں ہر تیسرے روز خیریت کا خط تونسہ شریف نواب در محمد خان ارسال کرتے اور سب کی صحت کی تائید میرے دستخط سے ہوتی اسی طرح ہر تیسرے روز حضور خیریت کا تار ارسال فرماتے اور بذریعہ تار جواب دیا جاتا ۔ مدینہ منورہ میں ایک تار میں کہا گیا کہ غلام فرید کی خیریت کے بارے میں بذریعہ تار مطلع کریں ۔ سب دوست حیران کہ بات کیا ہوگی ۔ جب کراچی پہنچے تو یہ عقدہ کھلا ۔ ڈیرہ غازیخان پہنچے ۔ حکم ہوا کہ تم گھر جاؤ ۔ ایک گھنٹہ بعد پورا قافلہ تونسہ شریف روانہ ہوا ۔ وہ شادی کی طرح اہتمام تھا ۔

حکم ہوا ایک ہفتہ گھر رہنے کے بعد مہار شریف حضرت قبلہ عالمؒ اور اس کے بعد پاک پتن شریف حضرت فریدالدین بابا شکر گنجؒ ۔ واپسی پر رات کے وقت بارش ہوگئی ۔ محمود نگر جا رہے تھے ۔ راستے انتہائی خراب ۔ پیارے فخر جہاںؒ تو جوں توں کرکے اپنی کار محمود نگر لے گئے ۔ ہم لوگوں کے لئے گھوڑے بھجوا دئے ۔ گھوڑے کم اور سوار زیادہ ۔ خان صاحب نے حکم دیا کہ تم لوگ

گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ میں پیدل چلوں گا۔

حکم عدولی بھی بے ادبی اور سوار ہونا بھی بے ادبی۔ مگر

حکم کی تعمیل کرائی۔ محمود نگر پہنچے۔ اس کے بعد تونسہ شریف۔

حضرت فخر جہاں اور معین خان کی شادی

تقریباً دو ماہ قبل شہنائی، نقارے، ڈھول باجے ناچنے گانے والوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ درگ شریف کے جعفر بھانور کا تلوار کا ناچ دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی۔ ننگی تلواریں انتہائی تیزی سے گھما کر اور پھر میان میں ان کو جلدی سے داخل کرنا جادو کا سا کھیل دکھائی دیتا تھا۔

رات بھر یہ سلسلہ جاری رہتا۔ ٹولیوں پر ٹولیاں آتیں اور اپنے اپنے کرتبوں سے سامعین و ناظرین سے دادِ تحسین وصول کرتیں۔ اس طرح سے شہنائی والے عام راگ، راگنی اور وقت کے راگ مالکونس، چندرکونس، پہاڑی آسا، دیپک، درباری، جوگ، بھیرویں وغیرہ سے صاحبانِ ذوق کو محظوظ کرتے۔

قوالیوں کی محفلیں جمتیں۔ پاکستان بھر کے قوال آتے ہوئے تھے۔ مقابلے ہوتے۔ اور دل والوں کو لوٹ لیتے۔

ہر طرز کے پشتو گانے، خٹک ناچ۔ رومال ناچ، بھنگڑا ناچ۔ سنگھوڑ کی جھومر، چھڑیوں کی جھومر، نڑ، بانسری، الغوزہ اکیلا اور جوڑی سب کے اپنے اپنے علیحدہ تھڑے موجود تھے۔ دیکھنے سننے والے بے خود ہوتے۔

پورا شہر روشنی میں ڈوبا ہوا تھا۔ رنگ برنگے قمقمے جھلمل جھلمل روشنی بانٹ رہے تھے۔ خصوصاً شیش محل تو بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

جوں جوں شادی کی تاریخ قریب آتی جارہی تھی یہ سب سلسلے بھی نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اگر ان سب کو گنوایا یا لکھا جائے تو ایک دفتر درکار ہے۔

بارات ۱۶ ر جنوری ۱۹۵۸ء بروز جمعرات تونسہ شریف سے روانہ ہوئی۔ جن میں کاریں اور لاریاں ان گنت تھیں۔

فخر معین کے ماموں اللہ بخش خان شیورلیٹ کار BR 977 جس میں مستورات سوار تھیں غازی گھاٹ کشتیوں کا پل عبور کرنے کے بعد بے قابو ہو کر . اور ایک بڑے کھڈ کے کنارے پر ایسی حالت میں جا رکی کہ اس کے اگلے پہیے کھڈ . آزادی سے گھوم رہے تھے۔ کار کا درمیانی حصہ ٹک گیا تھا۔ یہ عجیب حالت تھی۔ میرن سرکار کے الفاظ۔ اسی کو کہتے ہیں فضل .

کار کو دھکا دیا اور سفر پر روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ محمود نگر پہنچے۔ انتظام پہلے سے تھا۔ سیکڑوں شامیانے اور چھولداریاں مہمانوں کے آرام سے رہنے اور سونے کا انتظام۔ چارپائیاں پانی وغیرہ سب موجود۔ منتظم نواب ڈر محمد خان خاکوانی اور سردار شیر احمد خان ملغزنی تھے۔
باراتی پورا علاقہ محمود نگر، حضرات مہاروی، نوابان ملتان، تحصیل میلسی، دہاڑی، قطب پور وغیرہ کے زمینداران۔ محمود نگر ایک بہت بڑا شہر

بنا ہوا تھا۔ جمعہ نماز میں ہزارہا نمازی تھے جو مسجد میں سما نہ سکے اور صفیں باہر باندھی گئیں۔ جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی رات ایک بجے بعد عروسی سلسلہ انجام پذیر ہوا۔

۱۹ر جنوری ۱۹۵۸ء بروز اتوار روانگی بارات۔ جب مظفرگڑھ سے آگے محمد غوث صاحب ایک کار چلا رہے تھے جو نہایت ہی تجربہ کار حضور رحیمؒ کے ڈرائیور تھے۔ سڑک پر ایک شخص سائیکل پر سوار آ رہا تھا۔ محمد غوث نے اسے بچانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کار کی زد میں آ گیا اور اللہ کو پیارا ہو گیا۔ نہایت ہی افسوس کا مقام تھا۔

تونسہ شریف پہنچے۔ حضور نے دولھا دلہن کے سروں پر ہزاروں روپیہ لٹایا۔ روپیہ چاندی والا تھا اور جشن کا سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا اور تونسہ شریف کی رعنائی دوچند رہی۔
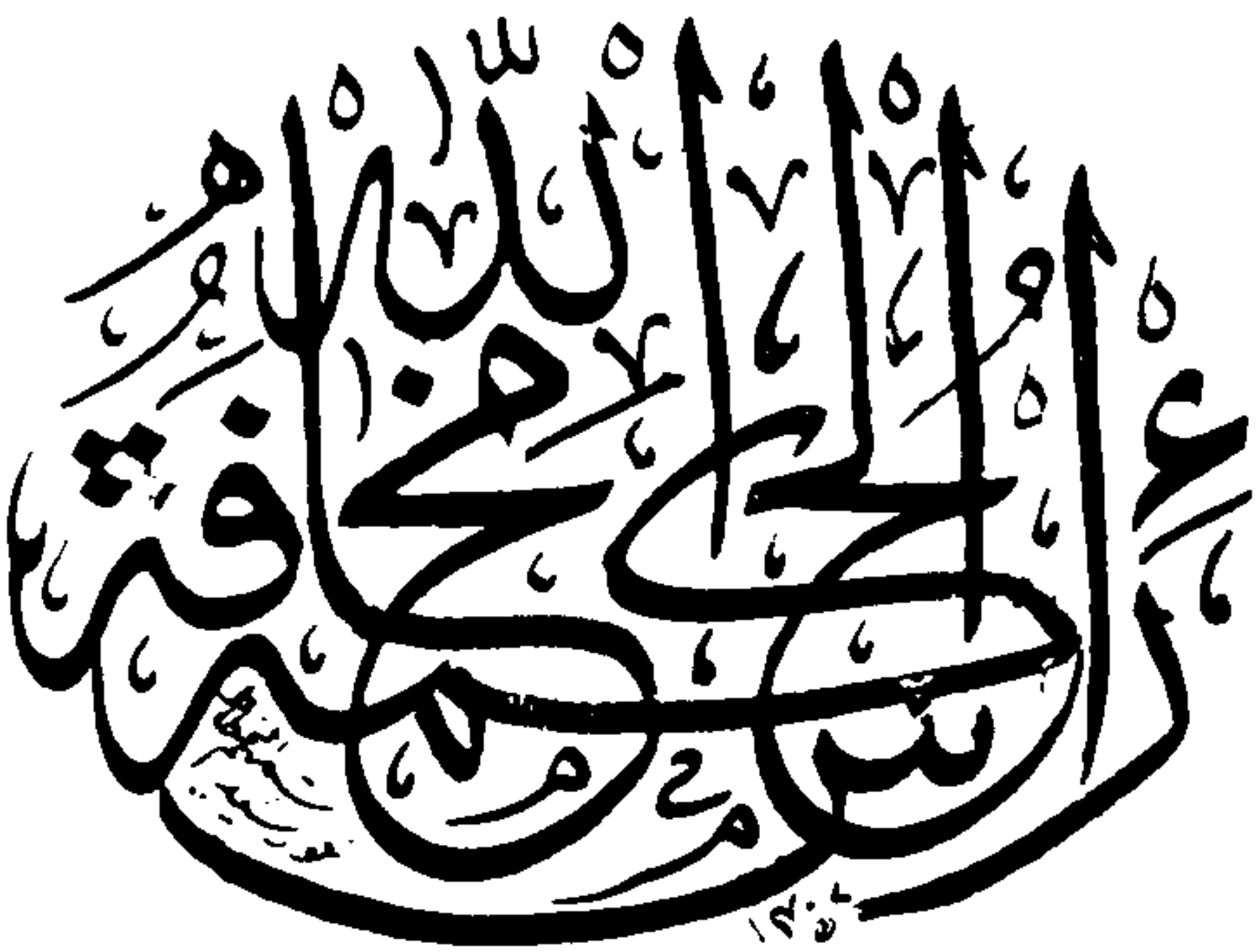
آپؒ کا وصال

میرے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ کچھ روز مستقل طور پر اور ہر وقت حضور کے پاس رہوں۔ مگر مادی دور نے مہلت نہ دی۔

عزیزم محمد ناصر خان ملغانی نے اطلاع دی کہ حضور ملتان قیام پذیر ہیں اور علیل ہیں۔ حاجی فتح محمد خان (والد محمد ناصر خان) تشریف لے گئے ہیں۔

۵ جون ۱۹۶۵ء مطابق ۴ صفر ۱۳۸۵ھ علی الصبح بس پر میں ملتان حضور کی قدم بوسی کے لئے پہنچا تو آپ اس وقت بڑی جیپ میں سوار تونسہ شریف روانگی فرما رہے تھے۔

فرمایا۔ کیا تم آ رہے ہو؟

میں نے اثبات میں جواب دیا۔

۷ جون ۱۹۶۵ء مطابق ۶ صفر ۱۳۸۵ھ علی الصبح اپنے بیٹے اکرم فرید کو ہمراہ لے کر اور ہمراہی حاجی فتح محمد خان اور ڈاکٹر نذیر صاحب بھی تھے صبح آٹھ بجے تونسہ شریف حضور کی زیارت سے شرف یابی حاصل ہوئی۔

فرمایا۔ ڈاکٹر! بہت دکھی ہوں۔

مجلس میں تشریف لائے اور پہلے ختم کے بعد واپس حوض والے کمرہ میں لیٹ گئے۔ مجلس کے دوران ایک آدمی نے حضور کے بلاوے

کی اطلاع دی ۔ اور میں مجلس چھوڑ آپ کے پاس حاضر ہوا ۔
ایک عرصہ سے حضور کے پیر کے اوپر ایک "داد" سا نمودار ہوا
اور ٹھیک نہیں ہو رہا تھا ۔ آپ مہار شریف عرس قبلہ عالمؒ تشریف لے گئے
تو وہاں ایک صاحب نے کہا کہ ہمارے خاندان میں اکبر بادشاہ کے وقت سے
اس تکلیف کے لیئے ایک نسخہ چلا آرہا ہے ۔ مجرّب ہے ۔ آپ اسے
استعمال فرمائیں ۔ اس نے پندرہ پڑیاں دوائی کی بنا دیں ۔ کہ ایک
پڑیا منقی میں رکھ کر دودھ کے ساتھ استعمال فرمائیں ۔ گھی مکھن زیادہ
کھائیں ۔ نمک اور مصالحہ سے پرہیز کریں ۔

آپ نے تین دن تک ان پڑیوں کا استعمال فرمایا ۔ کسی صاحب
کی شادی میں شرکت کرنا تھی ۔ آپ نے اس میں مرغ روسٹ وغیرہ استعمال
کیئے اور وہ سلسلہ دوائی و پرہیز قائم نہ رہ سکا ۔ ان دنوں آپ کے
پیشاب میں جلن اور بار بار اجابت کا سلسلہ شروع ہو گیا ۔ آپ ملتان
حکیم عطاءاللہ صاحب کے زیر علاج ہوئے ۔ ادھر عرس شریف حضور اعلیٰؒ
قریب تھا ۔ آپ علاج چھوڑ تونسہ شریف آگئے یہ سارا ماجرا حضور نے سنایا ۔

آپ کا چہرہ مبارک بالکل سفید ہو گیا تھا ۔ جسم میں خون کی
شدید کمی ہو گئی تھی ۔ اس دوران آپ اجابت کے لیئے اٹھے ۔ اس کے
بعد گھنٹہ گھنٹہ کے وقفہ سے اجابت شروع ہو گئی ۔ کبھی کبھی اس میں سفید
سا مواد آتا تھا ۔ لیکن میں اسے "آؤں" نہیں کہہ سکتا ۔

یہ ذکر چل رہا تھا کہ اس اثنا میں پیشاب کی نالی میں شدید ٹیس

اٹھی۔ جس سے آپ تڑپ اٹھے۔ ٹھنڈے پسینے شروع ہو گئے۔

فرمایا۔ یہ "مرض الموت" ہے۔

میں نے ایک گولی حاضر کی۔ درد نالی چھوڑ پیٹ میں شروع ہو گیا اور ساتھ ہی نفخ شروع ہو گئی۔ تین مرتبہ قے بھی آئی۔ گرم پانی کی سکائی کی گئی۔

اس اثنا میں ایک خادمہ نے حضرت معین خان صاحب کے بخار کی اطلاع دی۔ آپ نے معین خان صاحب کو جا کر دیکھنے کا حکم فرمایا۔ اس وقت خان صاحب کا ٹمپریچر ۱۰۴ تھا۔ برف کا کپڑا رکھوایا تقریباً دو گھنٹے خان صاحب کے پاس رہا اور پھر وہاں سے اپنی سرکار کے پاس۔ اور اسی طرح کبھی خان صاحب کے پاس اور کبھی حضور کے پاس۔ حضور کو اپنے بجائے معین خان کی فکر زیادہ تھی۔ بار بار فرماتے معین خان کا کیا حال ہے؟

کچھ دیر بعد آپ نے اپنی تکلیف میں تدریجی کمی کا ذکر فرمایا۔ ایک حکیم صاحب نے پیٹ پر گل بابونا اور گل ٹیسو کی ٹکور شروع کرا دی۔

فرمایا۔ حرکت کرنے سے درد ہوتا ہے۔ جب کوئی ہاتھ، پاؤں یا بدن دباتا تو آپ اپنے ہاتھ کو الٹا کر لیتے۔ مگر جب فخر صاحب دباتے تو آپ اپنی ہتھیلی ان کی ہتھیلی پر رکھ دیتے۔

کچھ دیر بعد میرا اور اکبر فرید کا کھانا لایا گیا۔ ہم لیت و لعل کرنے لگے۔ فرمایا۔ کھا لو ورنہ فاقہ سے کئی روز گزارنا پڑیں گے۔ پاس ادب سے تھوڑا بہت

کھایا۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

حضور نے فرمایا۔ میں ولی تو ہیں مگر چند گھڑی کا مہمان ہوں۔

آپ نے نماز ظہر، عصر، مغرب اسی کمرہ میں کھڑے ہو کر جماعت کے ساتھ ادا کی۔ کوئی مزاج پرسی کو آتا تو فرماتے دعا کرو۔ وقت قریب ہے۔ چینی سبز چائے کی فرمائش کی جو پوری کر دی گئی۔ یخنی اور آش جو نوش فرمائے۔ رات گیارہ بج کر پچاس منٹ پر فرمایا کہ مجھے نماز پڑھانے کے لئے کوئی ہے جس نے ابھی تک عشاء کی نماز ادا نہ کی ہو۔ درس کے ایک طالب علم نے ابھی عشاء کی نماز پڑھنی تھی۔ آپ نے اس کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ بار بار معین خان کے بارے میں استفسار فرماتے رہے اور سو گئے۔

دو بج کر بیس منٹ پر نواب در محمد خان خاکوانی، حاجی شیر احمد خان ملھرنی، حافظ محمد سرفراز خان اور ڈاکٹر محمد حیات ظفر (نشتر ہسپتال ملتان) آئے۔ حاجی شیر احمد خان ملھرنی نے عرض کی۔ حضور فلاں فلاں آئے ہیں۔ اس اثناء میں ڈاکٹر ظفر نے آپ کا معائنہ کر کے کہا کہ گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اب آپ ہوش میں نہیں آئیں گے۔

سردار شیر احمد خان نے پھر حضور کی خدمت میں عرض کی حضور آپ اپنے کتے کو نہیں پہچانتے؟ حضور نے آنکھ کھولی۔ فرمایا میں اونگھ میں تھا۔ تمام حضرات کی خیر و عافیت پوچھی۔ سردار شیر احمد خان کی بیگم (جو کہ بیمار تھیں) کا حال احوال پوچھا۔ باری باری سب سے مختصر سلسلۂ کلام فرمایا۔

تھوڑا سا پانی پیا۔ قے ہو گئی۔

آخر وہ وقت آگیا جو ہر بشری صورت کو پیش آنا ضروری ہے یعنی جب حضور کا سن مبارک ۷۵ برس کا ہوا تو ذات الہٰی کی محبت نے کشش فرمائی اور اس محبوب نے عالمِ ناسوت کو ترک فرمانے کا سامان شروع کیا۔ معین خان کا پوچھا۔ میں نے اطمینان دلایا۔ آخر لسان الغیب کی بات پوری ہوئی۔

میں مدد مانگتا ہوں اس خدا سے جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو زندہ ہے کبھی نہیں مرتا اور نہ کسی سے ڈرتا ہے۔ پاک ہے وہ جس کو بندوں پر موت طاری کرنے میں قدرت و غلبہ حاصل ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک اللہ کی ذات اور محمدؐ بلا شک اس کے رسول ہیں۔

اس آخری کلمہ پر روح مبارک نے جسم شریف سے مفارقت اور آپ راہیٔ عالم بقا ہوئے۔

اس وقت آپ کا سر ہمارے بھائی محمد حسین اور اس بدنصیب غلام کے ہتھیلی پر تھا۔ خوبصورت چشمان آہو کو بند کیا۔ وہ کیا وقت ہوگا۔ تاب نہ تھی۔ مگر حاکمِ حقیقی کے امر کے سامنے کیا مجال۔

فخر پیارے جوش رحلت میں ہائیں ہائیں یہ کیا کر رہے ہو! اسی وقت معین خان بھی بحالتِ بخار پہنچے تو بے ہوش ہو گئے۔

دو بج کر چالیس منٹ علی الصبح آپ کے وصال کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی۔ صفِ ماتم بچھ گیا۔ سب دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے کہ دنیا کی نعمتیں چھن گئیں۔

ع گوری سوئے سیج پر منہ پر تانے کھیس

آپ کا غسل مولوی محمد دین مکھڈی نے دیا ۔ (جنھوں نے حضور رحیمؒ
کو بھی غسل دیا تھا) نو بجے دن نمازِ جنازہ اور تقریباً دو بجے دن حنیفی مسکن پر ۔
بعد وصال و تدفین حضرت خواجہ قطب الدین تشریف لائے ۔
آپ نے آہ ذ لکا اور اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو گئے ۔ اور بار بار دورے
بے ہوشی کے پڑتے رہے ۔

تیسرے روز فخر جہاں کی دستار بندی ہوئی ۔

آپ کا فرمان تھا کہ میری مزار دروازہ کے باہر دائیں طرف ہو ۔
مگر نواب در محمد خان خاکوانی نے ایسا نہ کیا ۔

نوٹ یہ حوض والا کمرہ کا پچھلا حصہ جہاں آپ واصل باللہ ہیں یہ وہی
مقام جہاں حضرت خواجہ کریمؒ حضرت خواجہ اللہ بخش کا وصال ہوا تھا ۔
اور اب یہ وہی منگل کی شب ہے جبکہ حضور رحیمؒ نے اس رات کو وصال فرمایا تھا
اور یہی وہ سات صفر ہے جبکہ حضور اعلیٰ حضرت شاہ سلیمانؒ کو بلاوا آیا تھا ۔
لہذا تدفین کے بعد ایک بادل آیا جس نے انتہائی شور مچایا چلایا ۔
ساتھ ہی بارش ہوئی ۔ ژالہ باری ہوئی صرف تونسہ شریف میں ۔

باز گفتم ماہ من آں عارضِ گلگوں مپوش
ورنہ خواہی ساخت مارا خستہ مسکیں غریب

غلام نازک نظامی مقدم زراعت تھا۔ حضور فرمایا کرتے ۔
غلام نازک کب انسپکٹر زراعت بن رہے ہو۔ غلام نازک عرض کرتے۔ حضور مڈل پاس
ہوں۔ انسپکٹر کیسے لگ سکتا ہوں ۔

حضور کے وصال کے بعد غلام نازک کو میٹرک کرنے کا خیال آیا۔
غلام نازک اور اوران کے بیٹے نے ایک ساتھ میٹرک کا امتحان دیا اور پاس ہو
گئے۔ (جبکہ سفید ریش تھے) انسپکٹر زراعت بن کر ریٹائر ہوئے۔

گل محمد بلوانی کا مکان تونسہ شریف میں رودکوہی کے بہاؤ
(ڈھوری) پر تھا۔ یار محمد ٹھیکیدار کا اینٹوں کا بھٹہ قریب تھا۔ اس کی راکھ خاصی
اکٹھی ہو گئی تھی۔ اتفاق سے رودکوہی زیادہ آئی۔ بھٹہ کی راکھ کی رکاوٹ سے
پانی اکٹھا ہو گیا جس سے گل محمد بلوانی کا مکان گر پڑا۔

گل محمد نے رمضان کھونہارا مزارعہ حضرت صاحب پر مقدمہ دائر
کر دیا۔ کیونکہ وہ ڈھوری حضرت صاحب کی زمین سے تعلق رکھتی تھی

یار محمد ٹھیکیدار نے اینٹیں دینے کا کہا و نیز حضرات فخر و معین خان
نے مقدمہ ختم کرنے کے لیئے بھی کہا مگر وہ نہ مانا۔

رمضان کھونہارا حضور کے پاس گیا۔ آپ نے تشفی دی۔
تاریخ سماعت سے پہلی رات گل محمد نے حضور کو خواب میں دیکھا۔ فرمان ہوا مقدمہ

واپس لو ۔ تم شرعی جواز پر نہیں ہو۔

صبح گل محمد نے راضی نامہ لکھ دیا ۔

محمد نواز ' غلام مصطفیٰ پسران غلام سرور پٹھان سکنہ سرگودھا

پر قتل کا مقدمہ ہوا ۔ وہ حضور کے مرید تھے ۔ خط لکھا کہ حضور کو گواہ صفائی

میں لکھوایا ہے کہ آخری وقت آپ کی زیارت نصیب ہو ۔ پیش نہیں کرینگے ۔

خط جب مجلس میں پڑھا گیا تو حضور نے فرمایا ۔ انھوں نے بڑی

آزمائش میں ڈال دیا ہے ۔ سب دوست دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ

انھیں بری فرمائے ۔

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے وہ بری ہو گئے ۔ آپ نے مقتول پارٹی

کو اس کے بعد خون بہا دلوایا تاکہ شرعی حد پوری ہو۔

حضرت ملتان سے تونسہ شریف کار پر تشریف لا رہے

تھے ۔ قصبہ لصیرہ کے قریب ایک لڑکا گدھے ہانکے جا رہا تھا ۔ جو ڈرائیور کو

نظر نہ آیا ۔ گدھوں کو بچاتے بچاتے لڑکا کار کی زد میں آکر ہلاک ہو گیا ۔

حضور لصیرہ کے ذیلدار کے ہاں تشریف لے گئے ۔ تھانہ تریشی

اطلاع کرائی ۔ تھانے کا انچارج ہندو تھا ۔

اس نے کہا یہ بڑے آدمی کار خود چلاتے ہیں جب کوئی حادثہ

ہو جائے تو ڈرائیور کا نام کر دیتے ہیں ۔ بہرحال قانونی کارروائی کے بعد

آپ کو رخصت کر دیا اور ڈرائیور کو دوسرے دن پیش ہونے کو کہا ۔

دوسرے روز میں (کاتب منشی غلام فرید) مولوی غلام علی صاحب

(وزیر حضرت صاحب) اور ڈرائیور تھانہ پہنچے۔

مولوی غلام علی صاحب لڑکے کے والد کو رقم (جو کہ پہلے طے کر لی گئی) دینے لبیرہ چلے گئے۔ میں اور ڈرائیور تھانہ میں تھے۔

تھانہ میں حضرت صاحب کے آدمی کا بلاوہ ہوا۔ میں حیران کہ ڈرائیور کی بجائے مجھے کیوں بلایا گیا ہے۔ میں تھانہ کے اندر گیا۔ تھانے دار نے میرے پاؤں پر ہاتھ رکھ کر کہا میں چھوٹا تھانیدار ہوں اور مسلمان ہوں۔ وہ ہندو تھانیدار راتوں رات تبدیل ہو گیا ہے۔ آپ ڈرائیور کی ضمانت دے دیں۔

میں ضامن بنا اور اس طرح قصہ صاف ہوا۔

دوست محمد خان بلغانی سکنہ سوکڑ نے تونسہ شریف کے ایک ہندو کے متروکہ مکان پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے وہ مکان ایک غریب شیخ اللہ وسایا کو دے دیا۔ مکان شکستہ تھا۔ شیخ اللہ وسایا نے پانچ چھ صد روپیہ خرچ کر کے اسے رہنے کے قابل بنا لیا۔

کچھ عرصہ بعد دوست محمد خان کو لالچ ہوا۔ اور مکان کی واپسی کا تقاضہ شروع کر دیا۔ شیخ اللہ وسایا نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی حضور سردی کا موسم ہے چھوٹے چھوٹے بچے کہاں لے جاؤں۔

آپ نے دوست محمد خان کو بلوایا۔ فرمایا غریب آدمی ہے۔ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خدا کا خوف کرو اور اس پر ترس کھاؤ۔ وہ نہ مانا۔

کچھ عرصہ بعد دوست محمد خان نے ایک عورت کو اغوا کر لیا۔ عورت کے ورثاء نے دوست محمد خان کو قتل کر دیا۔

جہان خان میٹرک پاس گیم واچر تھا۔ آپ نے فرمایا۔

جہان خان تجھے انسپکٹر شکار ہونا چاہیئے۔

اس نے کہا۔ حضور! ایف اے۔ بی اے پاس درخواستیں دئے ہوئے ہیں۔ میں تو میٹرک ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ تم ضرور انسپکٹر بنو گے۔

کچھ دن بعد جہان خان کو تین ۳ ماہ کا کورس کرنے اور اس کے بعد امتحان دینے کے لئے کہا گیا۔

جب اِمتحان کا وقت آیا تو پرچہ ڈاکخانہ کی عمومی معلومات سے متعلق تھا۔ جہان خان جو پہلے ڈاکخانہ میں کام کر چکے تھے' نے خوب لکھا۔ مفصل اور مدلل لکھا۔ نتیجہ کہ پاس ہو کر انسپکٹر شکار بنے۔ بی اے پاس فیل ہو گئے۔

دیدمش دوش کہ سرمست وخراماں میرفت
میں نے اس کو کل دیکھا کہ مستی میں خراماں جا رہا تھا۔

جامِ مے برکف و در مجلسِ رنداں میرفت
ہتھیلی پر جام شراب رکھے رندوں کی مجلس میں جا رہا تھا۔

می شد آنکس کہ چو او جان سخن کس نشناخت
وہ جا رہا تھا جسطرح بات کی روح کو کسی نے نہ پہچانا۔

من ہمی دیدم واز کالبدم جاں میرفت
میں یہ دیکھتا تھا اور میرے جسم سے جان جا رہی تھی۔

گفتم اکنوں سخن خوش کہ بگوید با ما
میں نے کہا اب پیاری پیاری باتیں ہم سے کون کرے گا

کاں شکر لہجۂ خوشگوئے سخنداں میرفت
کہ وہ شیریں لہجے والا خوش گو سخنداں جا رہا تھا۔

لابہ بسیار نمودم کہ مرو سود نداشت
میں نے بہت خوشامد کی کہ نہ جا۔ کوئی فائدہ نہ ہوا۔

زانکہ کار از نظرِ رحمتِ سلطاں میرفت
اس لئے کہ کام بادشاہ کی نظر رحمت سے گزرا جا رہا تھا۔

بادشاہا! زکرم از سرِ جرمش بگذر
اے بادشاہ کرم کرکے اس کی خطا معاف کردے۔

چہ کند سوختہ از غایت حرماں میرفت
وہ سوختہ کیا کرے انتہائی مایوسی سے جا رہا تھا۔

چوں بشد آں صنم از دیدۂ حافظ غائب
جب وہ صنم حافظ کی آنکھ سے غائب ہوا

اشک ہموارہ ز رخسار بداماں میرفت
آنسو برابر رخسار سے دامن کی طرف جا رہے تھے۔
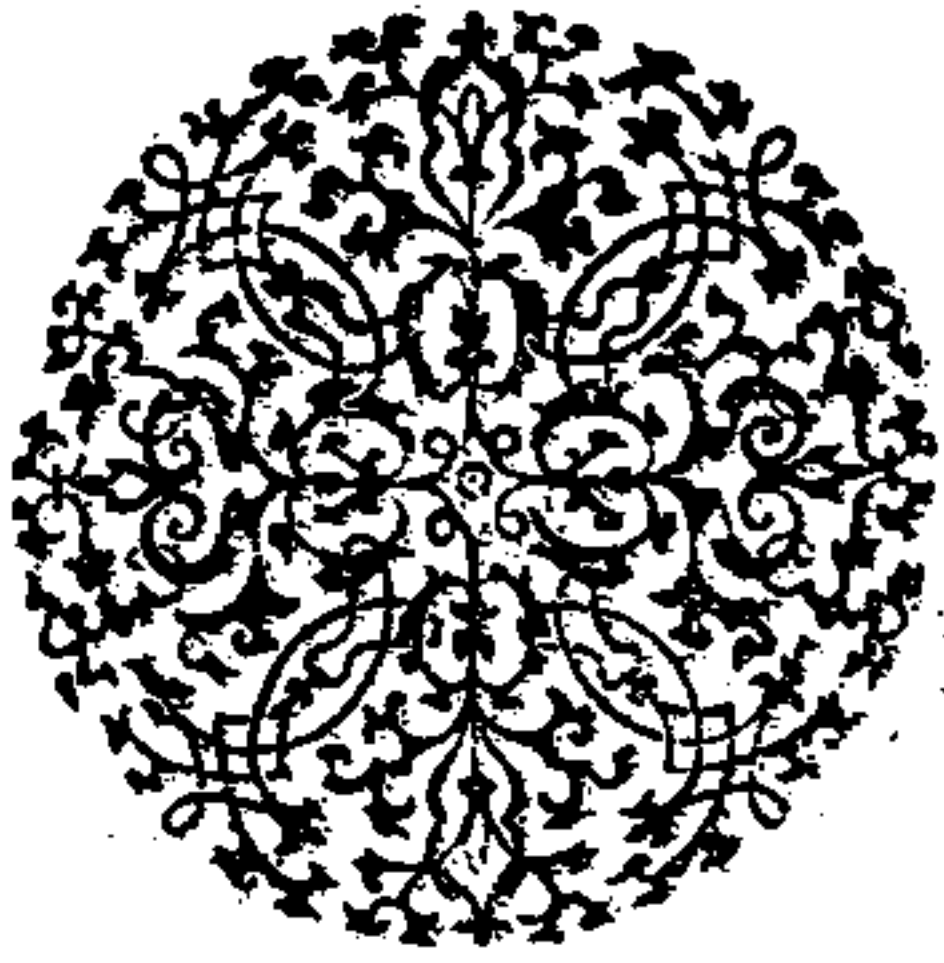
اگر خدائے کسے را بہ ہر گناہ بگیرد	اگر خدا کسی کو ہر گناہ پر پکڑے
زمیں بہ نالہ برآید زمانہ آہ بگیرد	زمیں رو پڑے زمانہ آہ کرنے لگے
گنہ بروئے زمیں میکنی وہیچ نترسی	تو روئے زمین پر گناہ کرتا ہے اور ہرگز نہیں ڈرتا
کہ ماہ بر فلک از شومئ گناہ بگیرد	کہ آسماں پر چاند گناہ کی بدبختی پر پکڑا جاتا ہے
شبے ز شرمِ گناہ آنچناں بسجدہ بگریم	کسی رات گناہ کے شرم سے سجدہ میں ایسا روؤں گا
کہ سجدہ گاہ من آں شب ہمہ گیاہ بگیرد	کہ اس رات میری سجدہ گاہ میں گھاس اگ آئے گی
برابر است کہ کوہ پیش حضرت سلطاں	حضرت بادشاہ کے سامنے تنکا اور پہاڑ یکساں ہے
گہے بجو نگیرد گہے بہ کاہ بگیرد	کبھی پہاڑ کے بدلے نہیں پکڑتا کبھی تنکے کے بدلے پکڑتا ہے
گہِ وداع بگریم بداں مثابہ کہ یارم	رخصت کے وقت ایسا روؤں گا کہ میرا دوست
بہ ہر زمیں کہ برود آبدیدہ راہ بگیرد	جس سرزمیں پر جائے گا آنسو راستہ روکیں گے۔
چو شاہ قصدِ دل بیدلاں نماید حافظ	اے حافظ جب بادشاہ بیدلوں کے دلوں کا ارادہ کرے
کہ است زہرہ و یارا کہ پیش شاہ بگیرد	کس کی طاقت ہے کہ اس کا راستہ روکے

حلقۂ پیرِ مغانم ز ازل در گوش است
میں ازل سے پیرِ مغاں کا حلقہ بگوش ہوں

ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہد بود
ہم وہی ہیں جو تھے اور وہ اسی طرح رہے گا ۔

بر سرِ تربتِ ما چوں گذری ہمت خواہ
جب تو ہماری قبر کے سرہانے گزرے تو دعا مانگ

کہ زیارتگہِ رندانِ جہاں خواہد بود
کہ وہ دنیا کے رندوں کی زیارت گاہ رہے گی ۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
جس زمیں پر تیرا نقش قدم ہوگا ۔

سالہا سجدہ گہِ صاحب نظراں خواہد بود
وہ سالوں صاحب نظر لوگوں کی سجدہ گاہ رہیگی ۔

عیبِ مستاں مکن اے خواجہ کزیں کہنہ رباط
اے خواجہ مستوں پر تہمت نہ لگا کہ اس پرانی سرائے

کس ندانست کہ رحلت بچناں خواہد بود
کوئی نہیں جانتا کہ کس طرح کوچ ہوگا

چشمم آں دم کہ ز شوقِ تو نہد سر بلحد
جب میری آنکھ تیرے شوق میں قبر پر سر رکھے گی

تا دمِ صبحِ قیامت نگراں خواہد بود
قیامت کی صبح تک منتظر رہے گی ۔

روشن از پرتوِ رویت نظرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی نگاہ نہیں ہے جو تیرے چہرے کے پرتو سے روشن

منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست
کوئی ایسی بینائی نہیں جس پر تیرے در کے خاک کا احسان نہیں ہے

ناظرِ روئے تو صاحب نظرانند ولے
تیرے چہرے کے دیکھنے والے تو صاحب نظر ہیں ہی لیکن

سرِ گیسوئے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست
کوئی ایسا سر نہیں جس میں تیرے گیسوؤں کا خیال نہیں ہے

تا بدامن نہ نشیند ز نسیمت گردے
نسیم کی وجہ سے تیرے دامن پر کوئی گرد اڑ کر نہ بیٹھے

سیلِ اشک از نظرم بر گذرے نیست کہ نیست
کوئی رستہ ایسا نہیں جس پر میری آنکھوں کا سیل اشک نہیں ہے

من ازیں طالعِ شوریدہ برنجم ورنہ
میں اپنی سیاہ بختی سے رنجیدہ ہوں ورنہ

بہرہ مند از سرِ کویت دگرے نیست کہ نیست
کوئی دوسرا ایسا نہیں جو تیرے کوچے سے بہرہ مند نہ ہو

آب چشمم کہ برو منتِ خاکِ درِ تست
میرے آنسوؤں پر تیری خاک در کا احسان ہے

زیرِ صد منت او خاکِ درے نیست کہ نیست
کسی دروازے کی خاک نہیں جس پر اس کے سو احسان نہ

از وجودِ آں قدرم نام و نشاں نیست کہ ہست
میرے وجود کا صرف القدر نام و نشان ہے کہ وہ ہے

ورنہ از ضعف درآنجا اثرے نیست کہ نیست
ورنہ کمزوری کا کوئی ایسا اثر نہیں ہے جو اس میں نہیں ہے

شیر در بادیۂ عشق روباہ شود !
تیرے عشق کے جنگل میں شیر بھی لومڑی ہے

آہ ازیں راہ کہ در وے خطرے نیست کہ نیست
آہ کوئی ایسا خطرہ نہیں جو اس راہ میں نہ ہو۔

مصلحت نیست کہ از پردہ افتد راز
مصلحت نہیں کہ راز پردے سے باہر آئے

ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست
ورنہ رندوں کی محفل میں ایسی کوئی خبر نہیں جسکی خبر نہ ہو

بجز ایں نکتہ کہ حافظ ز تو ناخوشنود است
سوائے اس نکتہ کہ حافظ تجھ سے ناراض ہے

در سراپائے وجودت ہنرے نیست کہ نیست
ورنہ ایسا کوئی ہنر نہیں ہے جو تیرے وجود میں نہیں ہے
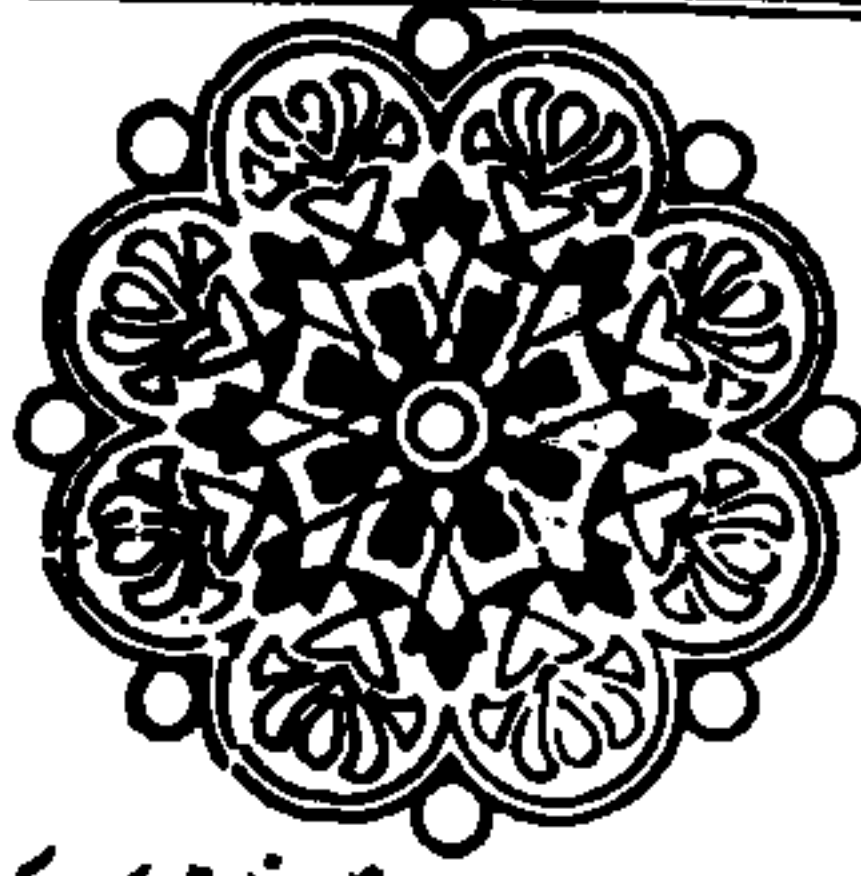
زلفت ہزار دل بیکے تارِ مو بہ بست	تیری زلف کے ایک بال نے ہزاروں دل باندھ دئے
راہِ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست	ہزار چارہ گروں کا راستہ چاروں طرف سے روک دیا ۔
تا عاشقاں بہ بوئے نسیمش دہند جاں	تاکہ عاشق اس کی نسیم کی خوشبو پر جان دے دیں ۔
بکشود نافہ و درِ ہر آرزو بہ بست	اس نے نافہ کھول دیا اور ہر آرزو کا دروازہ بند کر دیا ۔
شیدا ازاں شدم کہ نگارم چوں ماہِ نو	میں دیوانہ بن گیا کہ محبوب نے پہلی رات کے چاند کی مانند
ابرو نمود و جلوہ گری کرد و رُو بہ بست	ابرو دکھایا، جلوہ گری کی اور چہرہ چھپا لیا
دانا چوں دید بازئ ایں چرخِ حقہ باز	عقلمند نے جو اس بازیگر آسمان کی بازیگری دیکھی
ہنگامہ باز چید و درِ گفتگو بہ بست	ہنگامہ ختم کر دیا اور گفتگو کا دروازہ بند کر دیا
مطرب چہ نغمہ ساخت کہ در پردۂ سماع	مطرب نے کیا نغمہ چھیڑا کہ سماع کے پردے میں
بر اہلِ وجد و حال درِ ہا ؤ ہو بہ بست	اہلِ وجد و حال پر ہاؤ ہو کا دروازہ بند کر دیا ۔
گفتم کہ حسنِ چہرۂ او را صفت کنم	چاہا کہ اس کے چہرے کے حسن کی خوبی بیان کرد
او روئے خود نمود و درِ گفتگو بہ بست	اس نے چہرہ دکھلایا اور بات کا دروازہ بند کر دیا
حافظ ہر آنکس عشق نورزید و وصل خواست	حافظ جس نے بلا عشق وصل چاہا
احرامِ طوفِ کعبۂ دل بے وضو بہ بست	اس نے گویا بے وضو کعبۂ دل کے طواف کا احرام باندھا

اے نسیم سحر آرامگہ یار کجاست — اے نسیم سحر یار کی آرامگاہ کہاں ہے۔

منزل آں مہ عاشق کشِ عیار کجاست — اس عاشق کش عیار چاند کی منزل کہاں ہے۔

شب تار است و رہ وادی ایمن درپیش — رات سیاہ ہے اور وادی ایمن کا راستہ درپیش ہے

آتشِ طور کجا وعدہ دیدار کجاست — طور کی وہ آگ اور دیدار کا وعدہ کہاں ہے۔

آنکس است اہلِ بشارت کہ اشارت داند — اہل بشارت وہ ہے جو اشارہ سمجھے

نکتہاہست بہ محرمِ اسرار کجاست۔ — نکتے تو بہت ہیں محرم راز کہاں ہے۔

عاشقِ خستہ ز دردِ غمِ ہجرِ تو بسوخت — عاشقِ خستہ تیرے فراق کی آگ میں جل گیا۔

خود نپرسی تو کہ آں عاشق غمخوار کجاست — تو نہیں پوچھتا کہ وہ غمخوار عاشق کہاں ہے؟

بادہ و مطرب و گل جملہ مہیا است — گویا شراب اور پھول مہیا ہیں لیکن

عیش بے دوست میسر نشود یار کجاست — دوست کہاں ہے جس کے بغیر عیش حرام ہے۔

باز پرسید ز گیسوئے شکن در شکنش — اس کی پرپیچ زلفوں سے پھر پوچھو

کیں دل غمزدہ اش گشتہ گرفتار کجاست — کہ وہ غمزدہ دل جو اس کا گرفتار ہے کہاں ہے؟

حافظ از باد خزاں در چمن دہر مرنج! — اے حافظ زمانے کے باغ میں باد خزاں سے غمگین نہ ہو

فکر معقول بفرما گلِ بے خار کجاست — صحیح بات کر! بغیر کانٹے کے پھول کہاں ہے؟

تا کے بدردِ ہجر کنی ناتواں مرا!
یک دم بوصلِ خویش بکن شادماں مرا
میخواستی ہمیشہ گرفتارِ ہجرِ خود
دیدی بکام خویشتن آخر چناں مرا
بود ہیچ وجہ دمے از توام گریز
زاں رو کہ نیست جز تو کسے در جہاں مرا
در حیرتم کہ بے تو چساں زندگی کنم!
چوں نیست خواب و خور ز غم یکزماں مرا
افتادہ ام بکنجِ غم و جز فغان و آہ
نے یارِ غمگسارے و نے ہمزباں مرا
بودم ہمیشہ شاد زِ وصلت و لے کنوں
کارے زہجرِ تو نبود جز فغاں مرا

ہجر کے درد میں مجھے کب تک ناتواں کرے گا
تھوڑی دیر کے لئے اپنے وصل سے مجھے خوش کر
تو ہمیشہ مجھے اپنے ہجر میں گرفتار رکھنا چاہتا تھا
آخر تو نے اپنے مقصد کے مطابق مجھے دیکھ لیا
ایک لمحہ کیلئے بھی کسی صورت تجھ سے گریز نہ ہو سکا
کیونکہ اس جہاں میں تیرے سوا میرا کوئی نہیں ہے
حیران ہوں کہ تیرے بغیر کیسے زندہ رہوں
جب کہ تیرے غم میں ایک لمحہ بھی مجھے سونا اور کھانا میسر نہیں۔
میں غم کے گوشے میں پڑا ہوں اور آہ و فغاں کے بغیر
میرا کوئی نہ کوئی یار ہے نہ غمگسار اور نہ ہمزبان
میں ہمیشہ تیرے وصل سے خوش تھا مگر اب
تیرے ہجر میں سوائے فریاد کے کوئی کام نہیں۔

دوُر از رخ تو دمبدم از گوشۂ چشم	تیرے چہرے سے دور میرے آنکھ کے گوشے سے دمبدم
سیلابِ سرشک آمد و طوفانِ بلا رفت	آنسوؤں کا سیلاب آیا اور بلا کا طوفان اٹھا
از پائے فتادیم چو آمد شبِ ہجراں	جب شب ہجر آئی تو ہم لوٹ پوٹ ہوگئے۔
در دردِ بماندیم چو از دست دوا رفت ،	جب ہاتھ سے دوا نکل گئی تو ہم درد میں مبتلا ہوگئے
دل گفت وصالش بدعا باز تواں یافت	دل بولا دعا سے اس کا وصال حاصل ہو سکتا ہے
عمریست کہ عمرم ہمہ در کارِ دعا رفت	زمانہ گزر گیا میری تمام تر عمر دعا میں صرف ہوگئی۔
احرام چہ بندیم کہ آں قبلہ نہ اینجا ست	ہم کیا احرام باندھیں کہ وہ قبلہ یہاں نہیں ہے
در سعی چہ کوشیم کہ از مروہ صفا رفت	سعی میں کیا کوشش کریں کہ صفا و مروہ چلے گئے۔
دی گفت طبیب از سرِ حسرت چو مرا دید	کل جب طبیب نے مجھے دیکھا تو حسرت سے کہا
ہیہات کہ دردِ تو زِ قانونِ شفا رفت	افسوس کہ تیرا درد قانونِ شفا سے گزر گیا

- اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل کی دنیا بارونق ہوتی ہے۔
- ہمارے لئے محبوب خدا کی تابعداری دین و دنیا کی کامیابی ہے۔
- پاک پیغمبر کیلئے مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ کے علم کا اقرار دراصل اقرار رسالت ہے۔
- نماز باجماعت ادا کرنے سے رزق میں بیحد برکت ہوتی ہے۔
- جو نماز نہ پڑھے وہ ہمارے مریدوں میں شامل نہیں۔
- بے نمازیوں کی نحوست سے آبادیوں میں اجاڑ آجاتا ہے۔
- زکوٰۃ نہ دینے سے بے برکتی کا دور شروع ہو جاتا ہے۔
- روزہ رکھنے سے جسم تندرست اور سرسبز و شاداب رہتا ہے۔
- حج کرنا فرض اور بارگاہِ رسالت کی حاضری عین فریضہ ہے۔
- جذبۂ جہاد فرزندانِ اسلام کا پشتینی سرمایہ ہے۔
- محفل میلاد شریف منعقد کرنا مسلمانوں کا مقبول شعار ہے۔
- درود شریف کی کثرت سے بلیات دور اور حضوری حاصل ہوتا ہے۔
- نعرۂ رسالت محمدی کہلانے کا قدیمی معمول ہے۔
- آنجناب کے ذکر ولادت پر قیام کرنا مشائخ کبار کی سنت ہے۔
- بزرگانِ دین کے دست و پا چومنے سے بڑی برکتیں ہاتھ آتی ہیں۔
- مزاراتِ اولیاء سے بے پناہ فیض ملتا ہے۔

- محافلِ میلاد سے رحمت باری کا لگاتار نزول ہوتا ہے ۔
- بارہ ۱۲ ربیع الاوّل کا جلوس سنتِ ملائکہ اور شوکت اسلامی کا مظہر ہے ۔
- اصحابِ رسول ؐ کی طرف میلی آنکھ دیکھنا پرلے درجے کی بدنصیبی ہے ۔
- پنجتن پاک ماننے سے ایمان تر و تازہ ہو جاتا ہے ۔
- خاندانِ نبوت کی عزت و تکریم کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے ۔
- بندگانِ خدا کی قبور چومنے سے دل کی کلفتیں مٹ جاتی ہیں ۔
- آئینِ اسلامی کیلئے جدوجہد کرتے رہنا ہر مسلمان کا مذہبی حق ہے ۔
- بدعقیدہ لوگوں کے میل جول سے دل میلا ہو جاتا ہے ۔
- مخلوقِ خدا کی مشکلات حل کرنے میں دلچسپی لینا بعید ثواب ہے ۔
- مشاہیرِ اسلام کی آستاں بوسی سے غرور کی گردن ٹوٹ جاتی ہے ۔
- دینی مدارس دورِ حاضر میں اسلام کے محفوظ قلعے ہیں ۔
- علمائے کرام کی محبّت دین دوستی کی نشانی ہے ۔
- انگوٹھے چومنا صدیوں سے مسلمانوں کا شیوہ اور نورِ بصارت کیلئے تیر بہدف نسخہ ہے ۔
- محبید ؟ عید ﷲ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔
- سچّا عقیدہ وہی ہے جس پر صوفیا کرام عمل کرتے آئے ہیں ۔
- وہابیہ کی امامت ناجائز اور بیعت قابلِ فسخ ہے ۔
- سادات صوفیہ کے سماع پر کوئی ذی عقل اعتراض نہیں کر سکتا ۔
- طاقت ور کو منہ پر سچی بات کہنا مومن کی میراث ہے ۔
- مال و دولت سے محبّت کرنا جوانمردی کے خلاف ہے ۔

- شرعی قوانین کیلئے سیاست میں حصّہ لینا جہادِ عظیم ہے۔
- سادگی وکفایت شعاری اسلام کے اعلیٰ آداب ہیں۔
- خواتین کیلئے پردہ پاسبانی اور دینی تعلیم عفت مآبی پیدا کرتی ہے۔
- بہادرانہ زندگی کے چند لمحے، بزدلی و بے ضمیری کے سالوں سے بھلے ہیں۔
- مدارسِ اہلِ سنّت کے لئے فیاضی سے کام کرنا چاہیئے۔
- احکام شریعت پر عمل کرنے کا نام پیری اور فقیری ہے۔
- "سلسلہ چشتیہ نظامیہ" کا وظیفہ دافع مہمات ہے۔
- سچے عقیدے کی اشاعت کیلئے قربانی کا جذبہ ہونا ضروری ہے۔
- سادہ دل، سادہ خوراک آدمی جنتی ہوتے ہیں۔
- جمعیت علمأ پاکستان کے پروگراموں میں دلچسپی لینا موجب ثواب ہے۔
- سائل کو منہ مانگا دینا سخاوت ہے۔
- مہمان کو خلوص و محبّت سے کھانا دینا عبادت ہے۔
- مزارات پر روشنی کرنے سے دل کی دنیا روشن ہوتی ہے۔
- مغربی تہذیب کی تقلید ہمارا ملّی تشخص مجروح کر رہی ہے۔
- کشمیر و فلسطین جہاد کی بدولت حاصل ہوں گے۔
- میرے جیتے تونسہ شریف لہو و لعب کا اڈہ بنا تو ترک سکونت کر جاؤں گا۔
- پیر پٹھان ؒ کا لنگر زمانہ لوٹ رہا ہے مگر سنگھڑ والوں کو لینے کا ڈھب نہیں آتا۔
- جناب رسالتمآب ﷺ کے حاضر و ناظر کا انکار تو نبوت کا انکار ہے۔
- ختم خواجگان چشت اہل بہشت، حل المشکلات کیلئے محبوب وظیفہ ہے۔

- اکابر علماء اہل سنّت انبیاء کے فخری سرمایہ کے وارث ہیں۔
- مسلکِ احناف ہی درحقیقت دینِ حنیف ہے۔
- سائل سلیقے والا ہو تو مقبولانِ خدا امداد کو آتے ہیں۔
- جی حضوری مولوی اور بے ضمیر پیر معاشرے کا ناسور ہیں۔
- خوشحالی اس وقت آئے گی جب اپنے آپ کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں گے۔
- بچوں کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی تعلیم سے بھی آراستہ کیا جائے۔
- اولیاء کرام میں حضرت پیر پٹھان کی یہ انفرادیت ہے کہ مرید نہیں مرادِ مرشد بنائے گئے۔
- بھولے بھالے لوگ جنت کے متلاشی ہوتے ہیں۔
- مذہبی غیرت مندی خداداد عظمت کہلاتی ہے۔
- خلیفۂ اوّل سیدنا صدیق اکبرؓ ملتِ اسلامیہ کے عزت مآب نانا جان ہیں۔
- غیر اسلامی حکومت کے خلاف جدّوجہد کرنا مسلمان کا خاصہ ہے۔
- میرا ایمان برداشت نہیں کرتا کہ کوئی گستاخِ رسولؐ تونسہ میں قدم رکھے۔
- حضرت امیر معاویہ کو کوئی شریف آدمی گالی نہیں دے سکتا۔
- ایشیاء میں مسلمانوں کے واحد محسن و مرشد سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ غریب نواز ہیں۔
- نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنا مستحسن اور آج کل ضروری ہے۔
- حضرت قبلہ عالم مہارویؒ علم و عمل کے آفتاب تھے۔
- کوئی شریف آدمی یزید کے بارہ میں نرم گوشہ نہیں رکھ سکتا۔
- پیارے پاکستان کی ترقی کے لئے شاندار کردار ادا کیجئے۔

حضرت عزیز حاصلپوری

ذاتِ والا صفات آپ کی ذات تھی — مخزنِ معرفت، معدنِ آگہی
آپ تھے عابد و زاہد و متقی — کوئی تعریف کیا کر سکے آپ کی

نازشِ اہلِ جود و کرم آپ تھے
قابلِ رشک تھی آپ کی زندگی

پا گئے آپ فکر و نظر میں عروج — آپ کو دی خدا نے یہ بالیدگی
خاندانِ سلیمانؒ و اللہ بخشؒ — آپ کے دم سے روشن ہوا اور بھی

دین و ملت کی خدمات کے روپ میں
کر گئے آپ مخدومی و صاحبی

سینکڑوں لوگ حاجی کئے آپ نے — آدمی بن گئے سینکڑوں آدمی
کوئی محتاج در سے نہ خالی گیا — اللہ اللہ یہ فیضان و دریا دلی

دین کا تھا نظام آپ کے نام میں
اہل دیں میں ہے دھوم آپ کے نام کی

صحبتِ اہل عرفاں ملی آپ کو — قول ہے "می شناسد ولی را ولی"
کرنے لگ جاؤ تم بھی عزیز آج سے — مدحتِ پیر میخانۂ تونسوی

۱۹۷۶ء

عابد نظامی

پاک باز و نیک سیرت خوش ادا
اہلِ دل، صاحب نظر، مردِ خدا

رہبرِ راہِ حقیقت، عبدہٗ
پاک فطرت، پاک طینت، پاک خُو

جانشینِ مصطفےٰ عالی مقام
چشتیوں کے راہبر مرشد امام

تیری الفت سے یہ دل آباد ہے
تیرا کردارِ حسینی یاد ہے

نور برسے قبر پر تیری سدا
فیض پائیں لوگ سب صبح و مسا

آلام و مصائب کی جہاں دھوپ کڑی تھی
خواجہ کی نظر وقت کے سورج سے لڑی تھی

صحرائے سیاست میں وہ اخلاص کے بادل
دُھند کی آنکھوں میں صحیح فکر کے کاجل

وہ غیرتِ دیں خوگرِ تسلیم و رضا بھی
وہ زندۂ جاوید، شہادت پہ فدا بھی

وہ ناصرِ دیں اسوۂ آباء کے امیں تھے
انگشتریٔ حسنِ ولایت کے نگیں تھے

وہ حُسنِ تصوف سے سجائے ہوئے دلبر
وارفتہ کہیں دیکھ کے اللہ اکبر

ظالم کیلئے سنگِ گراں آگ فشاں تھے
مظلوم کے حق میں گل و گلزارِ جناں تھے

وہ پیار کے سنگیت محبت کی صدا تھے
محبوبِ نظر اس کے وہ محبوبِ خدا تھے

قائد وہ بہاروں کے تھے خاروں کے وہ نقاد
اس مرشدِ عالم پہ یہ فیاض فدا باد

کاوش
پروفیسر فیاض
تھرپارکر

مرحبا اے شیخ ملت آخذِ حبلِ متیں	دہر میں آتا نظر تجھ سا مجاہد ہی نہیں
تو نہ حق گوئی سے باز آیا کسی میدان میں	تجھ پہ باطل کا کبھی خوف و خطر چھایا نہیں
سب مفسر سب محدث اور فقیہہ روزگار	سالکاں تھے تیرے اے خواجہ نظام ملک و دیں
عہدِ حاضر میں تھا تو اک حجتِ پروردگار	تیرے ہمعصروں میں کوئی تیرا ہمسر ہی نہیں
تیرا سینہ ہے منور معرفت کے نور سے	اتباعِ مصطفٰے سے تیری روشن تھی جبیں
فیض کا چشمہ ہے تونسہ میں ترا دار العلوم	جس سے پاتے ہیں مسلماں دولتِ علم و یقیں
تیرے منہ سے نکلا اک اک حرف تھا باطل کی موت	سیخ پا جس پر جبیں ہوتے تھے اعدائے دیں

خوب ہوتے تھے عیاں اس وقت اسرارِ حیات

جب بیاں کرتا تھا مجلس میں تو قرآنِ مبیں

علامہ قریشی کندیاں

دریغا پیکرِ صدق و صفا رفت
دریغا منبعِ جود و سخا رفت

دریغا نائبِ محمودِ عالمؒ
شہیرِ خاندانِ چشتیا رفت

نشانِ شوکتِ شاہِ سلیماںؒ
نظامِ رشتۂ مہر و وفا رفت

دلیر و حق پرست و مردِ میداں
معینِ سنّتِ خیر الوریٰ رفت

نہ خم شد پیشِ باطل ہیچ وقتے
دریغا ایں چنیں مردِ خدا رفت

ہزاراں رحمتِ حق بار بر وَے
عجب مردانہ از دارِ فنا رفت

بگو سنّ وصالش فیضؔ با سوز
رئیس الاصفیاء آں صفا رفت

حضرت علامہ
فیض احمد صاحب
گولڑہ شریف

پیرانِ پیرؒ

اک طرف جبر و ستم تھا اک طرف پیران پیر
اک طرف جاہ و حشم تھا اک طرف مردِ فقیر

گفتگوئے مردِ مومن کا عجب انداز تھا
کانپتے تھے سن کے اقلیم سیاست کے وزیر

گنبدِ خضرا کے آگے خم ہوئی جس کی جبیں
پوچھ لو بطحا ہے شاہد اور اس کی سرزمیں

دبدبۂ سلطاں کے آگے جھکا نہ عمر بھر
حق کی خاطر اڑ گیا یہ بہادر نامور

شہریارانِ دوں ہر بزم میں ڈرتے رہے
چپکے چپکے احترامِ شہ بھی کرتے رہے

ڈھونڈتا ہوں ہر جگہ لیکن کہاں وہ مہ جبیں
سو گیا محمودؒ کے پہلو میں وہ رشکِ ثمیں

آج رو لو خوب رو تونسہ شہر کی سرزمیں
چھپ گیا اپنی نظر سے روٹھ کر مہر مبیں

بے سہاروں کا سہارا بے سہارا کر گیا
روٹھ کر خالد سے مولا اب کنارا کر گیا

خالد تونسوی
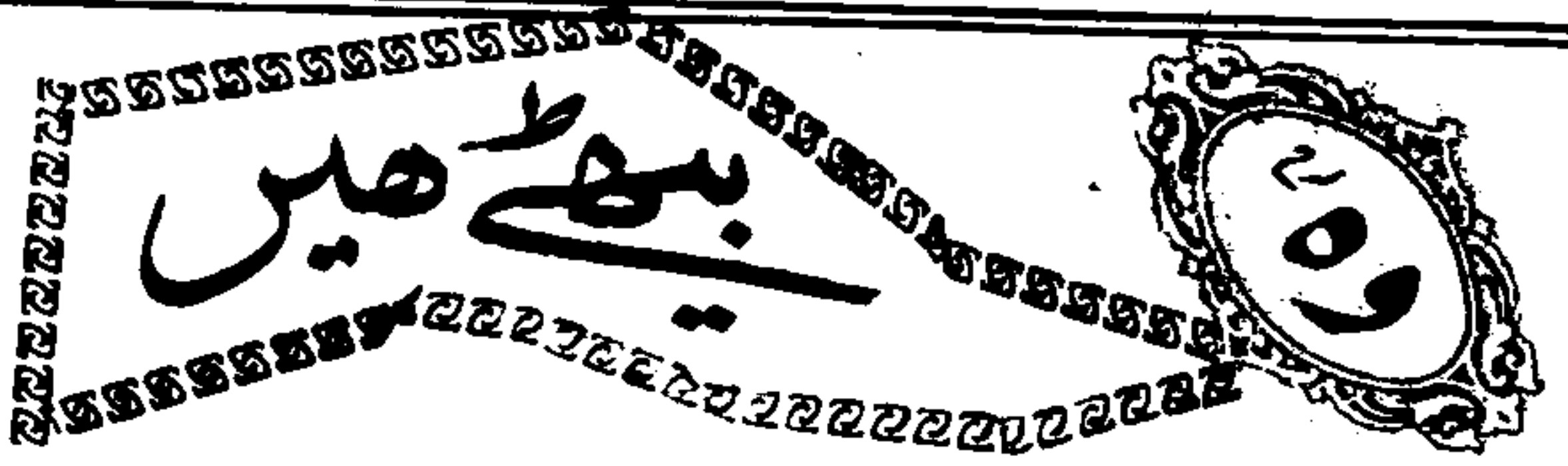
کیوں بانگِ سحر میں دیر ہوئی اے چاند ستارو دیکھو تو
کیوں آج تہجد روتی ہے اے شب بیدارو دیکھو تو

کیسی یہ بربادی آئی کیسے سب کچھ راکھ ہوا
ہائے ہائے کیسے نصیب پھوٹا یارو دیکھو تو

اس منزل کے ہم سفروں کو آس تمہاری تھی لیکن
تم بھی چھوڑ گئے مشکل میں دل کے سہارو دیکھو تو

کس نے بزم کی رونق لوٹی کیوں چہرے مرجھائے ہیں
اپنے دل کی اجڑی دنیا دل افگارو دیکھو تو

رنگ و بو کی دنیا ہائے یہیں کہیں تھی بسی ہوئی
پھول کہاں ہے مالی کہاں ہے اجڑی بہارو دیکھو تو

شاید ان تک جا پہنچیں ہم ان سے ابھی تو بچھڑے ہیں
یہیں کہیں تھے قافلے والے راہگزارو دیکھو تو

رونا ہو تو مت تصدق وہ تو ہر دم زندہ ہیں
وہ بیٹھے ہیں یہ بیٹھے ہیں ماتم دارو دیکھو تو

حکیم تصدق حسین تصدق
بیلاں

مرشدِ کامل
پیرِ طریقت

محمد یوسف خان
تونسہ شریف

ماہِ منور نور سراپا شب کے نظارو کدھر گئے
دوڑو ڈھونڈو بتلاؤ اے چاند ستارو کدھر گئے

فخرِ تہجد ناز عبادت شاہِ حریفِ کارِ ریاضت
ابھی ابھی تھے ساتھ تمہارے شب بیدارو کدھر گئے

ساتھ ہمارا دو مشکل میں وقت کا ساتھی اچھا ہے
ڈھونڈ کے لادو آج خدارا دیکھو یارو کدھر گئے

یہ دنیا ہو یا عقبیٰ ہو وہ ہمدرد ہمارے ہیں
ہر حالت میں نگراں ہیں وہ دل نہ ہارو کدھر گئے

یوسف زور سے دو آوازیں شاید سن کر لوٹ پڑیں
مرشدِ کامل' پیرِ طریقت' نام پکارو کدھر گئے'

مچا کہرام پاکستان کے دینی اداروں میں!
مساجد میں مدارس میں سبھی ایمانداروں میں

وہ سورج معرفت کے اور چاند اہل تصوّف کے
اجل کو کہہ گئے لبیک وہ منبع تصرّف کے

وہ علم و فضل میں گوہر کے تلمیذ مفصّل تھے
جو ارض ہند میں اک آفتابِ دیں مکمّل تھے

تصوّف خواجہ محمودؒ سے خود نے کیا حاصل
اکابر اولیاء کے زمرۂ مخصوص میں داخل

وہ حضرت شاہ سلیمانؒ کے صحیح قائم مقام ہو کر
نکلتے تھے صفِ باطل شکن میں بے نیام ہو کر

نئے سر سے کیا تھا آکے چشمہ آپ نے جاری
ہوئی سیراب اس چشمے سے دھرتی ہند کی ساری

خدا کے دین کو اس شیخ نے لا خوب پھیلایا
ہزاروں گمرہوں کو مسئلہ عرفان سمجھایا

وہ اٹھے اور دعوت حق گوئی دی سب کو
دیہاتوں اور شہروں میں ہی تبلیغ کی سب کو

تصنّع اور تکلّف سے مبرّا ذات تھی ان کی
حقائق اور معارف سے بھری ہر بات تھی ان کی

اٹھے طوفان باطل کے ہوئی پھر خوب بمباری
مگر اس مرد مومن نے نہ تھی ہمت کبھی ہاری

وہ اپنے کام میں مصروف ہر دن رات رہتے تھے
نہایت بے خطر ظالم کو حق کی بات کہتے تھے

خدا رحمت کند بر مرقد ایں شیخ روحانی
کہ عمرش وقف کردہ از برائے دین ربانی

علامہ امیر احمد ہاشمی ۔ کنڈیاں
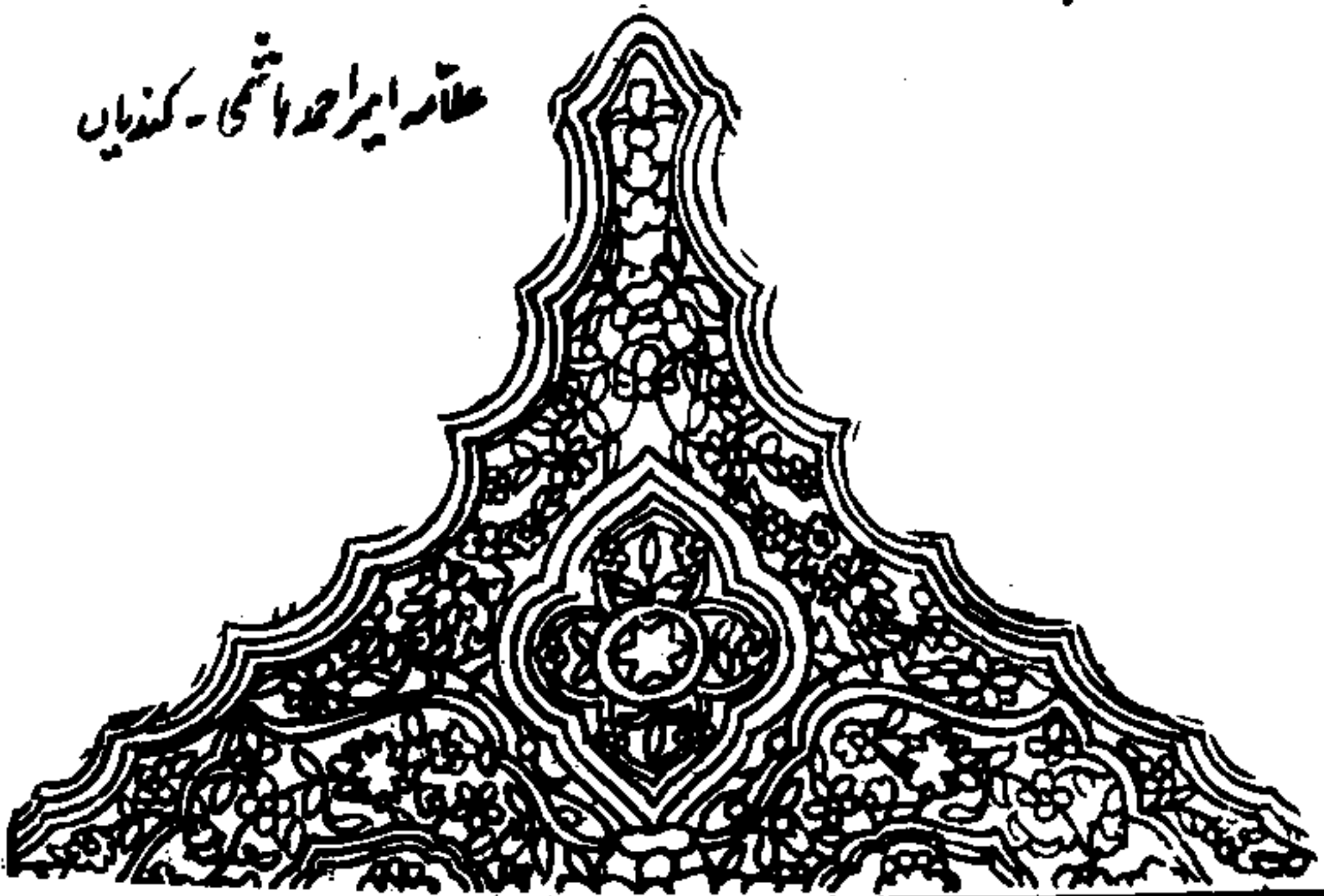
لٹ گئی کائناتِ ہوش مر گئی حیاتِ سکوں — درد کچھ اس قدر بڑھا ڈنے کا ہو گیا جنوں
ساقی لطفِ بے پناہ بزمِ نظر میں جب نہ ہوں — پھر نہ ہوں کس لیے بھلا دونوں جہان سرنگوں

ہائے حریمِ زیست میں شاہِ نظامؒ کیوں نہیں
پھر یہ نمودِ صبح کیوں؟ دائمی شام کیوں نہیں

آگ سی اک لگا گئے دنیائے خار و خس کو تم — اور ہوا ہی دے گئے آتش زدہ قفس کو تم
سنتے تو ہو گے ساقی قافلہ جرس کو تم — دنیائے درد و کرب کے اکھڑے ہوئے نفس کو تم

باندھ سکو تو باندھ دو جوڑ سکو تو جوڑ دو
خواجہ! خدا کے واسطے ایسے سماں کو توڑ دو

تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں — دل میں کوئی تڑپ نہیں آنکھوں میں روشنی نہیں
مرگ تمہاری حشر ہے بات یہ کہنے کی نہیں — ہائے پیامِ مرگ کی بجلی کہیں گری نہیں

خنجرِ ستم نے توڑ دی لیتے جہاں یہ برقِ غم
تم نے جو آنکھ موند لی دنیا ہوئی ہے غرقِ غم

مرتبۂ وصال میں شانِ قدیمؒ کر گئے — جلوۂ وفات میں ادا حق کریمؒ کر گئے
شامِ وداع میں نسبت فضلِ رحیمؒ کر گئے — ایسے میں روحِ زیست کو آپ یتیم کر گئے

ہر سہ صفات آگئیں ایک میرے نعیمؒ میں
اللہ رے کیا کمال تھا ابنِ شہِ رحیمؒ میں

عرس شہ بھٹانؒ میں عرس نظامؒ آگیا ۔ مسئلہ تو من شدی زیر کلام آگیا
مرتبۂ ندیم حق بر سرِ عام آگیا ۔ آپ سلیمانؒ بن گئے ایسا مقام آگیا

ایک وجودِ پاک کے عرس بھلا ہوں دو تو کیوں
فرق میان من و تو ایسی فضا میں ہو تو کیوں

موت سے شرق و غرب میں حشر سا ایک اٹھ گیا ۔ سارے جہاں کو درد نے بڑھ کے محیط کر لیا
چاروں طرف سے ہائے ہا اٹھی یہ شور تھا ۔ دنیا کے بے نوا کا باپ آج یہاں سے چل دیا

شاہِ شہاں نہیں مرے شاہنشاہی مر گئی
روح وفا کے ساتھ ساتھ ساری خدائی مر گئی

جس کی جبیں جھکی رہی شاہ عجم کے سامنے ، اس کی نظر نہ جھک سکی دارا و جم کے سامنے
جو نہ جھکے کسی طرح جاہ و حشم کے سامنے ۔ کلمہ حق جو کہہ گئے جبر و ستم کے سامنے

قرباں میں ایسے شاہ پر ایسے نظامؒ پر نثار
فیض بہ لحظہ لحظہ میں ایسے امام پر نثار

خضر فیض محمود کی
لونسوی

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم
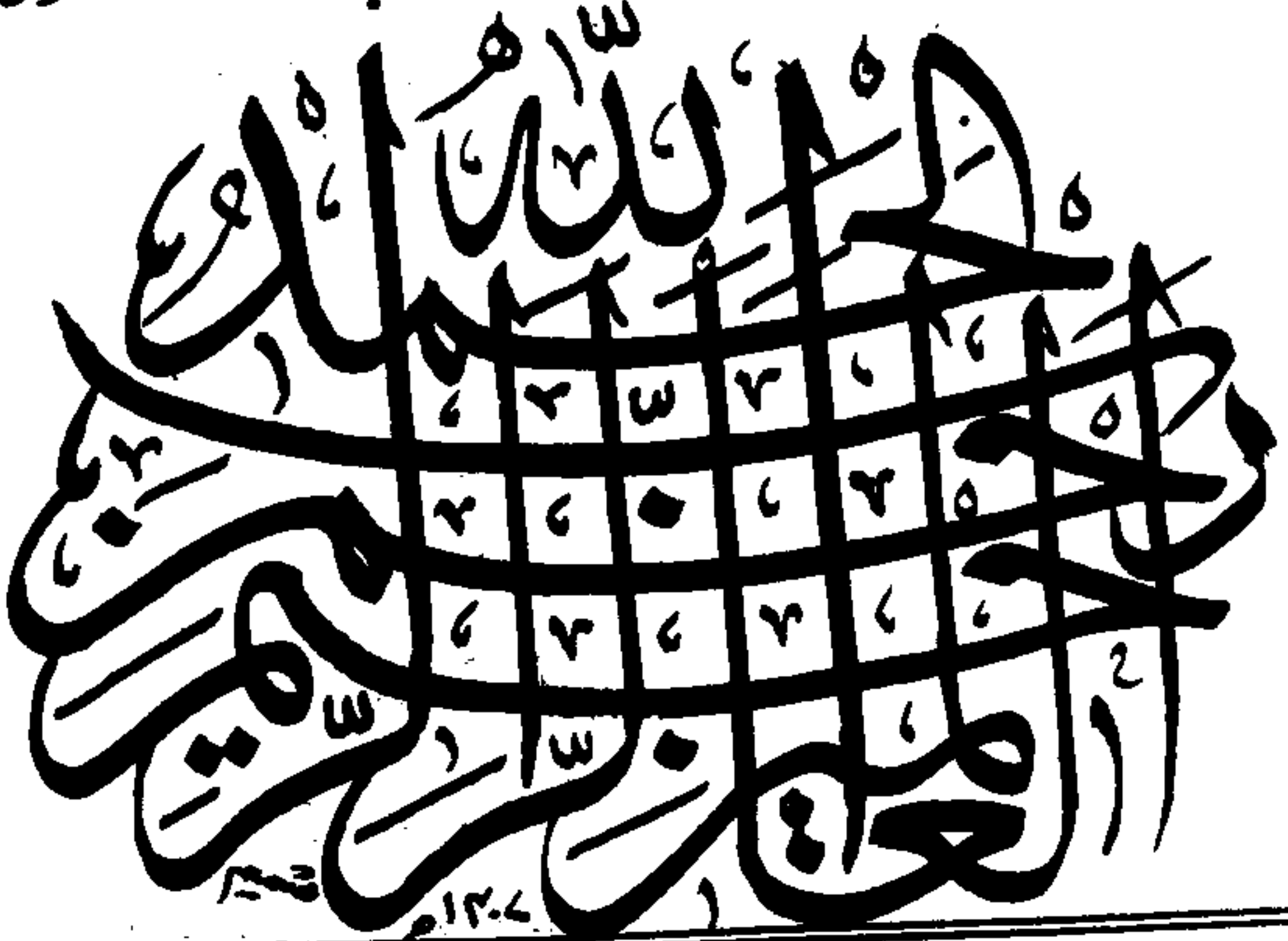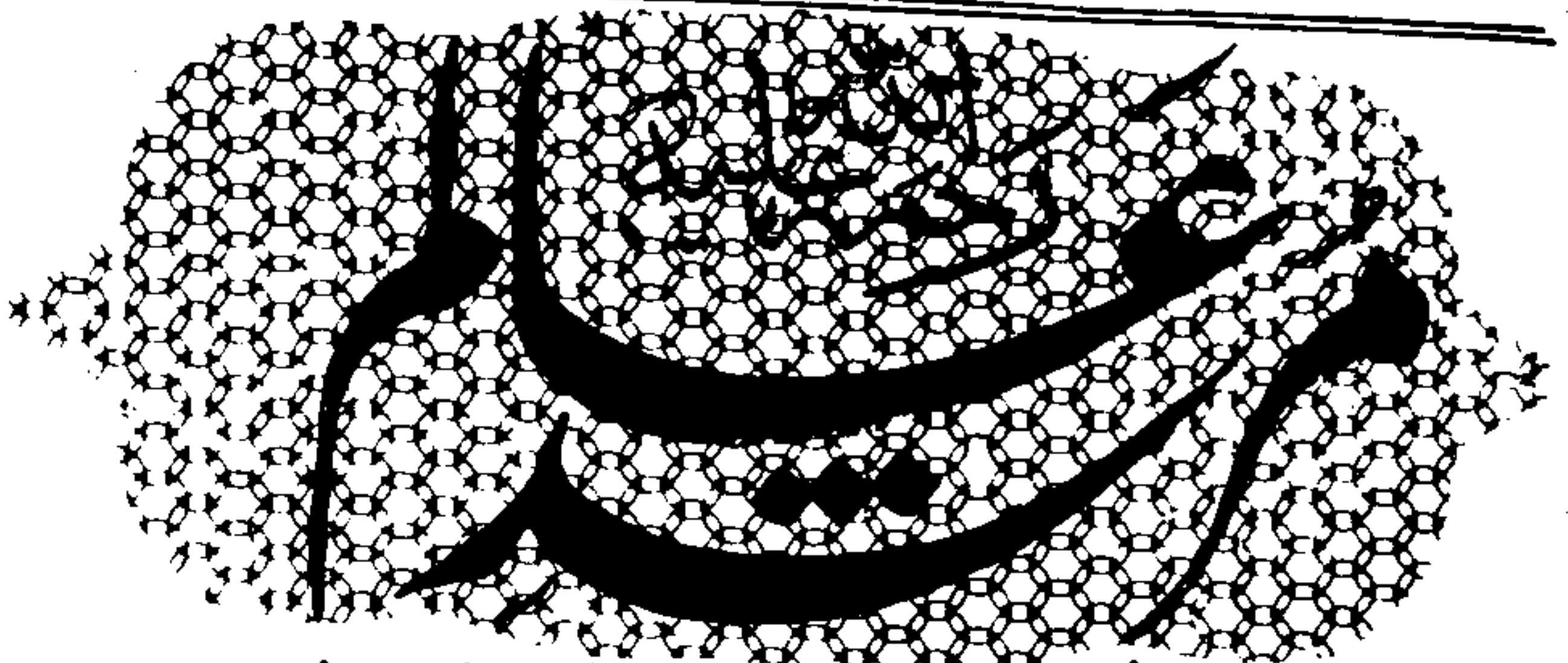
از قلم :- مولانا شیخ غلام محمد راشد نظامی ایم اے عربی

خواجۂ ملت، صدر المشائخ، محسن اسلام، داتائے تونسہ شریف، ثانی سلطان جی، ساگی بیر سیمانؒ حضرت شاہ نظام الدین تونسوی نور اللہ مرقدہٗ چودھویں صدی کے وہ "رجل رشید" ہیں جن پر مسلمانانِ برصغیر کو بھرپور اعتماد اور کامل فخر و ناز تھا اور فی الواقعہ خدائے بزرگ و برتر نے حضرت خواجۂ ملت کو خوبیوں کا مجسمہ بنایا تھا۔ "صاحب دلے بمدرسہ آمد ز خانقاہے" والے نے ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کیلئے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اس نے ہر طبقہ کے دل موہ لئے۔

ہ ـ جنگ آزادی کے متوالوں سے جا کر پوچھیے وہ "پیر نظام ہمارا امام" کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

ہ ـ ہندو پاک کے مشائخ سے سوال کیجئے وہ اپنا داتا اور پیرخانہ بتاتے ہیں۔

ہ ـ وسط ایشیاء کے چوٹی کے علماء سے استفسار کیجیے وہ آپ کو علوم کا سمندر اور جزئیات کا ماہر مانتے ہیں۔

ہ ـ عامۃ المسلمین کے پاس جائیے وہ آپ کو غریب نواز اور کروڑوں دلوں پر حکمرانی کرنے والا بادشاہ تصور کرتے ہیں۔

ہ ـ غیر مسلموں سے بات کیجئے بیک زبان ان کی ایک ہی بات ہے "وہ امن کا دیوتا اور گرو کا خاص جلوہ ہیں۔

انہی اوصاف کو دیکھ کر دلّی کے روشن ضمیر فقیر نے عرض کیا تھا ۔

اثر بہلنے کا پیارے! ترے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ کا جادو تری زبان میں ہے

خدا جانے عزت مآب خواجہ میں کیا کشش پائی جاتی تھی کہ نگرنگر سے مخلوقِ خدا دیوانہ وار آئی اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق علمی اور روحانی فیض حاصل کیا ۔ منزل عشقیہ لاہور میں جب پہلی مرتبہ مفکرِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے آپ کو دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا " سبحان اللہ ! صورت و سیرت قدرت کا شاہکار ہے" دیکھنا تونسہ شریف کے یہ بلند اقبال شہزادے بہت بڑے روحانی مقام کے مالک ہوں گے ۔

نواب فتح اللہ خان علیزئی آف ڈیرہ اسمٰعیل خان ۔ اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں ۔ سرکاری ملازمت کے سلسلے میں بے شمار مرتبہ ملک و اندرون ملک جانے کا اتفاق ہوا ۔ جہاں جہاں جانا ہوا خواجہ نعیم کے نام لیواؤں کو موجود پایا بے شک سچ ہے

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں ۔

فی الواقع آپ مرشدِ عالم اور محبوبِ عالمیان ہیں ۔ ایسے محبوب الخلائق کے ذکرِ خیر سے جگر ٹھنڈا اور ایمان تروتازہ ہوتا ہے ۔ حضوری کے متلاشی کہاں ہیں آئیں اور ساگی سلیمان سے سنگت کا سلسلہ جوڑ لیں ۔

آئیے دلدار کی باتیں کریں
محسن و غمخوار کی باتیں کریں

ولادت — اے جاہ و شان والے آنا تیرا مبارک

آج سے پون صدی قبل جب مشرق میں امام احمد رضا خاں بریلوی کے علم و فضل کا ڈنکا بج رہا تھا تو مغربی کنارے کوہ سلیمان کے دامن میں محمود المشائخ حضرت چراغ تونسوی کا طوطی بولتا تھا۔ آپ حجۃ الاسلام حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش کریم تونسوی سجادہ نشین غوث زماں حضرت شاہ سلیمان تونسوی کے جگر دار فرزند اور محبوب دل بند تھے۔ حضرت کریم فرمایا کرتے تھے " محمود نڑ سونہڑے دی ہک لحظہ جدائی وی گوارا نہیں "۔ آپ کو سفر و حضر میں ساتھ رکھتے۔ حتیٰ کہ ہندوستان کے طویل سفر اور حرمین شریفین کی زیارت کے لئے بھی ساتھ لے گئے۔ تذکرہ نویس لکھتے ہیں آپ کو بارگاہ رسالت مآب میں پیش کر کے خاص الخاص فیضان آقا سے مالا مال کرایا۔ تخت سلیمانی کے مسند نشین اور حضرت اعلیٰ تونسوی کے اسی محرم راز پوتے خواجہ رحیم چراغ تونسوی کے گھر اسلامی سال کے چھٹے مہینے جمادی الآخر میں چھٹی شریف والے خواجہ غریب نواز اجمیری کا منظور نظر پیدا ہوا۔ اس وقت چاند کی دو اور ہجری مقدس کا سن ۱۳۲۸ھ دن ہفتے کا تھا۔ جولائی کی دو مطابق ۱۹۰۸ء تھی۔

بادشاہ چشت — خواجہ رحیم تونسوی کو خواب میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے تاجدار حضرت محبوب الٰہی کی زیارت ہوئی۔ اور فرمایا جو آرہا ہے وہ ہمارے سلسلہ کا آخری بادشاہ ہے۔ اس کی ریاست روئے زمین ہوگی۔ اس کا نام میرے نام پر رکھنا۔ واقفان حال جانتے ہیں حضرت محبوب الٰہی کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی اور تھوڑے عرصہ میں حضرت خواجہ ملّن محبوب عالم ہو گئے

سائنسی ایجادات سے جوں جوں فاصلے سکڑتے جا رہے ہیں یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوتی جا رہی ہے کہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے فرمان کے مطابق مرشد عالم کے نام لیوا روئے زمین کے چپہ چپہ پر دکھائی دیتے ہیں۔ خیر المقال فی تراجم الرجال کے فاضل مصنّف اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

وکان عالماً صالحاً فاضلاً جمیلاً جواداً ولہٗ اجازۃ تامۃ فی الطریقۃ الجشتیۃ النظامیہ بل انتھت الیہ ریاسۃ الجشتیۃ فی زمانہٖ۔

تعلیم و تربیت خاندانی دستور کے مطابق چار سال چار ماہ چار دن کی عمر میں آپ کی تعلیم کا آغاز کرایا گیا۔ آستانہ عالیہ کے نامور استاد حافظ عبدالرسول سلیمانی حفاظ آستانہ سے قرآن مجید پڑھا اور دینی علوم علامہ احمد جراح اور مولانا علی گوہر تونسوی سے حاصل کئے۔ خدا نے حافظہ خوب بخشا تھا۔ اس پر مستزاد ذاتی لگن اور والہانہ پن نے تھوڑے عرصہ میں آپ کو علوم عقلیہ و نقلیہ کا ماہر بنا دیا۔ اساتذہ فن کا بیان ہے:-

"جناب صاحبزادہ نظام الدین تونسوی عام صاحبزادگان کی روش سے ہٹ کر ہیں۔ اپنے کام سے کام رکھنا آپ کا شیوہ ہے۔ علوم الہیہ میں تحقیق و تفتیش آپ کا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔"

سیرتِ محمود کے نقاد مؤلف اور سب ڈویژن تونسہ شریف کے بابائے اردو جناب الف۔ب بلوچ سوکڑی تحریر فرماتے ہیں:-

"حضرت صاحبزادہ موصوف بے پناہ خوبیوں کے مالک ہیں۔ شوکت سلیمانی اور

محمودی دبدبہ آپ میں کمال کا پایا جاتا ہے۔ طرزِ تحریر، طریقِ گفتگو، حسنِ اخلاق تو قابلِ رشک ہیں۔ علم و حکمت کا کیا کہنا۔ بڑے بڑے جغادری لاجواب کر دیتے ہیں۔ اللہ علم و عمرِ خضروی بخشے۔"

خوش نصیب ہیں وہ ساتھی جنھوں نے حضرت خواجۂ ملت کی رفاقت میں علوم و فنون پر عبور حاصل کیا۔ ان خوش قسمت افراد میں خطیب اسلام علامہ عبدالعزیز نظامی کے والدِ محترم مولانا اللہ بخش ہیروی، مولانا حامد جراح جو جامعہ سلیمانیہ تونسہ شریف کے پرنسپل علامہ خدا بخش جراح محدث تونسوی کے پوتے ہیں۔ اسی طرح مولانا احمد بخش بزدار، مولانا عطاء اللہ منگروٹھوی، مولانا محمود صاحب لودو والا، مولانا محمد موسیٰ پہاڑی، علامہ پشاوری، مولانا شاہ محمد تونسوی قابلِ ذکر ہیں۔

ہم سبق ساتھیوں نے بتایا حضرت کا بچپن بھی پاکیزہ اور شاندار تھا۔ دارالعلوم کے نادار طلبہ کی تو قسمت جاگ اٹھی۔ طلبہ کے ساتھ آپ کی مہربانیاں ناقابلِ فراموش ہیں۔ تذکرہ اولیائے چشت میں ہے۔

"حضور اپنے ہوش کے زمانے میں باوضو رہا کرتے تھے۔ مرید لوگ آپ کی جیب میں چاندی کے روپے ڈال دیتے تھے۔ گھر تشریف لانے سے قبل اپنے ہم عمر لڑکوں میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ سخاوت کی یہ عادت کبھی بھی ترک نہ فرمائی۔ طفولیت کے بعد شباب آیا تو سخاوت بھی شباب کو آن پہنچی۔"

سترہ سال کی عمر میں آپ نے علوم دینیہ کی تکمیل فرمائی۔

مجاہدات بحر العلوم علامہ الحاج مولانا حافظ محمد یوسف صاحب نظامی

کے والد محترم استاذ العلماء مولانا محمد اسحٰق تونسویؒ روایت فرمایا کرتے تھے۔
" سالانہ امتحان کے لئے مختلف اضلاع سے نامور علماء بلائے گئے جنھوں نے مرشد عالم کا تحریری و زبانی امتحان لیا۔ ممتحن حضرات نے دارالعلوم کے رجسٹر کارروائی میں رپورٹ تحریر کرتے ہوئے لکھا۔

" صاحبزادہ صاحب تفسیر و حدیث میں اعلیٰ نمبروں میں کامیاب ہوئے ہیں۔ فقہ کی ہزاروں جزئیات زبانی یاد ہیں۔ طبعی میلان تصوّف کی جانب ہے۔ نحو کی مشہور کتاب کافیہ کو تصوّف کا کاشہ پارہ قرار دینے میں دلائل کا انبار ذہن نشین ہے۔"

قبل اس کے کہ علم حجاب اکبر بنتا آپ نے معرفت کی طرف توجہ فرمائی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ خود گھر میں ہی علم و عرفان کا دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ حضور قبلہ عالم مہاروی سے معرفت کی دیگ جو پیر پٹھان لے آئے تھے اس کے قاسم و مختار حضرت خواجہ تونسوی تھے۔ آپ نے فرمایا۔ پیارے نظام! سنبھل کے رہو۔ رات کو تنہائی میں اپنے رب کو یاد کیا کرو۔ اور انسانیت کی خدمت میں اپنا سب کچھ قربان کر دو۔ اس کا نام فقیری اور ولایت ہے۔ سعادت مند بیٹے نے اپنے عزت مآب باپ کا فرمان اس طرح مانا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ اہل مشاہدہ بیان کرتے ہیں شہزادہ نظام کی سخت سردی کی راتیں کبھی قیام میں گزر جاتیں کبھی سجدہ میں۔ نازنین محبوب کے پاؤں متورم ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اور زبان پر ذکر جلی۔ کبھی کوہ سلیمان کی وادیوں میں یاکریم کا وظیفہ، کبھی دریائے سندھ کے کنارے محو "لطفِ حمید باد بر بندہ نظام" کا استغاثہ۔ مجاہدے پر مجاہدہ۔ اللہ بس باقی

ہوس کا نعرۂ مستانہ ۔ گویا کہ ؎

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی

اکتیس ہزار ساعتیں جان لیوا ریاضتوں میں گزارنے کے بعد نعمتِ سلیمانی کے حقیقی وارث حضرت رحیم کو رحم آ ہی گیا۔ "من تو شدم تو من شدی" کا سہرا گلے میں ڈالا۔ باقی روداد سیرتِ محمودیہ کے مصنّف کی زبانی ملاحظہ فرمائیے۔

" تونسہ شریف میں اہلِ دل جمع تھے۔ ہندوستان کے علماء و مشائخ کا ہجوم تھا۔ متولی اعظم اجمیر شریف، دیوان صاحب پاک پتن شریف، حضرات کرم مہار شریف، فاتح قادیانیت حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف بمعہ حضرت بابو جی رونق افروز تھے۔ ہم راز مصاحبین سرگوشیوں میں کہہ رہے تھے آج کچھ ہونے والا ہے۔ حضرت چراغ تونسوی نے فرمایا نظام بیٹے میں چاہتا ہوں جو نعمت حضرت ثانی خواجہ کریمؒ نے مجھے عنایت کی تھی وہ امانت میں تیرے سپرد کر دوں۔ پھر آستانہ عالیہ سلیمانیہ میں تبرکات منگوائے اور حضرتِ اعلیٰ غوثِ زماں کی کلاہ شریف صاحبزادہ نظام الدینؒ کے سر پر رکھی اور تاجِ خلافت سے نوازا۔"

جاننے والے جان گئے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ دردمندوں کی دھاڑیں نکل گئیں محفل پر گریہ کی کیفیت طاری تھی۔ حضرت

صاحبزادہ صاحب نے کمال انکساری سے وہی جواب دیا جو اسّی سال پہلے خواجہ کریمؒ نے جدّامجد کے حضور عرض کیا تھا۔

"بابو از تو ہیچ چیزے نخواہم بس ہمیں مے خواہم کہ
نعلین فیقرانِ ترا راست مے کنم۔"

مل بیٹھنے والے بیان کرتے ہیں۔ حضرت چراغ تولسنویؒ سعادت مند صاحبزادے کا جواب سن کر وجد مسرت میں آگئے اور زبان حال سے فرمایا۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بتن
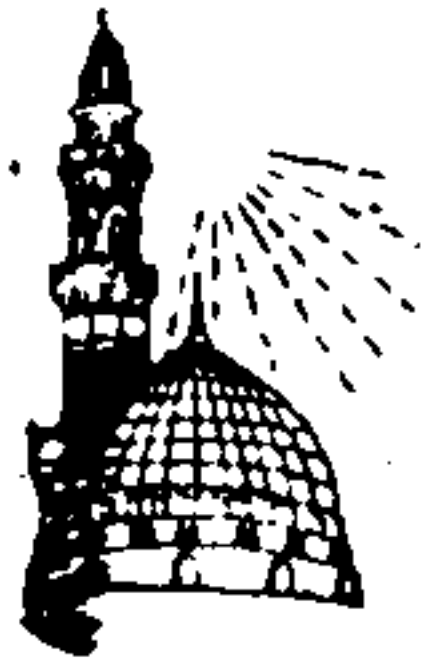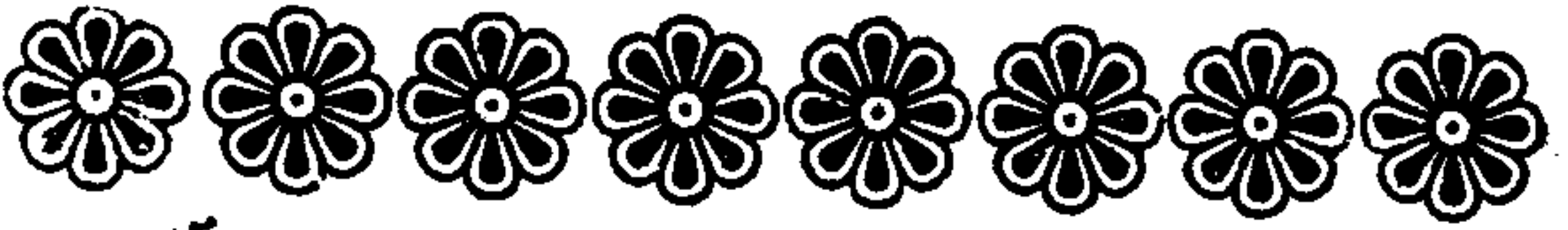
از قلم
شیخ غلام محمد راشد
نظامی
ایم اے ۔ عربی

نصف صدی پہلے کی بات ہے کہ داتا کی نگری لاہور میں منزل عشقیہ پر اہل دل کا ایک پاکیزہ اجتماع تھا ملک بھر کے دردمند کسی اہم قومی مسئلہ کو نمٹانے کے لئے جمع ہو رہے تھے اسی دوران مفکر پاکستان علامہ اقبال بھی تشریف لے آئے اچانک ان کی نظر ایک نوجوان پر پڑ گئی ـــــ بے ساختہ فرمایا ـ سبحان اللہ! کیا بلند اقبال شہزادہ ہے ـ جس صورت پہ قربان جائیں حسین صورت کیا پائی ہے ـ ساتھیو دیکھو تو سہی کس قدر باطنی پاکیزگی اور کمال کی متعنا طیسی ہے ابھی سے یہ عالم ہے تو آگے کی کیفیت کیا ہوگی دیکھنا مستقبل میں یہ شہزادے بہت بڑے روحانی مقام کے مالک ہوں گے ـ یہ عظیم المرتبت شہزادے حضرت شاہ نظام الدین تونسوی تھے جو آگے چل کر مرشد اہلسنت شیخ عرب و عجم صدر المشائخ خواجہ ملت مظہر پیر پٹھان والی تونسہ شریف سلطان المشائخ ثانی حضرت نعیم کے حسین القاب سے موسوم و منسوب ہو کر یوں تو روز لاتعداد بچے پیدا ہوتے ہیں نثار جائیں اس نعیم ابن رحیم پر جن کی ولادت انسانیت کیلئے موجب خیر و برکت ہوئی شجرہ عالیہ کے مطابق آپ کی ولادت باسعادت ۱۲ جمادی الآخر بروز ہفتہ ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۲ جولائی [illegible] تونسہ شریف میں ہوئی ـ والد ماجد کا اسم گرامی محمود الاولیاء حضرت خواجہ محمد محمود چراغ سلیمانی تھا جو زبردست عالم دین اور کامل عارف طریقت تھے جد امجد جد اسلام حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش تونسوی تھے جن کی روحانی عظمت کا ایشیا میں ڈنکا بج رہا ہے خیرآباد کا علمی خاندان آپ کے ان

سراپا اس سے وابستہ تھا جد اعلیٰ سے کون واقف نہیں جن کے فیضان سے ایک عالم
مالا مال ہے جسے عجم والے فخر الاولیاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اہل عرب
ہو "شیخنا و امامنا" کے حسین خطاب سے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں علامہ نغزی
پشاوری نے قصیدہ مدحیہ میں کیا حقیقت کی نشان دہی فرمائی ہے۔

سلطان چار طاق سلیمان نہ رواں ٭ خان جہان و جان جہانبان جن و انس

ایسے تقدس مآب چمنستان طریقت میں جس پھول کی نشو و نما ہو اس کی خوشبو آفاقی
کیوں نہ ہو گی اور اس کی دل آویز عنبر آمیزی سے عالم اسلام کیوں نہ سرشار ہو گا۔
دردمندان محبت بیان کرتے ہیں
حسن الفقان دیکھیے سادات بخارا
کے فرزند فرید پیر حسو شاہ بخاری
حسن بادی حجۃ الاسلام
خواجہ کریم تونسوی کے خلیفہ اعظم
محبوب مرید تھے ہم عصر

از محمد تا بہ محمود الانام
لطف جملہ باد بر بندہ نظام
آں نظام ابن رحیم ابن کریم
باد بروئے فضل رحمٰن و رحیم
(تبرکات حضور نعیم حت صلی اللہ علیہ وسلم)

اولیائے کرام انہیں قطب زمانہ شمار کرتے تھے جس سال حضرت بخاریؒ کا وصال ہوا
اسی سال خواجہ نعیم تونسوی دنیائے رنگ و بو میں تشریف لے آئے گویا کہ قطب زماں
کہلائے کہ قطب الاقطاب دنیا میں آ رونق افروز ہوئے بچے پیدا ہونے کی خوشی
کسے نہیں ہوتی یہاں بھی جی بھر کے خوشیاں منائی گئیں مگر یہ بچہ بھی نرالا تھا حسین و
سادہ چہرہ مگر آنکھیں جلال و جمال کی سرمستی سے مخمور تھیں غریبوں کی قسمت
جاگ پڑی ناتوانوں کو طاقت مل گئی دنیا ملاقی جا رہی تھی اپنے پرائے فیضیاب
ہو رہے تھے جب آپ کو حضرت ثانی تونسوی کی زیارت کے لئے لے جایا گیا تو منظر
دیدنی تھا دیکھنے والے وہ نظارہ آج تک نہیں بھولے اجمیر شریف کے مست قلندر

اور عزیز کے مشتاق ہجوم مجمع کر رہے تھے جو اے آمدنت باعث آبادی ما
خواجہ رحیم نے فرمایا ساتھیو مبارک ہو منظوری مل گئی ہے ہمارا نظام سلیمان ثانی ہوگا
اور روئے زمین کے تاجدار اس کے لئے دیدۂ و دل فرش راہ کریں گے مگر اس کے
لئے کوئی فخر کی بات نہیں یہ ہمیشہ مریدوں میں بود و باش رکھے گا اور انکی دلجوئی کے
لئے بھرپور کوشش کرے گا خاندانی روایت کے مطابق جب آپ کو مکتب بھیجا
گیا تو درکھیوں کی بھی خدا نے سُن لی صبح و شام انہیں وہ نعمتیں میسر آتیں جو شاید
ان کو خواب میں بھی نصیب ہوئی ہوں گی۔ اساتذہ پر انعام و اکرام کی بارش ہو
گئی گویا بزبان دل بول رہے تھے ؎
بہارِ رفتہ کی یہ مستیاں جو لوٹ آئیں؛ مجھے گمان یہ گزرا کہ آپ آئے ہیں
آپ کی پہلی استادی کا شرف حافظ عبد الرسول سلیمانی ملا میر احمد جراح
مولانا علی گوہر صاحب تونسوی کو ہوا مختصر مدت میں آپ نے دینی تعلیم مکمل کر لی
جس سے زبان میں فصاحت طرز تکلم میں محکم استدلال اور مواد میں استحکام پیدا
ہو گیا جب آپ بولتے گویا کہ علم کا بحرِ بے کنار ٹھاٹھیں مار رہا ہے سینکڑوں
احادیث متعدد بمعہ سند زبانی از بر تھیں ہزاروں فقہی جزئیات آپ کے
سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھیں الطف دیکھئے کتاب کا متن بمعہ سطر و طبع
یاد تھا اس کے باوجود آپ نے اپنی منزل مقصود کی طرف رفتار تیز کر دی اور
علم کو بار کی بجائے بلد بنانے کا پروگرام طے کر لیا۔ دُور جانے کی تو ضرورت ہی
نہیں تھی خود گھر میں ہی علم و عرفان و آگہی کا دریا موجزن تھا اپنے والد ذی وقار
سے بیعت ہوئے اور خلافتِ عظمیٰ کا تاج سر پہ پہنا مصاحبین بیان کرتے ہیں
سالکان طریقت جو منزلیں برسوں کی بادیہ پیمائی کے بعد بھی حاصل نہیں کر پاتے
آپ نے معمولی مدت میں ان کو عبور کر لیا مولانا خدا بخش جراح جو حضرت ثانی کے پیش

امام اور مبارک نام تھے آپکو دیکھتے ہی فرماتے شاباش پیارے بچے کمال کا ظرف پایا ہے کیا ریاضت کیا مجاہدہ باتوں باتوں میں لے لیا سب کچھ سمیٹ کر رکھ دیا پیر مغاں کے میخانہ کا سارا شراب دمدم پی گئے اور ڈکار تک بھی نہیں دیا اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں آپنے زندگی بھر جس حوصلہ مندی اور استقامت سے سنگین حالات کا مقابلہ کیا کوئی اور ہوتا تو اس کا جگر پھٹ جاتا مگر شیردل باپ کے شیر دل بیٹے پہ قربان جائیں ماتھے پہ شکن اور چہرے پر ناگوار اثرات بھی پیدا نہیں کئے ساری عمر ایک ہی نعرہ رہا ۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس ،

ثقہ راوی بیان کرتے ہیں ایک بار کچہری لگی ہوئی تھی شہنشاہِ زماں حضرت خواجہ رحیم تونسوی رح نے فرمایا نظام بیٹے ! زندگی کی خبر نہیں اب میں بہت تھک چکا ہوں فرنگی بہت جلد یہاں سے بوریا بستر سمیٹے گا جب یہ دھرتی اس کے منحوس قدموں سے پاک ہو جائے تو میری قبر پہ آکے مبارکباد دینا پھر تھوڑا عرصہ بعد حضرت کا وصال ہو گیا اور انیس برس کی چھوٹی سی عمر میں حضور نعیم والیٔ تونسہ شریف نے مسندِ ارشاد پر قدم رکھا ماحول ناسازگار اپنے بدخلوا بیگانے طمع پرست ان حالات میں ارادتمندوں کی تشویش ناقابلِ فہم تھی مگر خدا جانے اس مردِ خدا پرست میں کون سی مقناطیسیت اور کشش رکھی ہوئی تھی کہ

السلام اے ابنِ محمودُ الانام رح
السلام اے حضرتِ خواجہ نظام رح
السلام اے مظہرِ خلقِ نبی ،
السلام اے پرتوِ فقرِ علی ،
پیر برکات احمد اجمیری

ہم شیدائی کر لی تھی خدائی ساری !
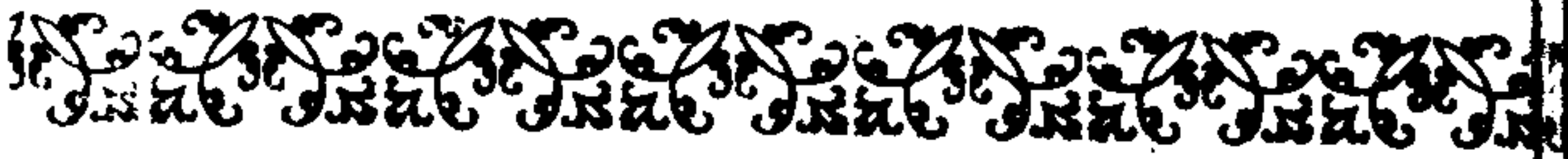
بیگانے یگانے بنتے گئے ماحول کی کشیدگی خود بخود مدھم پڑتی گئی مسندِ سلیمانی کا نبیح وارث آسمانِ روحانیت پر بدرِ منیر کی طرح چمکتا چلا گیا علماء نے اپنا قائد مقرر کیا، پیرانِ عظام نے صدر المشائخ کا خطاب دیا مسلمانوں نے مرشدِ کامل منظور کیا غرض آج جہاں جاؤ نظام کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔

آپ کے رفیقِ خاص روایت کرتے ہیں اچانک ایک دن آپ نے فرمایا مشائخ کرام کی زیارت کے لئے دہلی چلنا چاہئے ضروری انتظامات کے بعد ہفتہ عشرہ سے پہلے دہلی کے لئے روانہ ہوئے جب ریلوے اسٹیشن پہنچے تو پلیٹ فارم کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور ہر ایک کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا محی الدین کے دلبر تازندہ باد نظام کونسہ پائندہ باد میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا حضور محبوب الٰہی کی نگری ہے اور اس کے نام کی مالا جپ رہے ہیں، میں کیا اور تم کیا ہیں سمجھ گیا کہ محبوب الٰہی کی جانب سے محبوب عالم کے استقبال کا پروگرام بنایا گیا ہے۔

ذات والا صفات آپکی ذات تھی
مخزنِ معرفت معدنِ آگہی
دین کا تھا نظام آپکے نام میں!
اہلِ دہلی میں ہے دھوم آپکے نام کی

—— دنیا میں ایسے کم خوش نصیب ہوں گے جنہیں ہر کہ ومہ تسلیم کریں مگر یہ مقبولیت دلبند محمودؒ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی مسلم تو مسلم غیر مسلم بھی اس شمع سلیمانی پر جان نثار کرنے پر آمادہ و تیار رہتے سردار جیتن داس چاولہ نے فتح آباد حصار سے تحریر کیا جب آپ دہلی میں رونق افروز ہوئے تو دو بار میں نے آپ کی زیارت کی خدا نے آپ کو ظاہری حسن و جمال وہ بخشا تھا کہ انسان بس دیکھتا ہی رہ جائے اور باطنی جاہ و جلال کا کیا کہنا بڑے بڑے راجے اور والیانِ ریاست آپ کی محفل میں چوں نہیں کر سکتے تھے اندر

کی پاکیزگی اس قدر جاذب تھی کہ لوگ دیوانہ وار پیچھے چلے جا رہے تھے۔ پھر سارے سینکڑوں آدمی فقط چہرہ دیکھ کے مسلمان ہو گئے۔ یہ تو بھلا ہو بھگوان کا کہ آپ نے وہاں سے جلدی رخت سفر باندھا ورنہ ہندومت بری طرح پٹ جاتا اور ہندوؤں میں آپ سلطان الہند معین الدین اجمیری والا نقشہ قائم کر دیتے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ وارفتگی فقط ہند و پاک کے مسلمانوں کے حصہ میں نہیں آئی بلکہ اس سے بڑھ کے جزیرۃ العرب والے آپ کے دل و شیدا تھے جب بھی آپ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے جاتے سینکڑوں افراد کو اپنے خرچ پر ان مقامات مقدسہ کی زیارت سے فیضیاب کرتے ان زائرین میں سے بے شمار آدمی ابھی تک بقید حیات ہیں اور بالتواتر بیان کرتے ہیں کہ ہمارے لوگ محبت کرنا کیا جانیں مرشد نظام کے ساتھ جس طرح عرب پیار کرتے تھے اس کو الفاظ کا لباس پہنایا نہیں جا سکتا۔ کبھی شیخ المسلمین کہہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور کبھی شیخ الشیوخ کے دلربا لقب سے آپ کو تحفہ تسلیم پیش کرتے مدینۃ الرسول والے تو عموماً آپ کو "سید المشرق" کے خطاب سے یاد کرتے تھے۔ قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی کے سسر حضرت علامہ ضیاء الدین مدنی خلیفہ مجاز سرکار اعلیٰحضرت فاضل بریلی دامت برکاتہم العالیہ تو آپ کے جی جان سے فدائی تھے ایک مکتوب گرامی میں فرمایا خدا پرستی جگر داری۔ فیاضی و حوصلہ مندی کا نام پیر نظام ہے الحاج سردار عزیز الرحمٰن خان زلسنوی مکہ مکرمہ سے رقمطراز ہیں حرم شریف میں بندہ ایک کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا ایک وضع قطع سے قدیم عربی میرے پاس

بو محمد ابن محمود چراغ
شہ نظام الدین محمودی مقام
زندہ کردی اثر سلف صالحین
زندہ باشی تا ابد شاہ نظام
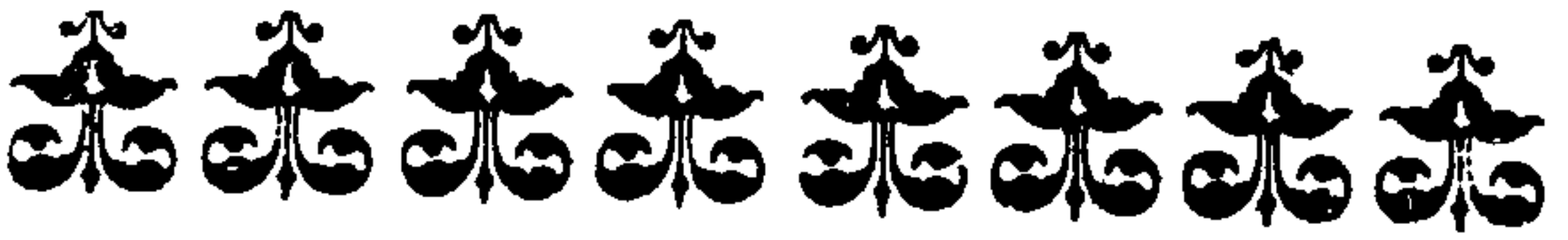
آپ بچپنا شکل و صورت کے لحاظ سے خدا رسیدہ معلوم ہوتا تھا خیر خیریت کے بعد جب بات
چل نکلی تو میں نے کہا میں پیر نظام کی نگری کا رہنے والا ہوں تو عرب اچھل کر بولا ۔
واللہ یو مرشدنا و کریمنا ـــــــ اور بے ساختہ میرے ہاتھوں کو چومنے چاٹنے
لگ گیا آپ کی نوازشوں پر بھی نثار جائیں کہ شہنشاہ افضل رسول نے سایہ کے
سایہ میں سراپا رحم و کرم بن جانے خزانوں کی جھولیاں لٹائی جا رہی ہیں بے مانگے
دیئے جا رہے ہیں اور دروازوں پہ دستک دے دے کے پہنچا رہے ہیں ساتھ ہی
یہ التجائی کلمات بھی کہ محبوب کی ہمسائیگی میں بسنے والے خوش
نصیبو تم نے کرم کیا کہ ہمارا پیش کرنا قبول کیا
ورنہ ہم کہاں ہم اور کہاں تم سے
بھلے لوگ ! اس طرح دنیا میں
بسنے والے پیر بچوں لاکھوں نظر آئیں
گے جن کی نگاہیں ہر وقت مُرید کے
ہاتھ اور جیب پر پڑتی ہیں مگر دینے
والے خال خال، اِن مٹھی بھر فیاض پیرانِ
طریقت میں ثانی سلیمان کا نام صفِ اول میں گنا جا
سکتا ہے وطنِ عزیز کے لاتعداد بندگانِ خدا اس بات کے شاہد ہیں آپ نے حاجت
مندوں کو ایسے دیا کہ ان کی مشکل بھی رفع ہو گئی اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہ
ہوئی بلا کشانِ محبت نقل کرتے ہیں کہ بے پناہ جود و سخا آپ کی رگ رگ میں رچا ہوا
تھا بچپن میں والد ذیشان نے بیش قیمت کپڑا دلا کے بیس جوڑے آپ کے لئے تیار
کرائے اور خوشی خوشی ایک جوڑا آپ کو پہنایا باقی سپرد کر دیئے پھر گزرنے
سے پہلے خواجہ رحیم کو کسی نے آکر اطلاع دی کہ شہزادہ نظام نے وہ سب کے

نشانِ شوکتِ شاہ سلیماںؒ
نظامِ رشتۂ مہر و وفا رفت
دلیر و حق پرست و مردِ میداں
معینِ سنتِ خیر الوریٰ رفت

(علامہ فیض احمد مہروی)
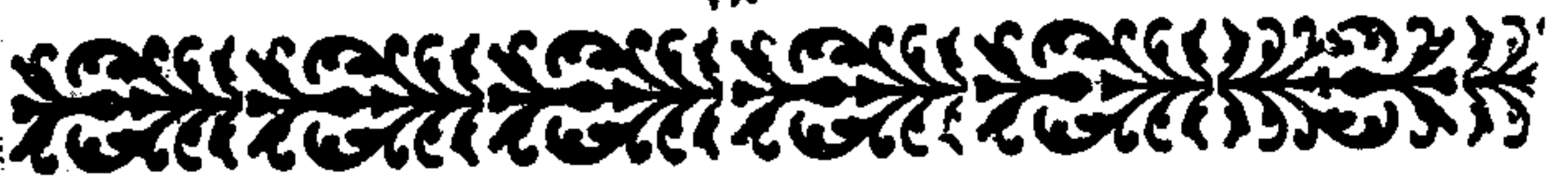
سب لوگوں میں بانٹ دیئے ہیں بلاوہ ہوا آپ بارگاہِ رحیمی میں حاضر ہوئے فرمایا۔ بیٹے کیا کر دیا یہ تو ہم نے دلہے کے لیے بنوائے تھے یہ عرض کیا بابو حضور! میں نے اچھی طرح تحقیق کی ہے جن کو ہم نے دیئے ہیں وہ مجھ سے زیادہ مستحق تھے کہ ان قیمتی پارچہ جات کو زیب تن کریں۔

غازی تحریک تقدس رسالت سید دبیر علی چشتی بیان کرتے ہیں برسوں پہلے کی بات ہے ہندوستان میں مجھ سے ایک سکھ نے آپکے نام ایک عریضہ لکھوایا کہ نا چیز ہے تو غیر مسلم مگر مصیبت زدہ اور حاجت مند ہے کاروبار کے لیے رقم درکار ہے ارسال کر کے کرم بخشی فرمائیں چند دن بعد مطلوبہ رقم پہنچ گئی اس نے عیاشی میں اڑا دی پھر مجھ سے خط لکھوایا میں نے پتہ نوٹ کر کے آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ حضور یہ تو بالکل آوارہ اور نکما ہے رقم ضائع کر دیا ہے آپ سوچ سمجھ کے قدم اٹھائیں تھوڑے دنوں بعد اسکی طرف رقم اور میری جانب جناب کا پہلا نوازش نامہ تشریف لایا تحریر فرمایا۔ شاہ جی! حقیقت حال کی وضاحت کا شکریہ مگر یہ بات اچھی نہیں کہ غیر مسلم کی زبان پر یہ الفاظ آجائیں کہ رسولِ عربی کے ماننے والے کیسے ہیں اس کے نام پر جان تو کیا چند سکے بھی دینا گوارہ نہیں کرتے۔

> پاک باز و نیک سیرت خوش ادا،
> اہلِ دل صاحب نظر مردِ خدا
> تیری الفت سے یہ دل آباد ہے
> تیرا کردار جبینی یاد ہے،
>
> (عابد نظامی۔ لاہور)

ملا امیر احمد ہاشمی تحریر کرتے ہیں وسط ایشیا میں یہ بات بطور مثال استعمال ہو رہی ہے۔ اگر ایک دوسرے سے کوئی چیز مانگتا تو مخاطب فوراً کہہ
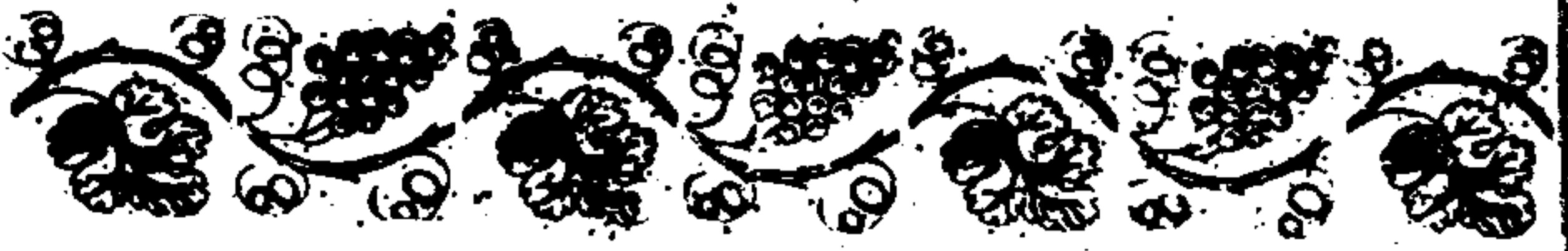
دتا بھائی تو لنگر شریف چلے جایئے پیر نظام دنیا کو نثار کرکے اسے راہ خدا میں لٹا رہا ہے "لطف تو دیکھیے جس نے جو مانگا اسے بات ختم ہونے سے پہلے بخش دیا ان گنہگار آنکھوں سے دیکھا کوئی نقد رقم لے کر جارہا ہے کسی کو گھوڑا مل گیا کوئی کپڑوں کے تھان سمیٹے ہوئے ہے کسی کو بیش قیمت بیلوں کی باگ ہاتھ میں تھما دی گئی لنگر خانہ میں صبح و شام ہزاروں افراد کو پیٹ بھر کر کھانا مل رہا ہے فصلات پر سائلین غلے کی بوریاں اٹھائے جا رہے ہیں بے شمار بیوگان و بے سہارا افراد ماہانہ رزینے وصول کر رہے ہیں ملک بھر کے مدارس عربیہ کے نادار طلباء کی امداد و اعانت کے لئے ہزاروں روپے نقد اور غلے کے ٹرک بھیجے جا رہے ہیں برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے میں جدید تعلیم کے شائقین کو کورس کی کتابوں کی قیمت اور ماہانہ وظائف کی ترسیل ہو رہی ہے غرض کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں مہر و وفا کے نظام کا دخل نہ ہو آپکے ایک کٹر مخالف نے تحدیث نعمت کے طور پر یہ بات سنائی کہ عید کا موقعہ تھا اور گھر میں بھی کچھ نہ تھا بال بچے اس وجہ سے سخت اداس اور پریشان تھے مجھ سے یہ صورت حال نہ دیکھی گئی میں بلا تامل بارگاہ نظامیہ میں حاضر ہوا اور اپنی مشکل پیش خدمت کی قربان جاؤں اس جگر دار داتا پر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی ڈیوڑھی مبارک پر لے گئے اور اندرون خانہ ہو کر واپس ایک لفافہ لائے میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا بھائی ناراض نہ ہونا میں آپکی صحیح خدمت نہیں کر سکا خدا گواہ ہے اس وقت گھر میں یہی کچھ تھا میں نے واپس آکر گنا تو وہ چھ سو روپیہ نکلا جو اس وقت میری ضروریات سے زائد بلکہ بہت زائد تھا علاؤ سدیدی کتنے پیارے انداز میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ۔ باب العاش ہمیشہ باز بود: جود و اد واللہ حاتم ساز بود

تمام پیران عظام سے جس چیز نے آپکو امتیازی مقام کا مالک بنایا وہ آپ کی نظام مصطفوی سے والہانہ محبت تھی اس کے مقابلے میں آپ کسی حکمت عملی یا در

مصلحت کوشی کو ناج از لغت قرار دیتے تھے جنگ آزادی کے متوالے جب ہتھیلی پہ
سر رکھ کے انگریز و ہندو سامراج کیخلاف جدوجہد کر رہے تھے شیر دل باپ جی دار
بیٹے بھی صف اول میں نمایاں تھے مشہور احراری خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری بیان
کیا کرتے تھے ، فرنگی جاتے جاتے
اپنی معنوی اولاد کو ایک فہرست
دے گیا جن میں ان آزاد اسلامی ریاست
کے لئے انتھک کام کرنے والے
جانبازوں کے نام تھے کہ خبردار یہ
لوگ حکومت وقت کے لئے ہمیشہ
سردردی کا باعث ہوں گے ان میں

> تو نے کلمہ ذرہ ضیا بار کر دیا
> اس سرزمیں کو منبع انوار کر دیا !
> شاہ نعیم تو ! تو فدائے حسین ہے
> تیرے عمل میں حسن شہ مشرقین ہے
>
> نور صابری (شجاعباد)

میر کارواں خواجہ نظام الدین تونسوی کی ذات گرامی تھی جب برطانیہ کے سگ دم بریدہ
آنجہانی مرزا قادیانی کے خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو آپ ضیغم اسلامی
کی طرح کچھار سے نکلے ملک بھر کا طوفانی دورہ کرکے تحریک میں جان پیدا کر دی
آپکے رفیق خاص حضرت مولانا خان محمد تونسوی صدر مدرس دارالعلوم محمودیہ
روایت کرتے ہیں ہم اچھے بھلے لوگ ہمت ہار بیٹھے مگر آپکا جذب جنوں جوان
پر جارہا تھا صبح کہیں اور شام کہیں عشق رسالتمآب کی سرمستی میں دیوانہ وار کام
کیا کہیں تحریک کی اعلیٰ قیادت سے گفتگو کرکے ان کے حوصلے بڑھا رہے ہیں کہیں مشائخ
کو غیرت دلا کے انھیں خانقاہوں سے کھینچ کر لا رہے ہیں مجاہد تحریک پاکستان
علامہ عبدالستار نیازی نے جلسہ عام میں انکشاف کرتے ہوئے فرمایا جب مجھے پھانسی
کا حکم ملا تو آپ نے حزن و ملال میں خوبصورت گھنگریالی زلفیں منڈوا لیں اور چارپائی
پر سونا چھوڑ دیا کہ جب تک نیازی بھائی رہا ہو کر نہیں آتا ہمارے لئے زندگی
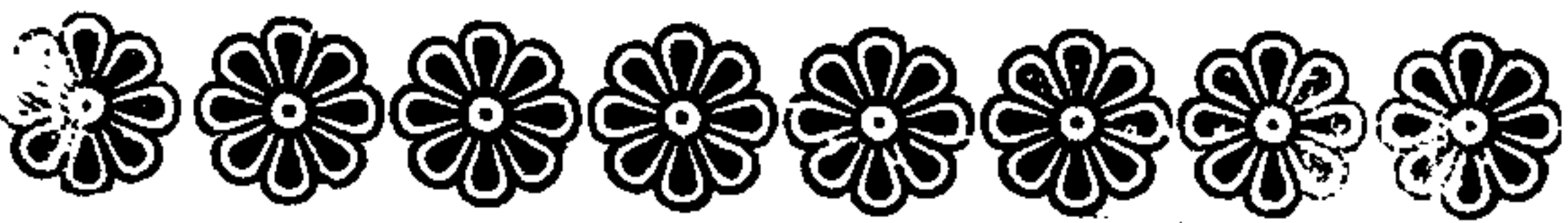
کی ہر آسائش بے سود و بے لذت ہے نواب آف کالاباغ جب مغربی پاکستان کے خود مختار گورنر تھے تو اسلامی نظام کے قیام کے لیے انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق پہنچایا صدارتی الیکشن کیلئے سلطان جابر ایوب خاں نے کراچی میں مشائخ کانفرنس منعقد کرائی آپ کو بطورِ خاص دعوتِ شرکت دی اور صدر المشائخ کی حیثیت سے کانفرنس میں متعارف کرایا اپنی اسلامی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا اسلامی نظام کے نفاذ سے ہمیں کون سی دشواریاں پیش آئیں گی متحدہ پاکستان کے پیرانِ عظام اس طرح خاموش بیٹھے تھے جیسے انھیں سانپ سونگھ گیا ہو آپ نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے فرمایا بس کیجیے مسٹر صدر آپکے سارے بہانے عذرِ گناہ بد تر از گناہ کے ترجمان ہیں سیدھی بات سن لیجیے آپ لوگ اسلامیانِ پاکستان کو حیلوں بہانوں سے وقتی طور پر ٹال تو سکتے ہیں مگر ہمیشہ کے لیے ان کو اسلامی برکات سے محروم نہیں کر سکتے یاد رکھنا جب جذبات کا طوفان بہہ نکلا تو آپکا تخت و تاج بھی اس میں خس و خاشاک کی طرح نذرِ طوفان ہو جائے گا مصاحبین بیان کرتے ہیں صدر اقتدار کا ماتھا پسینے سے شرابور ہو گیا زبانِ گویائی سے گنگ ہو گئی اس نے بزعمِ خویش سمجھ لیا تھا کہ یہاں سب مجھے امیر المومنین کہنے والے جمع ہیں قومی اخبارات کے فائل گواہ ہیں سینکڑوں نہیں ہزاروں پیر روٹ پرمٹ لے کے ایوب خاں کے حامی ہو گئے تکمِ اسلامی نظام کے نفاذ کی جنگ جس سج دھج سے پیر نظام نے لڑی وہ ہماری ملی تاریخ کا ایک ایسا روشن باب

خدا کے نام لیواؤں کے جو ہیں مرشد کامل
نبی کے نام لیوا ہیں نظام الدین محمودی
وہ ہو نواب کالاباغ یا ایوب خاں کوئی
بس حق گوئی کا دعویٰ ہے نظام الدین محمودی

(راجہ رشید محمود لاہور)

جس کے بغیر بیسویں صدی کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکے گی۔ خدا کی بے پناہ بخشش دیکھیے اپنی زندگی کا گوشہ گوشہ شریعت اسلامی سے روشن رہا ارادتمندوں اور ساتھیوں کو بھی تلقین کہ خبردار بے نماز ہمارے مُریدوں میں شمار نہیں ہوگا۔ پاس بیٹھنے والے بیان کرتے ہیں آپ نے زندگی کی آخری نماز بھی باجماعت ادا فرمائی۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے نماز کا دینی پہلو تو ظاہر و واضح ہے بحیثیت کے طور پر اس کی ادائیگی سے افلاس و تنگدستی قریب نہیں آتی فی الجملہ نصف صدی مسند ارشاد پر رونق افروز ہو کے ایسی جوانمردی و بلند حوصلگی سے نظام مصطفوی کے لئے کام کیا جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا کہنے والے نے کتنے پتے کی بات کہی ہے ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ۔ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

چشم بینا سے یہ بات مخفی نہیں کہ جس طرح ظالم و جابر کا ہاتھ پکڑنے کے لئے خواجہ نعیم کا پنجہ مضبوط تھا اسی طرح عامۃ الناس کی خدمت کے لئے آپ بہت کشادہ دست تھے محتاط اندازے کے مطابق اس وقت لاکھوں افراد ایسے ہیں جو آپ کے وسیلہ جلیلہ سے ملک کی اعلیٰ و ادنیٰ آسامیوں پر متعین ہو کے برسر روزگار ہیں آپ اپنے ایک کھلے خط میں فرماتے ہیں جو مخلوق خدا کی خدمت نہیں کرتا اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں اسی طرح خدمت انسانیت کے سلسلہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپ سے ایسے کام صادر ہوئے جو عادتاً محال اور فکر انسانی کے دائرہ سے باہر دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ یہ آپکی بین کرامت شہرہ آفاق ہے جس کی جانب نگاہ اٹھا دیتے اس کی دنیا بدل جاتی ہزاروں غیر مسلم خاندان آپکی اس دزدیدہ نگاہ کے شکار ہو کے مشرف با اسلام ہو گئے جس میں راقم الحروف کا پورا قبیلہ شامل ہے لاعلاج مریضوں کے لئے آپ کی ایک پھونک پیغام شفا تھی مصیبت کے ازالہ

کے لئے آپ کا ایک دلنواز تبسم مژدۂ جانفزا تھا اس فنائی اِلٰہی رعب و دبدبے سے آپ نے بحر و بر پہ حکومت فرمائی ۱۹۸۶ء میں جب رود کوہی کا وحشیانہ طوفان آیا تو تونسہ شریف کے جنوبی حصہ کو پہاڑی پانی کے ریلے نے زبردست نقصان پہنچایا اور لمحہ بہ لمحہ پانی کی خونی موجیں تیز اور کاٹ دار ہوتی گئیں لوگوں نے بارگاہ نظامیہ میں آکر فریاد کی غریب نواز! توجہ فرمایئے ورنہ شہر کی خیر نہیں آپ نے مٹی کی ٹھیکری پہ کچھ لکھ کے فرمایا اسے پانی میں ڈال آیئے اور ادر سنگھڑ سے کہیے "شاہ سلیمان کی نگری کو سلام محبت پیش کرنے والے تیرا سلام اب قبول ہو چکا بغیر کسی کو نقصان پہنچائے واپس چلے جایئے زمانہ گواہ ہے گیارہ بجے جس پانی کی ہولناک موجیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں، بارہ بجے ایک چھوٹی سی ندی کا شکل اختیار کر گیا جس میں معصوم بچے خوشی خوشی کھیل کود کر کے نہا رہے تھے۔

فاتح سرحد مولانا عزیز الرحمن خان نظامی بیان کرتے ہیں مجھے آشوب چشم کی شدت سے تکلیف ہوئی بے شمار علاج کرانے مگر افاقہ نہ ہوا کسی نے کہا بارگاہ خواجہ میں جایئے بات بن جائے گی میں نے حاضر ہو کر روئیداد سنائی، فرمایا ذرا دکھاؤ! میں قریب ہو گیا فرمایا مجھے تو تیری آنکھوں میں کوئی تکلیف نظر نہیں آتی ——— خدا شاہد ہے اسی وقت مصیبت ٹل گئی اور آج تک اس بیماری سے محفوظ ہوں۔

حضرت مولانا خان محمد تونسوی فاضل دار العلوم دیوبند بیان کرتے ہیں کوہ سلیمان کے سفر میں آپ کے

آلام و مصائب کی جہاں دھوپ کڑی تھی
خواجہ کی نظر وقت کے سورج سے لڑی تھی
قائد وہ بہاروں کے تھے خاروں کے وہ نقاد
اس مرشد عالم پہ یہ فیاض فدا تھا

ہم رکاب تھا آپ نے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا پروگرام بنایا عین تیاری کے وقت مجھے درد گردہ شروع ہوا جو پہلے بھی ہوا کرتا تھا کسی نے آپ کو جا کر اطلاع دی کہ مولانا درد سے لوٹ پوٹ رہے ہیں مسیحائے زماں میرے پاس تشریف لائے فرمایا مولانا مسافروں کا امتحان نہ لیجئے کہاں ہے درد میں نے نشان دہی کی آپ نے ہاتھ مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا چہرے سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اچھے بھلے ہیں اور بخدا آپ کے الفاظ ختم کرنے سے پہلے درد کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

مولانا محمد حیات صاحب نظامی فاضل دیوبند لکھتے ہیں دار العلوم میں ایک گروپ ایسا بھی تھا جو طلبا کو مولانا مدنی کی بیعت کے لئے آمادہ کرتا تھا مجھے بھی دعوت بیعت دی گئی میں نے کہا فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے سلسلہ میں میرے کچھ اشکال ہیں جو شبہات دور کر دے گا میں اس کی بیعت ہو جاؤنگا حقیقت یہ ہے کہ مولانا مدنی کی زبردست کوشش کے باوجود بھی مطمئن نہ ہو سکا اس لئے بیعت کا چکر بھی خود بخود ختم ہو گیا فارغ ہو کر واپس وطن مالوف آیا تو خواب میں مجھے والی تونسہ شریف کی شبیہہ نظر آئی زیارت کے ارادہ سے تونسہ مقدسہ حاضر ہوا ابھی میں بیٹھا ہی تھا کہ حضرت نے فرمایا مولانا ادھر تشریف لائیے مجھے فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کے چند مقامات سمجھ نہیں آسکے ہیں نے اپنی سوچ کے مطابق ان کا یہ حل ڈھونڈا ہے کہاں تک درست ہے! میں قدموں میں گر پڑا اور عرض کی حضور بس اپنے دامن میں پناہ دیجئے!

مشہور مناظر مولانا عبدالستار تونسوی فاضل دیوبند نے آستانہ عالیہ کی جامع مسجد میں تقریر کے دوران انکشاف کرتے ہوئے کہا لوگ مجھے کچھ کا کچھ سمجھتے ہیں میں تو کچھ بھی نہیں یہ سب شاہ نظام کی کرامت اور پیر پٹھان کے لنگر شریف کی برکت ہے کہ اپنی بساط کے مطابق خدمت دین کا فریضہ سرانجام

دے رہا ہوں حقیقت یہ ہے میری پیدائش انہی بزرگوں کی دعاؤں کا صدقہ ہے میری تعلیم کی تکمیل ان مقبولانِ خدا کی نگاہِ کرم سے ہوئی اور انہی غیرت والے مشائخ کی خداداد ہمت کے طفیل سرِ میدان دشمنانِ صحابہ کو للکارتا ہوں آخر میں بلند آواز سے کہا انشاء اللہ دیکھنا۔ ان خدا رسیدہ مشاہیر کے جوڑوں کے واسطے میدانِ محشر میں بھی سرخرو ہوں گا۔

علامہ ابرار احمد ہاشمی فاضل دیوبند بیان کرتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے تین بیٹیاں عطا کیں میں نے بارگاہِ نظامیہ میں عرض کیا فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا پھر چوتھی اور پانچویں بھی لڑکی ہوئی میں نے دوبارہ درخواست کی فرمایا اس بار اگر آپ کو رب نے لڑکا نہ دیا تو کندیاں آنا چھوڑ دوں گا عرض کیا حضور یہ بھی میرے لیے حزن و ملال کا موجب ہوگا فرمایا بس کہہ دیا ہے۔ بچے کی پیدائش سے قبل آپ کا مکتوب گرامی موصول ہوا "عزیز از جان سلمکم الرحمٰن۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عزیز نومولود کا مبارک نام تو محمد تجویز کر دیا خدا اسے سعادت مند کرے" اور دوسرے دن خداوند تعالیٰ نے اپنے محبوب کی لاج رکھتے ہوئے ناچیز کو لڑکا عطا کیا خدا پاک اسے نظرِ بد سے بچائے

شیخ دیوبند مولانا عبداللہ درخواستی کہا کرتے تھے بڑے بڑے مشائخ کی زیارت کی مگر اس پٹھان نوجوان پیر کی نرالی سج دھج ہے سبحان اللہ جہاں بھی جاتا ہے لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ جمع ہو

اک طرف جبر و ستم تھا اک طرف پیرانِ پیر
اک طرف جاہ و حشم تھا اک طرف مردِ فقیر
شہر یاران دول ہر بزم میں گو تھے مگر
چپکے چپکے احترام فقر بھی کرتے رہے

([illegible])

جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے اپنی چادر کی ٹب میں یہ مخلوق کو باندھے رکھتا ہے جہاں بھی گیا ٹب کو کھول کر مجمع کو نکال لیا حضرت سعدی بابا نے شاید ایسے لوگوں کے لئے کہا ہے

منعم بکوہ و دشت بیاباں غریب نیست ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

نواب فتح اللہ خاں علیبزئی تحریر کرتے ہیں میرے والد محترم جو حضور نظامؒ کے ماموں جان تھے سخت علیل ہوگئے اور بچنے کی امید جاتی رہی آپ عیادت کے لیے تشریف لائے تو

خواجہ تونسوی نظام الدینؒ
بندۂ ایزدی نظام الدینؒ
بے سہاروں کو غم کے ماروں کو!
تو نے بخشی خوشی نظام الدینؒ
(قاضی محمد غوث صاحب منصور نزیل مدینہ منورہ)

ماموں جان نے بے ساختگی سے کہا پیر پٹھانؒ کے لاڈلے! مجھے موت سے خوف نہیں مگر چند اہم امور ایسے باقی ہیں جن کے لئے میری موجودگی ضروری ہے آپ دُعا فرمائیں حضرت نے خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا ماموں جان! انشاء اللہ آپ دس برس اور زندہ رہیں گے اور ایسا ہی ہوا والدِ محترم مزید دس سال زندہ رہے۔

برسوں پہلے راقم الحروف کا وہابیہ سے اٹھنا بیٹھنا تھا اور پھر اساتذہ بھی انہی میں سے تھے متاثر ہونا لازمی امر تھا بحث و تمحیص میں اعلیحضرت عظیم البرکت شیر بریلی کو سب و شتم کرنے پر زبان آلودہ تھی ایک دن مکتبہ قاسمیہ ملتان پر ایک محفل کر اعلیحضرت کو گالیاں دی گئیں۔ بعد میں دل میں تاسف ہوا کہ ہم لوگ محض اساتذہ ماحول کی وجہ سے بلا وجہ ایک عالم دین کو گالیاں دیتے رہے ہیں رات کو تصور شیخ

کر کے سویا اور عرض کیا آج رات اٹل فیصلہ بتا دیں کہ صحیح مسلک اور راہ حق کس
جانب ہے بخدا خوش خوش عالم رؤیا میں دیکھا جامع مسجد سلیمانیہ تونسہ شریف میں
مخلوقات کا زبردست اژدہام ہے۔ اور اعلان ہو رہا ہے "ابھی ابھی اعلیٰحضرت
مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی تشریف لانے والے ہیں پھر کیا یکا یک نعروں کی گونج
شروع ہو گئی اور لوگ جنوبی دروازہ کی جانب دیکھنے لگ گئے ناچیز بھی منظر دیکھنے
گیا شیوخ ثلثہ تشریف لا رہے ہیں دائیں جانب خواجہ پاکستان فخر الاولیاء حضرت
خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ بائیں جانب سلیمان زماں مظہر پیر پٹھان حضرت خواجہ
شاہ نظام الدین تونسوی ہیں اور درمیان میں سبز پگڑی پہنے سرکار اعلیحضرتؒ حلیہ
شریفہ مطابق کتب سیرت، تشریف لا رہے ہیں اس اثناء میں جاگ آگئی طبیعت
میں فرحت اور دل کا روحانی سکون پایا بحمدللہ اپنے مشائخ کرام کی کرامت سے راہِ
حق نصیب ہو گیا اور اسی دن سے آج تک یہی سر میں سودا ہے کہ لوگوں کو زیادہ
سے زیادہ بتا سکوں. کہ مال کس دکان میں کھرا اور
سودا سستا ملتا ہے. دیوبندی
مکتبہ فکر کے فیضیاب استاد
فیض صاحب محمود کی نقل کرتے
ہیں ڈسٹرکٹ بورڈ کے آخری
الیکشن میں خواجہ ملت کے نامزد
امیدوار کے مقابلے میں
دیگر خواجگان تونسہ شریف نے
اپنا امیدوار کھڑا کیا مین روڈ تک الیکشن رہا مخالفین نے
ایڑی چوٹی کا زور لگایا پہلے دن آپ کا نمائندہ اکاون ووٹوں سے جیت گیا میں

مرحبا اے شیخ ملت آخذ حبل متین !
دہر میں آیا نظر تجھ سا مجاہد ہی نہیں !
تیرے منہ سے نکلا اک اک حرف تھا باطل کی موت
سیخ پا چیں بر جبیں ہوتے رہے اعدائے دین

(ملا قریشی آف کندیاں)

نے آپکو اطلاع دی دوسرے دن بھی اسی طرح جیت ہوئی اور میں نے گوش گزار کیا آپ نے شیر کی طرح بھر کے فرمایا اکادن ، اکادن ! کی بھی کوئی جیت ہے اگر یہ لوگ کل میدان چھوڑ گئے تو نظام کو گلہ اکے دینا رب العزت کی قسم تیسرے دن فی الواقع میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس سلسلہ میں مخالف گروپ کے ایک بزرگ خواجہ صاحب ووٹ ڈالنے آئے آپ کو زمین پر دو زانو بیٹھا ہوا دیکھا تو فرمایا جب تک زمین پہ گھٹنے گاڑے بیٹھا ہے کسی کو نہیں جیتنے دے گا میں ان کے مخالف کو ووٹ دے کے اپنا ووٹ ضائع نہیں کرتا چنانچہ بغیر ووٹ ڈالے واپس چلے گئے۔

اس طرح مخالف گروپ کا ایک پختون خادم ووٹ ڈالنے کے لئے اندر گیا تو باہر ادھم مچاتے ہوئے آیا خواجہ نظام صاحب اندر صندوق پر بیٹھا ہے اور ووٹ ڈالنے والوں سے پرچیاں لے کر اپنے کی صندوق میں ڈالتا ہے مخالف دھڑے کے کرتا دھرتاؤں نے اسے چپت رسید کرتے ہوئے کہا دیکھ تیرا باپ تو وہ باہر بیٹھا ہے اس نے کہا خدا کا قسم وہ ادھر بھی ہے اور اندر بھی بیٹھا تھا تم لوگ میرے ساتھ آؤ میں دکھا دیتا ہے بالآخر اسے پکڑ کر کمرے میں بند کر دیا گیا تاکہ پیر کامل کی کرامت کا راز عام تام نہ ہو جائے۔

ڈاکٹر غلام فرید صاحب نظامی لکھتے ہیں میں ۷ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ کو تونسہ شریف حاضر ہوا حضور جب ڈیوڑھی سے باہر تشریف لائے تو قدمبوس ہوا فرمایا ڈاکٹر صاحب میں بہت دکھی ہوں اور اپنی تکلیف کا تفصیلی قصہ بیان فرمایا رات کا ایک بج چکا تھا نوکر نے مجھے کھانے کے لئے بلایا حضور نے فرمایا اس وقت جا کر کھانا کھالو ورنہ کئی وقت فاقے سے گزاریں گے میں دکھی تو نہیں ہوں مگر قیافہ بتاتا ہے کہ بس میری چند گھڑیاں باقی ہیں پھر

دی ہوا دو بج کر چالیس منٹ پر لکھ پال نے جام وصال نوش فرمایا۔

مشاہیر کی معاصرانہ چشمک تاریخ میں ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے مگر عزت دلانے خواجہ کے نثار جائیں جس فراخ دلی سے آپکو ہم عصر اکابر نے چھوٹے کا گلدستۂ عقیدت پیش کیا ہے وہ آپ کی عظمت و خدا رسیدگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

عالم اسلام کے بطل جلیل محافظ الحرمین شریفین شاہ فیصل شہید مرحوم کو آپ سے والہانہ محبت تھی۔ اور کہا کرتے تھے آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آجاتا ہے۔ مختلف مواقع پر آپ کو شاہی محل میں دعوت دی اور ملت اسلامیہ کو درپیش مسائل کے باہمی تبادلۂ خیال کیا۔

والیٔ افغانستان امیر امان اللہ خان تحریر فرماتے ہیں سیرت کی کتابیں پڑھنے سے بندگان خدا کا ایک تصور بیٹھ گیا جب آپ کی زیارت کی تو وہ ایک ظاہری شکل کی حیثیت سے سامنے آگیا بلامبالغہ کہتا ہوں ؎

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت متولی اعظم اجمیر شریف نے فرمایا: میری دلی تمنا تھی کہ جب موت آئے تو میرا جنازہ آپ پڑھائیں۔ مگر شومئی قسمت ؎

خلد کو خواجہ چلے اور ہم رہے منہ دیکھتے

کاش میری عمر اس لکھ پال کو مل جاتی بس اسی کی یادوں کے سہارے اور حضرت غریب نواز کی ہمسائیگی میں دن کاٹ رہے ہیں۔

حضرت دیوان صاحب پاکپتن شریف کا ارشاد گرامی ہے حضرت خواجہ نظام الدین مرحوم تونسوی جمیع الاوصاف اور مشائخ چشت کی آن تھے انھوں نے آخر وقت تک جس طرح ہمارے ساتھ تعلق خاص نبھایا اور مشکلات کا حل … اس لحاظ سے میں انھیں اپنا دلنواز محسن سمجھتا ہوں۔

حضرت قبلہ عالمؒ کے سجادہ نشین حضرت میاں نور جہانیاں صاحب مدظلہ آپ
مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں: آپکا وجود مسعود عامۃ المسلمین کے لیے نشان رحمت
اور سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ والوں کے لئے باعث سکون و اطمینان تھا،
خداوند جل مجدہ الکریم نے انھیں جو وافر انداز میں خوبیاں بخشی تھیں آپ نے انکو
چار چاند لگا دیئے اور صحیح مستحق قرار پائے۔

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی مرکزی صدر جماعت
اہلسنت پاکستان و مہتمم مدرسہ انوار العلوم ملتان نے فرمایا پاک و ہند میں
بیشمار مشائخ کرام کی زیارت کی مگر آپ میں جو روحانی کشش تھی اس کا کیا
کہنا برسوں نیازمندانہ تعلقات رہے ہر موقعہ پر انکساری فیاضی علم دوستی میں
بڑھ چڑھ کر پایا۔ آپ نے جس وسیع القلبی سے مدارس اہلسنت کی سرپرستی
فرمائی اگر ان مشکلات میں آپکی اخلاقی اور مالی اعانت نہ ہوتی تو صحیح عرض کر
رہا ہوں ہمارا مذہبی تشخص نصف النہار تک کبھی نہ پہنچ سکتا تھا خداوند تعالےٰ
آپکے درجات بلند فرمائے اور آپکے فیوضات سے ہمیشہ ہمیں بہرہ ور رکھے۔

قائد اہلسنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی صدر ورلڈ اسلامک مشن نے
رقم کرتے ہوئے فرمایا "حضرت خواجہ صاحب علیہ رحمتہ سے ہمارے دیرینہ خاندانی
تعلقات ہیں بلا تغیر قائم کہہ رہا ہوں وہ اپنے سلسلہ اسلاف کی آخری کڑی
تھے نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ اور مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
تحفظ کے لئے آپکا بے لوث جذبہ اور ہمت اس بات کا کھلا ثبوت ہے اگر قدرت انہیں
کچھ اور موقعہ دیتی تو آج مملکت خداداد کا کچھ اور نقشہ ہوتا۔

شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین صاحب پیر آف سیال شریف نے فرمایا
"ناچیز اس سلیمان ثانی کے بارہ میں کیا عرض کر سکتا ہے جس کی خاک پا رہا ہے

اور یہ نصیب فقیر اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنالے شاید مسلامیانِ پاکستان کو علم نہ ہو
حضرت کریم ابن کریم نجیب الطرفین اور مجمع البحرین تھے
مجاہد تحریک پاکستان علامہ عبدالستار خاں نیازی نے بھرے مجمع میں فرمایا، جو مقدس
تحریک حضرت خواجہ مرحوم اپنے مقدس ہاتھوں سے شروع کر گئے بحمداللہ ہم اسی کی تکمیل کیلئے
جدوجہد کر رہے ہیں آپ کی غیورانہ اسلام کے لئے فداکاری اور جانبازی خاندان
سلیمانیہ چشتیہ کے لئے روشنی کا مینار ہے۔
غازیٔ اہلسنت حضرت علامہ شاہ محمد عارف اللہ صاحب قادری مرحوم نے ایک
انٹرویو میں بتایا میری حضرت تونسوی سے دو بار ملاقات ہوئی میں نے انہیں
انتہائی متواضع اسلامی نظام کے لئے سچے و پکے شیدائی اور خدمتِ خلق کے جذبے
سے سرشار پایا تحریک ختم نبوت میں آپ جس سج دھج سے کاروان مشائخ کی قیادت
فرمائی اس سے آپ کا انتہائی اخلاص دربار رسالت مآب سے حقیقی عشق نکھر کر
سامنے آجاتا ہے ـــــ سید گل بادشاہ صاحب بخاری سجادہ نشین اکوڑہ خٹک
مرحوم نے حضرت پیر پٹھان کے مرمریں گنبد کے زیر سایہ فرمایا، میرے ساتھ خواجہ
غریب نواز مرحوم کی جو مہربانیاں تھیں ان کا تو احاطہ نہیں کیا جا سکتا ایک بات انکا
نشانِ امتیاز تھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول کے لئے محبت اور البغض تھا، انہوں نے
پھر آپنے دوست بنایا تو محض رضائے خداوندی اور مدنی محبوب کی خوشنودی کے
لئے اگر کسی سے عداوت رکھی تو اسی معیار پر، یہ وہ اعلیٰ ترین وصف ہے جو عموماً مشائخ
حاضرہ میں مفقود ہوتا جا رہا ہے **وصال مبارک:** ۵ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ کو
حضرت اعلیٰ تونسوی کے عرس مبارک پر میر محفل کی حیثیت سے شریک
ہوئے، ۷ صفر المظفر جو حضرت اعلیٰ تونسوی کے وصال کی رات تھی جام وصال نوش فرمایا
، اور یہ حقیقت ثبت ہو گئی کہ فی الواقع آپ مظہر شاہ سلیمان سائیں پیر پٹھان تھے،

دُعا

از
ڈاکٹر غلام فرید

- میں زمین اور آسمان کے پیدا کرنے والے کی طرف یکسو ہو کر اپنا منہ کرتا ہوں میں اس کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔
- میری بدنی عبادتیں اور مالی صدقے۔ میرا جینا میرا مرنا جہان کے مالک و پروردگار کے لئے ہے۔ بیشک مجھے حکم ہے کہ میں کسی کو پروردگار کے برابر نہ سمجھوں اور اپنے سر کو اس کی درگاہ پر رکھوں۔
- اے خدا، اے بادشاہوں کے بادشاہ، پالن ہار! تیرے سوا کوئی بھی نہیں جس کی بندگی کی جائے۔ میں تیرا بندہ ہوں۔
- اپنی جان پر ظلم کر چکا ہوں۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ تو میرے تمام گناہوں کو معاف کر دے۔ کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو اور کوئی بھی معاف نہیں کر سکتا۔
- اے مالک! مجھے اچھے سبھاؤ اور نیک عادتوں پر چلا۔ بیشک ایسی ہدایت تو ہی دے سکتا ہے۔ اے مالک! مجھے برے سبھاؤ اور بد خلقی سے بچائیو۔ بیشک تو ہی مجھے اس سے بچا سکتا ہے۔ میں تیرے حضور میں حاضر ہوں اور تیرا حکم ماننے کو تیار ہوں۔
- اے مالک! بہتری اور نیکی کی سب قسمیں تیرے ہاتھ میں ہیں اور بدی کو تیری طرف لگاؤ نہیں۔ اے مالک! بڑی برکتوں اور بلندیوں والے! میں تجھ سے اپنی بخشش کا سوال کرتا ہوں۔

- الٰہی ! میں تجھے سجدہ کرتا ہوں ۔ تجھ پر ایمان رکھتا ہوں ۔ تیرے سامنے اپنے سر کو جھکاتا ہوں ۔ میرا چہرہ اسے سجدہ کرتا ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور میری صورت بنائی ۔ جس نے چہرہ کے ساتھ سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں لگائیں ۔

خدا بڑی برکتوں والا ہے ۔ پیدا کرنے کی طاقت اس میں اعلیٰ و احسن ہے ۔

- الٰہی ! میرا ظاہر میرا باطن تجھے سجدہ کرتا ہے اور میرا دل تجھ پر ایمان رکھتا ہے اور میں تیری نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں ۔
- الٰہی ! میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ کاروبار میں مجھے استقلال دے ۔ اور ارادہ میں نیکی عطا کر ۔ مجھے توفیق دے کہ تیری نعمت کا شکر کروں اور تیری عبادت اچھی طرح بجا لاؤں ۔ الٰہی ! میرے دل کو عیبوں سے پاک کر دے ۔ اور زبان کو سچائی سکھا دے ۔
- الٰہی ! میرے دین کو سنوار دے ۔ اس میں میرا پورا پورا بچاؤ ہے ۔ میری دنیا کو سنوار دے ۔ اس میں میری گزران ہے ۔
- الٰہی ! مجھے رزق دے جو پاک ہو ۔ علم دے جس کا نفع ہو ۔ عمل دے جسے تو قبول کرے ۔
- الٰہی ! میں تجھ سے عاجزی ، کاہلی ، بے ہمتی ، بخیلی ، حد درجہ کی کمزوری و ضعیفی اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں ۔
- الٰہی ! میرے دل کو پرہیز گاری دے ۔ اسے پاک کر دے ۔ تو ہی سب سے بڑھ کر اسے پاک بنا سکتا ہے ۔ اور تو ہی میری جان کا والی و کارساز ہے ۔

- الٰہی! جس علم میں نفع نہ ہو۔ جس دل میں تیری بزرگی نہ ہو۔ جس نفس میں قناعت نہ ہو۔ جو دعا قبول نہ ہوتی ہو میں ان سب سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔
- الٰہی! ہمارے دلوں میں الفت بھر دے۔ ہماری حالتوں کو درست بنا دے۔ ہم کو سلامتی کی راہ پر چلا۔ ہم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی دکھا۔
- الٰہی! ہم کو کھلے اور چھپے فحش سے پاک کر دے۔ اور ہم کو ہمارے کان، آنکھ، دل، بیوی، بچوں میں برکت دے۔ تو ہم پر رحمت رکھ۔ اور اپنی نعمتوں کو پورا فرما۔
- الٰہی! اس ملک پاکستان کا صرف تو ہی پاسبان ہے۔ اندرونی، بیرونی لیٹروں، رہزنوں، خود نمائی دکھانے والوں، ذاتی منفعت پر سب کچھ لوٹنے والوں سے بچا۔

الٰہی! اس کو اسلام کا گہوارہ بنا۔ صرف اور صرف تیرا ہی حکم چلے۔

- الٰہی! افغانستان کے مسلمانوں پر کرم فرما تاکہ با عزت اپنے گھروں کو لوٹیں۔
- الٰہی! ہندوستان کے مسلمانوں پر کرم فرما۔ ان کی پریشانیاں دور فرما۔

غلاموں کا غلام

غلام فرید

۱۷ / جنوری ۱۹۸۷ء ڈیرہ غازیخان